PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

ماہنامہ
سچی کہانیاں
کراچی

E-mail:pearlpublications@hotmail.com

بانی سہام مرزا

مدیرہ اعلیٰ: منزہ سہام

مدیر: حماد زیدی

ثمینہ روزی

MEMBER APNS CPNE	رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

منیجر مارکیٹنگ

زین شمسی

0309-2773279

سرکولیشن ڈیپارٹمنٹ

اقبال حسین

0311-2827690

لیگل ایڈوائزر

دانیال شمسی (ایڈووکیٹ)

رابطے کے لیے

021-35893122

021-35893123

خط وکتابت کا پتا 88-C-II فرسٹ فلور خیابانِ جامی کمرشل (یونائیٹڈ بیکری کے اوپر) ڈیفنس فیز-7 ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کراچی

قیمت فی شمارہ: 100 روپے ✵ جلد: 37 ۔ شمارہ: 11 ✵ نومبر 2020ء

ایڈیٹر پبلشر: منزہ سہام نے جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی سے چھپوا کر شائع کیا

پرل پبلی کیشنز کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع ونقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

اداریہ — منزہ سہام — 06

احوال — مدیرہ اعلیٰ — 08

حضورﷺ کی ازدواجی زندگی — غزالہ عزیز — 16

غادرہ — منورہ نوری خلیق — 20

بلوری آنکھ والیے — سعدیہ سیٹھی — 42

بخار عشق — حنا بشریٰ — 48

بالے داویاہ — ایم حسن نظامی — 60

ہرن مینار — شاہین رضوی — 71

بالا — سید پرویز دولہ — 76

وہ میری ہستی کا ساماں... — شبینہ مشتاق — 80

بڑبولے میاں — افتخار چوہدری — 86

کتاب تعارف — مجید احمد جائی — 101

زباظ — کاوش صدیقی — 103

مرزا صاحب — عالی مان آفاقی — 118

ہابیل اور قابیل — حنا بشریٰ — 120

چائے سے چاہ تک — 126

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

144 احمد رشدی اور گول گپے — رفعت خان
146 بڑے حکیم صاحب — جینا
150 بے وقوف بیوی — عبدالغفار عابد
156 دھند میں بہاولپور... — ایم اے خالق بھٹی
162 بارش بادل ... — ڈاکٹر جویریہ
172 چڑچڑی بڑھیا — قاری عثمان غنی
187 بلیلہ — میمونہ عباسی
192 بانو بے بے — حمیرا انجم وحید
195 اشتہار کہانی — ادارہ
200 شادی خانہ بربادی — محمد رضا احمد انصاری
204 ہائے شامت — سیدہ حمائل فاطمہ
208 مسئلہ یہ ہے — ادارہ
215 ڈائری — قارئین
219 شعر و سخن — ادارہ
224 شوبز — حماد زیدی

"دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کُھلا"

میرا ارادہ تو نہیں تھا کہ سانحہ موٹر وے کے بارے میں کچھ بھی لکھوں کیونکہ میرے نزدیک یہ محض ایک واقعہ نہیں بلکہ اخلاقی انحطاط و زوال کی المناک داستان ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ رویہ میڈیا نے اس وقت اپنایا جب ملزم عابد کو پولیس نے گرفتار کیا۔ چیف منسٹر پنجاب نے پولیس پارٹی کے لیے 50 لاکھ روپے کے انعام کا اعلان کیا کہ انہوں نے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ایک ماہ بعد عادی مجرم عابد کو گرفتار کیا۔

اس اعلان کے فوراً بعد عابد کے والد اور ایک رشتے دار کا بیان آ گیا کہ عابد کی گرفتاری میں پولیس کا کوئی ہاتھ نہیں بلکہ عابد کو بہانے سے گھر بلا کر ہم نے گرفتار کروایا ہے۔ اس کے بعد سے مختلف ٹی وی چینلز پر پولیس کے وہ لتے لیے گئے کہ الامان الاحفیظ......

میرا عقلِ کُل رکھنے والے ان میڈیا والوں سے صرف ایک سوال ہے کہ کیا مجرم کی سرپرستی کرنے والے اس قابل ہوتے ہیں کہ ان کی کسی بھی بات کو اہمیت دی جائے کیا عابد یا اُن جیسے لوگوں کے گھر والے نہیں جانتے کہ یہ لوگ عادی مجرم ہیں۔ اس سے پہلے بھی جب وہ ایسے ہی جرائم کا مرتکب ہوا تھا تب گھر والوں نے پولیس کو کیوں نہیں بتایا۔ کیا ان کی مدد کے بنا جرائم کر کے چھپنا ممکن تھا۔ عابد مستقل اپنی سالی اور بیوی سے مختلف نمبروں سے رابطے کر رہا تھا اور یہ بات ان خواتین نے پولیس کو نہیں بتائی بلکہ وہ چھپاتی رہیں۔ یہ گرفتاری بھی مخبری کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ یعنی پورا ٹبر چور اور جرائم پیشہ تھا۔ ایسے میں پولیس اور جرائم پیشہ عناصر کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنا بالکل غیر مناسب ہے۔ میں صرف میڈیا سے اتنا کہوں گی کہ گوبر گیس بنانے کے کام آتا ہے اور اس گیس پر کھانا پکایا جاتا ہے مگر گوبر کھایا نہیں جا سکتا۔ پولیس کے ادارے میں برے لوگ بھی ہوں گے مگر جرائم پیشہ لوگ اس قابل نہیں ہوتے کہ اُن کی بات پر پورے ادارے کو کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے۔

منزہ سہام مرزا

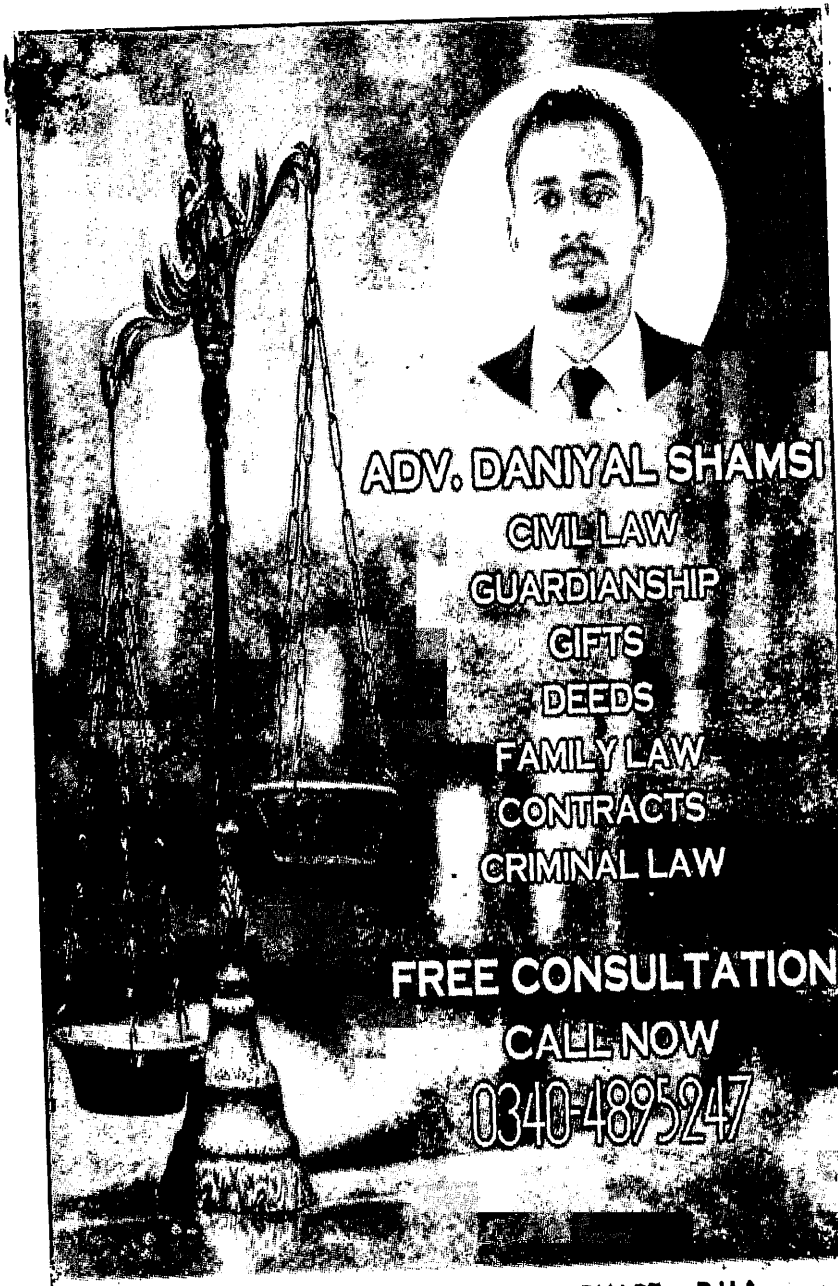
ADV. DANIYAL SHAMSI
CIVIL LAW
GUARDIANSHIP
GIFTS
DEEDS
FAMILY LAW
CONTRACTS
CRIMINAL LAW
FREE CONSULTATION
CALL NOW
0340-4895247
OFFICE: 88-C/II, JAMI COMMERCIAL, PHASE 7, D.H.A

احوال

قارئین کے درمیان رابطہ' آپ کے خطوط اور اُن کے جواب

عزیز احوالیو! کرونا' زیادتی اور سیاست لگتا ہے میڈیا کے پاس اس کے علاوہ کوئی خبر نہیں۔ عوام بجلی اور مہنگائی کے ہاتھوں ویسے ہی تنگ ہیں اوپر سے صرف بری بری خبروں نے ہر شخص کو کسی حد تک ذہنی مریض بنا دیا ہے۔ ایسے میں ایک کتاب ہی ہے جو سچا اور اچھا دوست محسوس ہوتی ہے اس تک رسائی بھی مشکل کر دی گئی ہے۔ مہر پرویز بھائی کے خط نے دکھی کیا۔ افسوس کا مقام ہے کہ 72 سال گزرنے کے بعد بھی ہم اس قابل نہ ہو سکے کہ محض ڈاک کے نظام کو بہتر کر سکیں حالانکہ ڈاک بابو اور تار یہ تو اس وقت بھی تھے جب فلمیں خاموش ہوا کرتی تھیں اور اب یہ حالات ہیں کہ ڈاک خانے خاموش ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ ہم سب پر رحم فرمائے۔

ملازم حسین شیرازی' کراچی سے لکھتے ہیں۔ محترمہ بہن منزہ سہام صاحبہ سلامت رہیں السلام علیکم! امید ہے میرا یہ عریضہ' تبصرہ

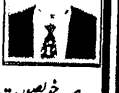

آپ کو خوش خرم پائے گا۔ کراچی میں حالیہ طوفانی بارشوں' ان کی تباہ کاریوں اور مواصلاتی نظام درہم برہم ہونے کے باوجود رسالے کا بروقت شائع ہونا قابل تحسین ہے۔ سرورق پُراسرار نمبر کے لیے سرورق نہایت موزوں ہے۔ اداریہ ہماری خوش نصیبی کہ کائنات کی مقدس ترین عظیم ترین ہستی ہمارے پاک پیغمبر ﷺ پیشوا و اولی ہیں ان کے ارشاد کردہ احکامات کی اتباع اور پیروی میں ہماری دین و دنیا میں سرخروی ہے ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے میں کامیابی کا مرانی ہے۔ خوبصورت اداریہ تحریر کیا اور اپنے نیک جذبات کا اظہار کیا بہت خوب' خطوط غلام مرتضیٰ علوی آپ کے دوست کے والد اور آپ کے ماموں اس دار فانی سے گزر گئے اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے بہت افسوس ہوا۔ جینا خط خوبصورت تحریر کیا دلچسپی برقرار رہی۔ فریدہ فری اللہ پاک آپ کو صحت کاملا عطا فرمائے کہانی خط کی پسندیدگی کے لیے شکریہ' رفعت خان آپ کا خط لاجواب ہے مبارکباد ایم اے خالق بھٹی اس دفعہ خط مختصر لکھا کہانی کو پسند کیا عنایت' سیدہ حمائل فاطمہ خط مفصل اور دلچسپ تحریر کیا بہت خوب کہانی خط پسند کیے نوازش' محسن علی طالب کہانی خط کی پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں آپ کی تحریر کو پڑھنا اچھا لگتا ہے۔ مور شاہد حسین آپ کی تحریر میں ادبی چٹخ بھلا لگتا ہے کہانی پسند آئی شکریہ عبدالغفار عابد آپ کے خط میں مخفی شکایات محسوس ہوتی ہیں شکایات کو ظاہر کرنا انہیں رفع کرنے کے مترادف ہے آپ کی ادبی خدمات اظہر من شمس ہیں کہانی پسند کرنے کا شکریہ۔ حافظ مون بخاری بی اے میں کامیابی کے ساتھ فرسٹ ڈویژن حاصل کی بہت خوشی ہوئی زندگی کے ہر مقام پر یوں ہی کامیابیاں سمیٹتی رہیں مبارک قبول فرمائیں۔ ارشد اقبال چوہان عرصہ بعد خط کی صورت میں ملاقات ہوئی سلامت رہیں۔ کہانیوں میں حضرت حاجرہ' دہشت ناک رات' کالا جادو' پُراسرار سایہ' کھوڑہ کی سیر' حنا بشریٰ کی دونوں کہانیاں ملن کی دوسری قسط' سورۃ یٰسین کی برکت' ناگ دیوتا' کمرہ نمبر 19' ڈائن پسند آئیں بہت باقی کہانیاں بھی بہترین رہیں ماشاء اللہ' شمارے کے خطوط کہانیاں' سلسلے' شوبز' ڈائری نہایت مناسب رہے ہمارے ملکی حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ ہر چھوٹا بڑا شخص ذہنی اور قلبی خلفشار میں مبتلا ہے۔ ٹی وی دیکھیں ریڈیو کھولیں اخبارات کھنگالیں خیر کی خبر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ کروڑوں اربوں کے ہیر پھیر میں 90 فیصد سیاستدان لیڈران ملوث پائے جاتے ہیں ان کے خلاف شہاتیں گواہیاں ثبوت پیش کی جاتی ہیں لیکن کوئی کارروائی بالاثر نہیں ہوتی' الٹا قانون کا مذاق اڑایا جاتا ہے اس ملک میں قانون تو غریب' مجبور بے بس کے لیے حرکت میں آتا ہے۔ لیکن اپنے عشرت کدوں میں عیاشیاں کرتے کلبوں' کیسینوز میں شارب و شباب کی محفلیں سجاتے ہوئے نظر آتے ہیں ان معاشرہ کے ناسوروں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ وقتی طور پر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے تو عدالتی ریلیف انہیں بچا لیتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود..... موجودہ پریشان کن اذیت میں مبتلا حالات کے باوجود دیکھا جا سکتا ہے کہ لکھاریوں قارئین میں جذبہ ادب دوستی پایا جاتا ہے کتاب سے دوستی نامساعد حالات کے باوجود ایک لحاظ سے دکھوں کا مداوا ہے جس پر عمل پیرا ہونے میں سکھ چین احساس زیاں اور مصائب سے دوری ہے۔ پیاری بہن خط ہذا کے ہمراہ 'جرم و سزا نمبر' کے لیے کہانی 'ڈارلنگ' ارسال ہے۔ تاریخی سلسلے نمبر کے لیے

کہانی 'سکندر اعظم' آپ کے پاس محفوظ ہے۔ عشق نمبر کے لیے دو کہانیاں عشق کے کوہسار اور الماس آپ کی نظر التفات کی منتظر ہیں انہیں شائع کرنا آپ کی صوابدید پر منحصر ہے۔ اجازت چاہتا ہوں۔

☆ شیرازی بھائی! درست کہا آپ نے عدالتی نظام میں سقم ہے یہی وجہ ہے کہ انصاف کا حصول عام آدمی کے لیے تقریباً ناممکن ہے۔

❁ مہر پرویز احمد دولو میاں چنوں سے لکھتے ہیں۔ سلام مسنون! تبدیلی سرکار کی محبت' عوام دوست پالیسیوں کی وجہ سے اور کفایت شعاری کو عملی جامہ پہنانے کے لیے چک نمبر 124-7ER کا منی ڈاک خانہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس ڈاک خانے کے ڈاکیا کا ماہانہ شاہرہ 1520 روپے تھا اور یہ ڈاک خانہ 4 چوکوں' 6 بستیوں اور کئی ڈیروں پر ڈاک پہنچاتا تھا۔ ڈاک خانے کی بندش کی وجہ سے 3 ستمبر کو رجسٹری نمبر 324 ماہ نامہ سچی کہانیاں مجھے آج 23 تک نہیں ملا۔ معذرت خواہ ہوں رسالہ نہ ملنے کی وجہ سے تبصرہ پر حاضر نہیں ہو سکوں گا' اپنی تحریریں جب کبھی میاں چنوں آنا ہوا تو بھیج دیا کروں گا۔ آئندہ شاید میں سچی کہانیاں کی عدم دستیابی کی وجہ سے باقاعدہ شمولیت نہ کر سکوں۔

☆ پرویز بھائی! یقین مانیے آپ کے خط نے مجھے بہت دکھی کیا۔ ہم کس طرف جا رہے ہیں سمجھ سے باہر ہے۔

❁ ماریہ مجیب' کراچی سے لکھتی ہیں۔ منزہ باجی السلام علیکم! اپنے بچپن سے سچی کہانیاں پڑھ رہی ہوں اصل میں میری امی بہت شوق سے پڑھا کرتی تھیں وہ تو دنیا سے چلی گئیں مگر یہ شوق مجھے ورثے میں دے گئیں اس بار خط لکھنے کی وجہ بنی کہانی 'شب خون' پُر اسرار نمبر تو اس بار بہت زبردست تھا مگر اس کہانی نے تو دل دکھ سے بھر دیا سچ کہا انسانی رویے سے زیادہ کچھ پُر اسرار نہیں' جہاز کریش میں میرے والد کے دوست کا اکلوتا بیٹا بھی چلا گیا شاید اس لیے اس دکھ بھری کہانی نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ ویسے منزہ باجی سچ کہوں یہ پُر اسرار نمبر پچھلے سب شماروں سے اچھا ہے کیونکہ اس میں پُر اسراریت ہے خونخوا کی نہیں کہانیاں سب اچھی تھیں اور کھیوڑہ کی سیر نے تو بہت مزہ دیا۔ ایسا معلوماتی سلسلہ ضرور ہونا چاہیے اداریہ بہترین تھا۔ مجموعی طور پر شمارہ بازی لے گیا اس میں ایک وجہ دیدہ زیب اور غیر معمولی ٹائٹل بھی ہے۔ میری دعا ہے کہ ہمارا سچی کہانیاں دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرے آمین۔

☆ اچھی ماریہ! خوش رہو اور پابندی سے احوال میں شرکت کیا کرو۔

❁ مریم شاہ بخاری' سرگودھا سے لکھتی ہیں۔ پیاری آپی منزہ السلام علیکم! خدا تعالیٰ سے آپ کی صحت و تندرستی' کامیابیوں اور خوشیوں کے لیے دعا گو ہوں۔ ایک طویل عرصے کی غیر حاضری کے بعد حاضر محفل ہوں امید ہے خوش آمدید کہا جائے گا اور میرے لکھنے والے اور والیاں مجھے بالکل نہیں بھولے ہوں گے۔ پیاری آپی تین عدد کہانیاں حاضر ہیں آپ کے معیار پر پورا اتریں گی باقی نوک پلک آپ خود سنوار لیں شکریہ۔

☆ مریم! تمہیں کوئی نہیں بھولا اور پھر سچی کہانیاں پڑھنے اور لکھنے والے سب ایک خاندان کی مانند ہیں تمہاری کمی ضرور محسوس ہوتی رہی اب پابندی سے آتی رہنا۔

❁ حمیرا انجم وحید' واہ کینٹ سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم! آپی امید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گی۔ اللہ پاک آپ کو اپنی حفاظت میں رکھے ربیع الاول کے مہینے کی میری طرف سے آپی آپ کو اور سچی کہانیاں سے جڑے ہر فرد کو مبارکباد۔ آپی بے شک آپ نے درست کہا انسان کی دنیا و آخرت کی بہتری اسی میں ہے کہ نبی پاک ﷺ کی پیروی کریں۔ سیدہ حمائل فاطمہ آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری کامیابی پر مجھے مبارکباد پیش کی جن رائٹرز کو میری تحریریں اور لیٹر پسند آرہے ہیں میں اُن کی بے حد مشکور ہوں یہ سب آپی آپ کی محنت اور توجہ ہے جس کے باعث ہم جیسے لوگ کچھ اچھا لکھنے کے قابل ہوئے ہیں۔ آپی آپ کا بہت شکریہ آپ نے میری تحریر کو سچی کہانیاں کا حصہ بنایا ڈاکٹر تہمینہ عمیر نے حضرت بی بی حاجرہ کے بارے میں لکھ کر اسلامی معلومات میں اضافہ کیا۔ سچی کہانیاں میں حقیقت پر مبنی سبق آموز اچھی تحریریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ کہانیوں میں دہشت ناک رات ایک اچھی تحریر تھی۔ یہ ارحم ہی جانتا تھا کہ درخت پر لٹکی لاش میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ کہانی تاریک رات موجودہ حالات کی عکاسی کر رہی تھی۔ آج کے جدید دور میں بھی جادو سے ہم لوگ چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔ رب کی ذات چاہے تو کوئی جادوئی عمل اپنا اثر نہیں دکھا سکتا۔ کہانی چھٹی حس میں ماریہ کی چھٹی حس نے اس کے خاندان کو ایک بڑے حادثے سے بچا لیا۔ کہانی وہ آنکھیں ایک مظلوم کی وہ آنکھیں تھیں جو مدد کی طالب تھیں اور بدلے میں اچھی خاصی رقم احسان کے بدلے کے طور پر اس خاندان کو دے گئی۔ سجاول کے دیے ہوئے سورۃ یٰسین کے تعویذ سے تمام دوست محفوظ رہے۔ بے شک اللہ کے کلام میں بڑی برکت اور حفاظت ہے۔ جو لوگ اپنی زندگی اللہ کے بتائے ہوئے

طریقوں سے گزارتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں کامیابی پاتے ہیں۔ شوبز سلسلہ بھی اچھا سلسلہ ہے۔ جس میں پاکستانی اداکاروں کے بارے میں معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ آپی مزاح نمبر کے لیے کہانی بانو بے بے آپ کے پاس موجود ہے۔ فرسٹ ٹائم مزاح لکھنے کی کوشش کی ہے اب کس حد تک اس میں کامیاب ہوئی ہوں یہ آپ ہی بتا سکتی ہیں۔ امید کرتی ہوں کی بیشی آپی آپ دیکھ لیں گی۔ آپی میری پوئٹری کا کچھ کریں میری اصلاح کا پرابلم ہے جو آپ ہی حل کر سکتی ہیں۔ پوئٹری میں نے بھجوادی ہے سچی کہانیاں کے صفحات میں اپنی پوئٹری دیکھنے کا مجھے شدت سے انتظار رہے گا۔ آنے والا ہر پل ہم سب کی خوشیوں کا گہوارہ ہو۔ کوئی دکھ کسی کی زندگی میں آنے کا راستہ نہ بنائے اس دعا کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں۔

☆حمیرا! کچھ بھی کرنا چاہو تو پہلی بار مشکل پیش آتی ہے مگر پھر انسان صحیح ڈگر پر چل پڑتا ہے مزاح لکھنا بہت مشکل ہے جن لوگوں نے کوشش کی وہ قابل تعریف ہیں اور جنہوں نے ہمت نہیں کی وہ اگلی بار ضرور مزاح نمبر کا حصہ بنیں۔

✍حافظہ مون بخاری، سرگودھا سے لکھتی ہیں۔ پیاری آپی جانی، السلام علیکم! پُراسرار نمبر کا سرورق بھی پُراسراریت میں ڈوبا ہوا تھا۔ پُراسرار نمبرز کے سرورق میں مزید بہتری کی گنجائش ابھی موجود ہے۔ بار بار نصف چہروں کو دہرانا اکتاہٹ پیدا کر رہا ہے۔ ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے خیر البشر پر لاکھوں سلام بھیجتا آپ کا اداریہ پُرنور اور بامقصد تھا۔ دونوں اسلامی مضامین اعلیٰ پائے کا اندازِ تحریر اور معلومات سموئے ہوئے تھے۔ بالخصوص منورہ نوری خلیق صاحبہ کا مضمون بھرپور پختگی کا حامل تھا۔ اس کے فوری بعد دہشت ناک رات پڑھی آپ کا نام تو یوں بھی خوشی وطمانیت کا باعث ہے۔ آپ کی اسٹوری البتہ کافی خوفناک تھی اُف میرے خدا...... درخت سے لٹکتی لاش نے کس قدر سنسنی پھیلا دی۔ خوب اور خوف دونوں...... اسی طرح آپ کی ترتیب دی گئی شب خون مرد کے رویوں پر سوالیہ نشان ہے۔ رابعہ ریحان کے لیے بہت سی دعائیں خدا صبر سے نوازے آمین شیطانی عملیات اور کالا جادو اچھی کہانیاں تھیں کمرہ نمبر 19 پُراسرار اسپتال، وہ آنکھیں، ڈائن صحیح معنوں میں ڈراؤنی کہانیاں تھیں۔ اک حادثہ ایک کہانی کے تحت خون ناحق میں حق بشریٰ نے دل سوز تحریر قلم بند کی۔ دیگر مصنفین سے بھی گزارش ہے کہ وہ بھی ایک حادثہ ایک کہانی کے زیر عنوان تحاریر پیش کریں الماس فاطمہ ارمان صاحبہ کی کہانی ناگ دیوتا بہت اچھی تھی کھیوڑہ کی سیر سے لطف اندوزی حاصل کی۔ سرخ گلاب، کا موضوع کچھ پرانا سا تھا۔ ملن کی آخری قسط بھی جان دار تھی۔ ماریہ کی چھٹی حس نے بڑا کارنامہ انجام دیا۔ فاطمہ بخاری کی کہانی گزارا کر گئی۔ ارم ہاشمی کی کتاب کا تعارف اچھے انداز میں پیش کیا گیا۔ یقیناً ہاؤس دلچسپ کتاب ہوگی۔ سایہ بس ٹھیک تھی۔ سورۃ یٰسین کی برکت سے جان محفوظ رہی۔ بے شک کلام خدا کی برکتیں لامحدود ہیں۔ وشمہ اور زرتاش اچھی تھیں۔ تاہم دہشت ناک رات اور ناگ دیوتا باقی مواد سے زیادہ بہترین اور دلچسپ تھیں۔ بزم احوال میں اکثریت غیر حاضر تھی۔ یہ بات پسند نہیں آئی۔ سبھی کو پابندی سے احوال کا حصہ بننا چاہیے۔ محترم ملازم حسین شیرازی صاحب کو اللہ پاک شاد و سلامت رکھے آمین ان کی کوئی تحریر نہ پا کر مایوسی ہوئی۔ بھائی عثمان کی غیر موجودگی بالکل نہیں بھائی۔ جن احباب نے میرے تبصرے کو پسند کیا ان کا بہت شکریہ۔ آخر میں مجھے ایک گزارش کرنا تھی کہ میری ایک تحریر مرشد کامل سچی کہانیاں کے کسی گزشتہ شمارے میں شائع ہوئی تھی۔ کسی عزیز کے پاس اگر وہ شمارہ موجود ہو تو براہ کرم ادارے کے توسط سے مجھ تک پہنچا دیجیے۔ شکر گزار رہوں گی۔ اس مرتبہ آپ کی ڈائری میں خوب اچھے مراسلہ جات تھے۔ امن وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

☆حافظہ مون! ہمیشہ کی طرح زبردست تبصرہ میری تحریر کردہ کہانی پسند کرنے کا شکریہ۔

✍ظہیر ملک، ہارون آباد سے لکھتے ہیں۔ السلام علیکم آپی منزہ سہام مرزا صاحبہ کیسی ہیں آپ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر وعافیت عطا فرمائے بقایا سچی کہانیاں کے قارئین کرام معزز مصنفین خواتین وحضرات امید ہے آپ سب بھی خیریت سے ہوں گے۔ ستمبر کے شمارے کا مطالعہ کیا تھا اور تبصرہ بھی روانہ کیا تھا شاید کسی وجہ سے شامل نہ ہو سکا لیکن ہم اپنے پیارے سے پسندیدہ رسالے پر تبصرہ کرنا تو نہیں چھوڑ سکتے ناں تو اکتوبر کے شمارے پر تبصرہ حاضر کر دیا۔ امید ہے اشاعت کے قابل ہوگا۔ اکتوبر کا شمارہ پُراسرار نمبر تھا جس کا سرورق بہت خوبصورت تھا جس میں حسینہ کے خوبصورت ہونٹ بہترین منظر پیش کر رہے تھے۔ خیر البشر پہ لاکھوں سلام، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، منزہ سہام آپی ماشاءاللہ آپ نے بہت مبارک الفاظ استعمال کیے ربیع الاول کی آمد کے موقع پر بے شک اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب حبیب مصطفیٰ محمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان لکھنا کسی کے بس کا کام نہیں۔ وہ پنجابی کا ایک شعر ہے کہ......

حسیناں جمیلاں دا منہ موڑ دتا
محمد ﷺ بنا کہ رب نے قلم توڑ دتا

صدمہ

ہمارے قاری ذیشان ریاض کی والدہ مختصر علالت کے بعد اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں۔ ادارہ دکھ کی اس گھڑی میں ذیشان ریاض کے ساتھ ہے اور مرحومہ کے بلند درجات کے لیے دعا گو ہے۔

ماشاءاللہ اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو آپ ﷺ کی عزت و ناموس پر پہرہ دینے کی ہمت عطا فرمائے آمین۔ سلسلہ احوال میں پہنچے تو ماشاءاللہ محفل خوب عروج پر تھی ہمیشہ کی طرح اور منزہ سہام آپی کو سلام کہ انہوں نے باقاعدہ خط پڑھے بھی اور تمام کے جوابات بھی دیے ماشاءاللہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہم سے کبھی دور نہ کرے آمین۔ ملازم حسین شیرازی صاحب کا خط ہمیشہ کی طرح جاذب نظر بہت عمدہ تھا۔ غلام مرتضیٰ علوی صاحب بھی شریک محفل تھے سر آپ کے ناموں کی موت کا بہت افسوس ہوا اللہ تعالیٰ کو جو منظور تھا دعا ہے رب کریم آپ کے ماموں جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ آپ کا خط بھی عمدہ تھا۔ جینا صاحبہ ماشاءاللہ بہترین تبصرے کے ساتھ حاضر تھیں آپ اپنے ڈاکخانے کے شکوے کر رہی ہیں ویسے خط آپ کا بہت عمدہ تھا آتی رہیے گا۔ ذیشان صاحب بھی آئے ہوئے تھے سر جی اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا ان شاءاللہ محفل نہ چھوڑیے گا۔ فوزیہ اختر کا خط بھی اچھا تھا آپ کی کہانی ضرور پڑھیں گے۔ فریدہ جاوید فری صاحبہ کا خط مختصر لیکن پر اثر تھا۔ ثانیہ بھٹی صاحبہ کو ایک بار پھر خوش آمدید۔ شاہدہ ذاکر صاحبہ آپ کا تبصرہ بھی اچھا تھا خوشی ہوئی آپ دونوں ڈائجسٹ کی قاریہ بھی ہیں اور لکھتی بھی ہیں گڈ۔ رفعت خان صاحبہ کا تبصرہ بہت پسند آیا ماشاءاللہ آپ نے اشعار کے ساتھ تشریح بھی عمدہ کی جیتی رہیں۔ ایم اے خالق بھٹی صاحب بھی محفل میں جلوہ افروز تھے گڈ سر جی۔ سیدہ حمائل فاطمہ میری پیاری آپی ماشاءاللہ جہاں بھی جاتی ہیں چھا ہی جاتی ہیں عمدہ تبصرے کرتی ہیں ماشاءاللہ یہ تبصرہ بھی خوبصورت سے بھی خوبصورت ترین تھا بہت سی داد۔ محسن علی طاب صاحب مختصر لیکن بہترین تبصرہ لے کر آئے تھے۔ مور شاہد حسین صاحب بھی رسالے پر ترچھی نگاہوں سے عمدہ تبصرہ کر گئے تھے۔ عبدالغفار عابد صاحب بھی تفصیلی پر اثر تبصرہ لے کر آئے عمدہ۔ حافظہ مون بخاری صاحبہ گڈ اچھے خیالات۔ ارشد اقبال چوہان صاحب کا تبصرہ بھی تعریف کے لائق تھا ماشاءاللہ۔ سب کے خطوط عمدہ تھے میرا پیغام منزہ سہام آپی میری ایک تحریر 'چنگل' کے عنوان سے لاسٹ ماہ ارسال کی تھی اس کے بارے میں آگاہ کیجیے گا۔ امید ہے آپ ہم چھوٹے رائٹرز کے ساتھ تعاون فرمائیں گی۔ حضرت بی بی حاجرہ کے بارے میں ڈاکٹر تہمینہ عمیر صاحبہ نے بہت عمدہ لکھا جو بہت زیادہ تعریف کے لائق ہے واقعی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ماں کی تربیت کی وجہ سے اپنے خالق کے بھی فرمانبردار بنے اپنے باپ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے بھی اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحبہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مخزوم کا سردار بھی عمدہ تاریخ مضمون تھا منورہ نوری خلیق صاحبہ نے بہت اچھے انداز میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے پہلے تمام باتیں جان کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ دہشت ناک رات کہانی نے تو رونگٹے کر دیے منزہ سہام مرزا آپی زبردست ماشاءاللہ اچھی کہانی لکھی آپ نے۔ کالا جادو مریم شاہ بخاری صاحبہ کی کہانی بھی کالے جادو پر مبنی عمدہ کہانی تھی زبیدہ کا انجام بھیانک ہوا جو اس نے اپنے لیے اس نے خود چنا تھا آخر پر کہانی سوال چھوڑ گئی واقعی ایسا ہوتا ہے اور رہے گا انا کی بھینٹ کئی ماہیر جیسے لڑکیاں چڑھتی ہیں اللہ ہمیں اس برے عمل سے دور ہی رکھے۔ پراسرار اسپتال فرح انیس صاحبہ نے کمال لکھا عمدہ کہانی تھی اسپتال جس کا وجود نہ تھا ختم ہو گیا اس میں شہلا اور مہرین رات بھر ڈیوٹی کرتی تھیں پڑھ کہ تجسس ہوا بہترین کہانی تھی ویلڈن۔ ارم ہاشمی کتاب تعارف محترم مجید احمد جائی صاحب نے عمدہ کتاب کا تعارف پیش کیا سلامت رہیں آپ ہمیشہ عمدہ ہی لکھتے ہیں۔ سرخ گلاب اچھی کہانی تھی فہیم زیدی صاحب عمدہ لکھتے ہیں۔ شیطانی عملیات عجیب خوفناک کہانی تھی پڑھ کر شدید خوف محسوس ہوا فوزیہ فرید صاحبہ کے لیے بہت سی داد۔ سایہ راکی ولسن صاحب بھی بہت عمدہ لیکن پراسراریت سے بھری عمدہ تحریر لے کر حاضر ہوئے تھے گڈ ماشاءاللہ۔ وشمہ نزہت جبیں ضیاء صاحبہ ماشاءاللہ بہترین وشمہ کی کہانی پڑھ کر افسوس کہانی لاجواب تھی گڈ۔ رباظ کاوش صدیقی صاحب بہترین جا رہے ہیں ماشاءاللہ۔ کھیوڑہ معلوماتی سفرنامہ شاہین علی صاحبہ چھا گئیں ماشاءاللہ بہت لطف اندوز ہوئے پڑھ کہ گڈ۔ زرتاش تحریر بھی کمال تھی حنا بشریٰ صاحبہ واقعی کمال لکھتی ہیں پچھلے شمارے میں بھی ان کی تحریر کمال تھی گڈ آپی ہماری نیک خواہشات آپ کے ساتھ ہیں۔ سورۃ یٰسین کی برکت فدا شاہین بھٹی صاحبہ کیا بات ہے آپ کی عمدہ کہانی واقعی سورۃ یٰسین جو قرآن پاک کا دل ہے بہت سی پریشانیوں کا حل ہے۔ ناگ دیوتا بھی تاریخ کے لحاظ سے عمدہ تحریر تھی لیکن کہانی ہندوؤں کے مندر کی

تھی اچھی لگی الماس فاطمہ صاحبہ کے لیے نیک خواہشات۔ تاریک رات ہائے اتنی خوفناک کہانی جو پیش بھی میری پیاری بہناں فاطمہ بخاری صاحبہ نے کی تھی یہ آپ کی پہلی کہانی سچی کہانیاں میں لگی اس کے لیے آپ کو بہت مبارکباد اور کہانی بہت عمدہ تھی ماشاء اللہ آپی لکھتی رہیں اللہ مزید ترقیاں عطا کرے آپ کو۔ شب خون کہانی رابعہ ریحان ترتیب منزہ سہام آپی ماشاء اللہ چھا گئی کہانی بہت عمدہ تھی آخری پہرہ گراف تو کمال لکھا ماشاء اللہ۔ کمرہ نمبر 19 بھی کہانی عمدہ لگی ویلڈن ڈاکٹر جویریہ ندا صاحبہ۔ چھٹی حس میمونہ عباسی صاحبہ کی مختصر لیکن پراثر کہانی تھی ویلڈن۔ وہ آنکھیں حوریہ رابعہ صاحبہ کی کہانی اچھی۔ محسن علی طاب ماشاء اللہ بہترین لکھاری ہیں پراسرار نمبر میں ان کو پہلی دفعہ پڑھا اچھا لگا پڑھ کہ ڈائن کی کہانی بھی عمدہ تھی۔ خون ناحق حنا بشری صاحبہ کی دوسری تحریر گڈ ماشاء اللہ۔ ملن مہر پرویز احمد ولو صاحب کی سلسلہ وار کہانی اختتام کو پہنچی مہر پرویز صاحب کو بہت مبارکباد۔ مسئلہ یہ ہے بھی بہت عمدہ سلسلہ ہے جس میں مسائل کا حل دیا جاتا ہے خوشی ہوتی ہے پڑھ کہ سلامت رہیں۔ آپ کی ڈائری میں ماشاء اللہ بہت پیاری تحریریں ہوتی ہیں اچھا سلسلہ ہے ماشاء اللہ گڈ۔ شعر و سخن میں رونق لگاتی شاعری عمدہ تھی ماشاء اللہ۔ پاکستانی شوبز ادارے کی بہت پیاری پیشکش ہے اچھا لگا پڑھ کر اجازت چاہوں گا تبصرہ کافی طویل ہوگیا ہے مجھے اگلے شمارے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ اپنا اپنے پیاروں کا خیال رکھیں اللہ نگہبان۔

☆ظہیر بھائی! پچھلے ماہ خط شائع نہ ہونے کا شکوہ اب مکمل طور پر دورہ ہوگیا ہوگا۔ امید کرتی ہوں آئندہ بھی شامل احوال ہوں گے۔ آپ کی کہانی مجھے موصول نہیں ہوئی مگر میں ایک بار پھر دیکھ لوں گی۔

❀ فاطمہ بخاری' شورکوٹ سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ! امید باری تعالیٰ ہے تمام مصنفین و قارئین اور قابل احترام منزہ سہام آپی خیریت سے ہوں گے' ایک ماہ کے وقفے کے بعد دوبارہ حاضر ہوئی ہوں دعا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے تمام راحتیں اور خوشیاں سب کا نصیب ہوں اور رب تعالیٰ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے کیونکہ کرونا وبا نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر اٹھالیا ہے یہ وبا تو دنیا سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہی' کتنی مشکل سے چھ سے سات ماہ تک اسکول بند رہنے کے بعد دوبارہ کھلے ہیں معصوم کلیوں کو چھ سے سات گھنٹے تک ماسک لگا کر رہنا پڑتا ہے ابھی تو گرمی بھی ہے اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے ہم بڑے کافی متاثر ہوجاتے بچے تو پھر معصوم ہوتے ہیں بس اللہ پاک سب کو اپنے امان میں رکھے آمین' اب شمارے پر تبصرے کی طرف آتی ہوں سب سے پہلے سرورق پر اسرار نمبر کے عین مطابق لگا' اس دفعہ مجھے اکتوبر شمارے کا بے صبری سے انتظار تھا کیونکہ میرا پسندیدہ پراسرار نمبر شائع ہونا تھا سرورق تو دیکھتے ہی جاذب نظر لگا' 2 تاریخ کو پراسرار نمبر میں کہانی شائع ہونے پر اعزازی کاپی وصول ہوئی سچی کہانیاں میں جگہ دینے پر بہت بہت شکریہ' اکتوبر کا شمارہ میں نے بہت دل سے پڑھا اور جیسے ورق ورق حفظ کرتے ہوئے لفظ لفظ کو جیا ہے سب سے پہلے احوال میں سب کے تبصرے بہت خوبصورت تھے خاص کر میری پیاری دوست سیدہ حمائل فاطمہ کا تبصرہ اس کے علاوہ باقی تبصرے بھی بہت زبردست رہے جن میں محسن علی طاب بھائی' حافظہ مون بخاری' عبدالغفار عابد اور غلام مرتضیٰ علوی کے تبصرے بہت بہترین لگے باقی سب نے بھی خوب احوال بیان کیا۔ حضرت بی بی حاجرہ کی حیات مبارکہ کے بارے میں پڑھ کر علم میں خوب اضافہ کیا تو اکتوبر شمارے کی سب سے خوبصورت اور بہترین تحریر مخزوم کا سردار نے تو ایمان تازہ کر دیا ڈاکٹر تہمینہ عمیر نے بہت عمدہ لکھا بہت سی معلومات میں اضافہ ہوا' تاریخ کے جھروکوں میں ایمان افروز واقعات خالد بن ولید قبل از قبول اسلام اور اسلام سے بغض ایک ایرانی لڑکی برہ سے دلی جذبات کی وابستگی جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے مخزوم کا سردار کو کیسے نبی ﷺ کی ایک جھلک پر عشق مصطفیٰ ﷺ میں ایسے نے چین کیا کہ پھر سیف اللہ کا لقب پایا۔ یہ تحریر میرے گھر کے ہر فرد نے پڑھی۔ اب کہانیوں کی طرف آتی ہوں دہشت ناک رات نے تو واقعی تجسس میں ڈال دیا۔ وہ چیخیں صرف اسی گھر کے باسیوں کو سنائی دیتی تھیں اور ارحم کو موت سے قبل کیا خود کی لاش درخت سے لٹکتی نظر آئی ارحم کو کیوں مارا گیا اور اس کی لاش اسی رات کیوں نہیں ملی پراسراریت سے بھرپور' کالا جادو اور شیطانی عملیات معاشرے کے تاریک پہلو کو سامنے لاتی کہانیاں واقعی لوگ حسد میں کیا کیا نہیں کر گزرتے لیکن مکافات عمل کو بھول جاتے بہترین انجام کہانی پر بہت سی داد مصنفین کو۔۔۔ پراسرار اسپتال' سایہ' سرخ گلاب' وشہ زرتاش بھی بہترین رہیں سرخ گلاب نے تو ایک بات سچی دکھائی جو لوگ دنیا میں اچھے اعمال کرتے تو پھر قبر ان کے لیے محل بن جاتی' زرتاش جن زادی جسے عشق نے عشق زادی بنا دیا لیکن ناکام عشق پر اپنے محبوب کو ہی ہمیشہ کے لیے داغ دار کر گئی۔ رباط تو بہت خوب اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ محسن علی طاب بھائی کی کہانی ڈائن بہت خوب لکھا' ایک اچھی بات سیکھائی کہ اسلام میں ایسی شیطانیت نہیں ہے جس سے لوگ شیطانی عمل کر سکیں ایسے کاموں کو کرنے کے لیے انہیں دین سے خارج ہونا پڑتا ہے کالی داس جو پہلے مسلمان تھا اپنے ناجائز مقاصد کے لیے دین سے خارج ہوگیا

بدبخت ہی تھا تبھی اسلام جیسے روشن دین کو چھوڑ دیا ڈائن کے کردار کو اچھے سے بیان کیا گیا ادھوری خواہشات اکثر انسان کو بھی ڈائن بنا دیتی ہیں بہت سی داد ایک حادثہ ایک کہانی خونِ ناحق آج کل تو خون سفید ہوگئے ہیں پھل اور سایہ دار درخت کی طرح انسان کو بھی بس مطلب کے لیے یاد رکھا جاتا اور بیکار انسان کو پت جھڑ کے درخت کی طرح کاٹ دیا جاتا باقی کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں شب خون از رابعہ ریحان کہانی تھی یا آپ بیتی پڑھ کر آنکھیں نم ہوگئیں جب جہاز جل گیا لوگ خاک ہوگئے تب دل میں درد ہوا پڑھ کر آپ کا مان ٹوٹا لیکن معاف کرنا تو اللہ پاک کو پسند ہے ارم ہاشمی کی کتاب 'ٹی ہاؤس' کا تعارف بھی بہت خوب تھا۔ شعروسخن میں بشریٰ حنا' رفعت خان اور محسن نقوی کی غزل مجھے بہت پسند آئی ڈائری کا صفحہ بھی ماشاء اللہ بہت اچھا تھا' اس بار مکمل شمارے پر تبصرے کے لیے سوچا تھا کچھ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کوشش کی ہے' جلد پھر حاضر ہوں گی۔ اللہ نگہبان۔

☆ فاطمہ! پچھلے ماہ تمہاری کمی محسوس ہوئی اب آئی ہو تو پابندی سے آتی رہنا۔ کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ۔

☫ اللہ رکھا چوہدری' ہارون آباد سے لکھتے ہیں۔ پیاری آپی السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' دعا ہے مولا کریم آپی آپ پر اپنی رحمتوں کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے ساری انتظامیہ کے لیے دعائیں۔ پچھلے ماہ ڈاک کے انتظار میں رہا اور پھر آخر کار خرید کر جلدی جلدی پڑھ کر تبصرہ کیا ساری رات مطالعہ میں اور تبصرہ کرنے میں گزر گئی لیکن آج جب شمارا ملا تو جلدی سے احوال دیکھا تو آنکھیں نم ہوگی مجھے یقین ہی نہیں آیا کے میرا تبصرہ نہیں ہے دوسری بار پھر دیکھا لیکن اپنا تبصرہ نہ پا کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا میں پورا ماہ شدت سے انتظار کرتا رہا کہ اس ماہ آپی میری کہانیوں کا بتائیں گی اور جب جب دن قریب آتے جا رہے تھے میرے انتظار نے اور شدت پکڑ لی لیکن کچھ بھی نہ پا کر کافی دیر سر پکڑ کر بیٹھا رہا۔ پھر سوچا اب کیا ہوسکتا ہے اس بار شمارہ جلدی مل گیا ہے تو تبصرہ کرتا ہوں جی تو یہ ہوا میرے ساتھ۔ اب آتا ہوں شمارے کے تبصرے کی طرف جہاں خوف ہی خوف اور دور سے آتی ہوئی چیخیں سنائی دے رہی تھی۔ سرورق پر اندھیر نے خوب اپنا راج جمایا ہوا تھا لیکن اندھیر میں حسینا کے سرخ لب لائٹ کی طرح روشنی بکھر رہے تھے۔ ماشاء اللہ بہت ہی پیارا سرورق ہے۔ اداریہ پڑھ کر اچھے بچے کی طرح سیدھا' حضرت بی بی ہاجرہ' ڈاکٹر تہمینہ عمیر اس تحریر کے لیے جتنی داد دوں کم ہے۔ 'منورہ نوری خلیق' کی کہانی 'مخزوم کا سردار' پڑھ کر بہت خوشی ہوئی ہر ماہ ایسی ایک تحریر ہونی چاہیے۔ 'دہشت ناک رات' یہ آپی منزہ سہام مراز ہمارے پیارے رسالے کی مدیرہ کی کہانی ہے نہ زبردست بہت ہی عمدہ ویل ڈن۔ 'کالا جادو' مریم شاہ بخاری سیس نے تو ڈرا ڈرا کے سارے ریکارڈ توڑ دیے زبردست تحریر ماشاء اللہ لکھتی رہیں۔ 'فرح انیس' بھی جب لکھتی ہیں کمال کردیتی ہیں اس بار خوفناک کہانی لکھ کر کمال کردیا زبردست تحریر اور منظر نگاری خوب رہی۔ پیارے مجید احمد جائی صاحب نے ارم ہاشمی پر بہت ہی کمال تبصرہ کیا۔ 'سرخ گلاب' فہیم زیدی صاحب کی بہت ہی پیاری تحریر کمال کردیا یار۔ 'شیطانی عملیات' فوزیہ فرید آپ کی لکھی تحریر پڑھ کر بہت مزہ آیا منظر نگاری بھی خوب کی ماشاء اللہ۔ 'سایہ' راکعہ ولسن مختصر مگر پڑھ کر ایسا لگا جیسے کوئی ناول پڑھ لیا ہو کم الفاظ میں خوب اچھے سے ساری کہانی کو بیاں کیا۔ 'نزہت جبیں ضیاء آپی جب بھی لکھتی ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے صفحہ قرطاس پر موتی بکھیر دیے ہوں 'وشمہ' بھی آپی کی ایک شاہکار تحریر پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ 'رباط' کاوش صدیقی صاحب کی جتنی تعریف کروں کم ہے جب بھی لکھتے ہیں کمال کردیتے ہیں اس بار بھی رباط کی قسط زبردست رہی۔ 'کھیوڑہ' شاہین علی کی تحریر بہت ہی معلوماتی تھی کئی بار سوچا اور تیاری بھی بنائی لیکن شاید قسمت میں نہیں لیکن بہت شوق ہے مجھے ان شاء اللہ کبھی جاؤں گا ضرور۔ 'زرتاش' حنا بشریٰ کی تحریر زبردست رہی ماشاء اللہ بہت عمدہ لکھتی ہیں لکھتی رہیں۔ 'سورۃ یسین کی برکت' فدا شاہین بھٹی صاحب دل چاہ رہا ہے آپ کے ہاتھ چوم لوں کمال کی شاہکار کہانی تحریر کرکے دل جیت لیا۔ 'ناگ دیوتا' الماس فاطمہ ارمان زبردست تحریر۔ ارے واہ جی واہ ماشاء اللہ جھنگ سے سچ میں یقین نہیں آرہا فاطمہ بخاری سچ میں کمال کردیا آپ نے نہیں تو جھنگ کا جو بندا ملا شاعر ہی ملا۔ 'تاریک رات' بہت عمدہ کہانی تھی منظر نگاری بھی زبردست تھی۔ 'شب خون' بھی لاجواب رہی۔ 'کمرہ نمبر 19' چھٹی حس اور وہ آنکھیں زبردست رہی ماشاء اللہ خوب لکھا۔ جی تو محسن علی طاب بھائی مجھے یقین تھا پراسرار نمبر میں آپ کی کہانی ضرور ہوگی اور دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی ایک بار تو ایسا لگا جیسے میری لگی ہے۔ 'یہ دل کا رشتہ ہے دل جانتا ہے پیارے بھائی' جی تو بات کروں ڈائن کی تو محسن علی طاب لکھیں اور وہ تحریر کمال نہ ہوا ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کمال منظر نگاری بہترین کردار اور پلاٹ بہت ہی زبردست ہے ڈائن نے اسے اپنا بنا لیا اور وہ آسانی سے اس دلدل میں دھنس گیا۔ لاجواب تحریر ویل ڈن محسن علی طاب بھائی۔ ملن کی دوسری اور آخری قسط پڑھ کر مزہ آگیا مہر صاحب نے خوب لکھا اور کمال کردیا۔ سلسلہ مسئلہ یہ ہے ایک لازوال سلسلہ ہے مجھے پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے ہر مشکل کا حل مل جاتا ہے ہر ایک کو۔ سلسلہ آپ کی ڈائری بہت ہی عمدہ سب نے خوب لکھا ماشاء اللہ سلسلہ پاکستانی شوبز پہلی خبر ہی پڑھ کر ندا یاسر پر آیا ہوا غصہ ایک بار پھر تازہ ہوگیا مجھے ندا سے یہ امید نہیں تھی جو اس ٹوٹکا باجی

نے کر دکھایا۔ باقی خبریں بھی زبردست رہیں بہت مزہ آیا اور خوب انجوائے کیا۔ اس کے ساتھ ہی پراسرار نمبر ہوا ختم اور میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو چاند اپنی پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا جیسے دیکھ کر مجھے اپنا چاند یاد آ گیا۔ اب شدت سے مزاح نمبر کا انتظار ہے کیوں کے میں نے بہت سارا ہنسنا ہے اور مجھے اپنی تحریر کا بھی انتظار ہے۔ اس کے ساتھ ہی چاہتا ہوں اجازت زندگی نے وفا کی تو نومبر کے مزاح نمبر پر تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضری دوں گا۔

☆ اللہ رکھا چوہدری صاحب لیجیے آپ کا مکمل تبصرہ احوال میں شامل کر دیا اب تو خوش۔

✍ مور شاہد حسین' قمر شہداد کوٹ سے لکھتے ہیں۔ آپی منزہ سہام سلام آداب پراسرار نمبر 3 اکتوبر کو موصول ہوا خیر البشر پر لاکھوں سلام لفظ لفظ موتی احوالی بہنوں بھائیوں کو سلام دعائیں ڈاکٹر تہمینہ عمیر حضرت بی بی ہاجرہ رضہ کا مضمون لائیں گزارش ہے کہ بی بی آسیہ بی بی مریم اور بی بی فاطمہ کی زندگی پر بھی مضمون لکھیں مرحومہ منورہ نوری خلیق مخزوم کا سردار زبردست کمال کی تحریر تھی پلیز مرحومہ کی کہانیوں کا سلسلہ جاری رکھیں باقی تمام کہانیاں اپنی مثال آپ تھیں زرتاش اور خون ناحق کی مصنفہ حنا بشریٰ ایک ہی شخصیت ہیں آپی مزاح نمبر کا بڑی شدت سے انتظار ہے۔

☆ شاہد بھائی آپ کو تمام سلسلے اچھے لگے شکریہ۔

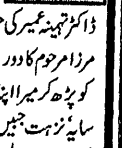

✍ ایم اے خالق بھٹی' رحیم یار خان سے لکھتے ہیں۔ محترمہ باجی منزہ سہام مرزا صاحبہ' تسلیمات بجا لاتا ہوں۔ اداریہ میں آپ نے اس شخصیت کے بارے میں لکھا جنہوں نے پوری دنیا سے جہالت اور کفر مٹانے کے لوگوں کو اعلیٰ وارفع زندگی گزارنے کا پیغام دیا تھا اور ہمارے پیارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ نے خود اس پر عمل کر کے دکھایا مرحبا مرحبا' پراسرار نمبر 2 کا اتنی جلدی چھپ کر آنا آپ کی بے مثال محنت اور لگن کی بدولت ممکن ہوئی ہے اور اس مرتبہ سرورق پر خوفناک تصویر نہیں تھی جس کی وجہ سے سچی کہانیاں کو اپنی ٹیبل پر رکھنا ممکن ہوا ہے ورنہ ہمیشہ اپنی فیملی سے چھپا کر رکھتا تھا۔

ڈاکٹر تہمینہ عمیر کی حضرت بی بی حاجرہ' منورہ نوری خلیق کی تحریروں کا تاریخی سلسلہ پھر سے شروع کرنا بہت اچھی کاوش ہے اور انکل سہام مرزا مرحوم کا دور یاد آ گیا ہے۔ باجی منزہ سہام مرزا کی تحریر دہشت ناک رات میں ایک خوفناک بلا کے ہاتھوں دل کے دلخراش واقعے کو پڑھ کر میرا اپنا دل ہول گیا۔ مریم شاہ بخاری کی کالا جادو' فرح انیس کی پراسرار اسپتال' فوزیہ فرید کی شیطانی عملیات' راکی ولسن کی سایہ' نزہت جبیں ضیاء کی دشمنہ' کاوش صدیقی کی رباط کی نویں قسط پڑھی ہیں اچھی کاوشیں ہیں رائٹرز کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ محترمہ شاہین علی نے کھیوڑہ کی سیر خوبصورت انداز میں کرائی ہے سدا خوش اور کامران رہیں۔ باقی تحریریں زیر مطالعہ ہیں۔ برادرم دانیال شمسی کی انصاف کی فراہمی کے لیے کاوشوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں اور اپنی فیس بک آئی ڈی میں ان کا اسٹیٹس لگا دیا ہے۔ باجی سدا خوش وکامران رہیں۔

☆ خالق بھائی دانیال اور ہم دونوں آپ کے شکر گزار ہیں۔ عشق نمبر کے لیے مجھے اچھی سی کہانی بھیجیں۔

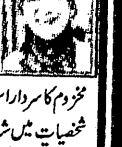

✍ شاہین رضوی' لاہور سے لکھتی ہیں۔ السلام علیکم' اکتوبر کا سچی کہانیاں ملا تو بہت خوشی ہوئی' پراسرار نمبر کا سرورق بہت اچھا تھا۔ صفحہ نمبر 6 پر خیر البشر پر لاکھوں سلام جو ربیع الاول کی مناسبت سے بہترین تحریر تھی۔ ربیع الاول کے مبارک ماہ میں سرکار دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات مقدس اسوہ حسنہ امت مسلمہ کے لیے تا قیامت مشعل نور ہے۔ احوال کی محبت کے چراغوں سے منور محفل ربط ومحبت کی کہکشاں لگی۔ حضرت بی بی ہاجرہ پر روح پرور مضمون ڈاکٹر تہمینہ عمیر کے قلم سے یہ وہ برگزیدہ امہات جن کی گود میں حضرت اسماعیل کی تربیت ہوئی' تاریخ کے جھروکوں سے مخزوم کا سردار اسلامی تاریخ پر بہت دسترس رکھنے والی منورہ نوری خلیق اپنے منفرد اسلوب ونگارش کی بدولت ہمیشہ ہماری بہت پسندیدہ شخصیات میں شامل ہیں۔ پھر پراسرار کہانیوں کا سلسلہ شروع ہوا منزہ سہام مرزا کے قلم سے دہشت ناک رات جو اپنے عنوان سے ہی بہت پر تجسس لگ رہی تھی جب کہانی پڑھنا شروع کی اکثر مطالعہ کے لیے رات کا ہی وقت ملتا ہے۔ کہانی پڑھتے ہوئے ڈر بھی لگا جو ایک منجھے قلم کار کی نشانی بھی ہے۔ کالا جادو، مریم شاہ بخاری جب تک حسد جلن کے مارے لوگ ہیں ایسی کہانیاں جنم لیتی رہیں گی۔ پراسرار اسپتال فرح انیس کی لکھی کہانی نے سوچنے پر مجبور کر دیا کتاب تعارف ایک بہت خوب صورت تعریفی وتنقیدی سلسلہ ہے ارم ہاشمی کی ٹی ہاؤس پر مفصل تبصرہ بہت اچھا لگا۔ صفحہ نمبر 72 پر فہیم زیدی کی سرخ گلاب تیزی سے پڑھتے ہوئے ڈر بھی لگا۔ جنات اور پراسرار واقعات بھی ہماری دنیا میں ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر اب بھی ہم خواتین رات کے وقت قبرستان کے پاس سے گزرتے ڈرتے ہیں اور بڑی برق رفتاری سے یہ فاصلہ طے کرتے ہیں مگر پھر بھی پراسرار کہانیوں کو ہم پسند کرتے ہیں۔ شیطانی علمیات فوزیہ

فریدے نے پراسرار واقعات کو کہانی کی شکل میں ڈھالا اکثر رد بلا اور ڈر اور خوف سے نجات کے لیے تعویز پہننا بھی اچھا ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ سیاہ رنگ کی بلی سے ڈر لگتا ہے کہتے ہیں کہ بلی اور کتے نادیدہ آتشی مخلوق کو دیکھ کر عجیب سی آوازیں نکال کر خبردار بھی کرتے ہیں۔ راکی ولسن کی سایہ قدرے مختلف لگی' وشمہ نزہت جبین ضیا ایک المناک کہانی تھی۔ رباط کی 9 ویں قسط جو ایک جن زادے کی آپ بیتی بھی ہے۔ صفحہ نمبر 114 کے بعد اپنی مطلوبہ اور سچی کہانیوں کے لیے پہلی تحریر دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ ہمارا مقصد پاکستان کے خوب صورت ترین مقامات اور عجائبات اور اہم ترین شہروں کے بارے لکھنا ہے۔ کھیوڑہ سالٹ سٹی دنیا بھر میں نمک کی دوسری بڑی کان ہے۔ نمک کی کان کے اندر رنگ روشنی کی ایک بہت خوب صورت دنیا آباد ہے۔ مجھے امید ہے کہ سچی کہانیوں کے قارئین کو یہ دشت و جبل کی سیر کا سلسلہ پسند آئے گا' ریکارڈ ٹائم میں ایک ہی زرتاش لاہور یعنی ہمارے شہر سے ارسال کردہ پراسرار کہانی' آتشی مخلوق موجود ہے اور ہم خاکی مخلوق سے کہیں زیادہ ان کی تعداد ہے عموماً مساجد اور سناٹے والے مقامات ان کا مسکن ہوتے ہیں۔ ہمارے ایک بہت قریبی دوست کو بھی یہ آتشی مخلوق اپنے ساتھ لے گئی تھی' اس کی کہانی پھر کبھی' آتشی مخلوق برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔ فدا شاہین بھٹی کی سورۃ یٰسین کی برکت قرآن کی یہ آیات مقدسہ بہت مشکلات سے بچا لیتی ہے اس کا پڑھنا اور سننا باعث خیر و برکت ہے اور ایسی مخلوق کے شر سے امان دلاتی ہے۔ ناگ دیوتا روشنی کے شہر کراچی سے محترمہ الماس، فاطمہ کی لکھی کہانی لکھنو کے ایک گاؤں کی کہانی' ہندوستان کے اکثر مندروں میں ناگ دیوتا کثرت سے پائے جاتے ہیں ان کی باقاعدہ پوجا کی جاتی ہے۔ فاطمہ بخاری جھنگ سے تاریک رات لے کر آئی ہیں زیادہ تر کہانیوں کو برق رفتاری سے پڑھا ہے اور یہ ہمارا پہلا تبصرہ ہے اس لیے کہیں کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی ہو تو درگزر کر دیجیے گا۔ کراچی سے رابعہ ریحان کی کہانی کو سچی کہانیاں اور دوشیزہ کی مدیرہ اعلیٰ منزہ سہام مرزا نے ترتیب دیا، بہت اچھی کہانی اس کی پنچ لائن بہت سبق آموز تھی انسان آتشی مخلوق سے زیادہ خطرناک بن جاتا ہے۔ ہماری بہت اچھی دوست ڈاکٹر جویریہ ندا کی کمرہ نمبر 19 کہانی میں موجود تجسس نے بہت متاثر کیا اسلام آباد بھی ایک دن میں آباد اور پر رونق، شہر ہے مگر رات کو اس کا سکوت و سناٹا ڈرا دیتا ہے۔ حنا بشریٰ کا خون ناحق بہت اچھی سبق آموز تحریر تھی کائنات کا مالک و خالق جس کے قبضے قدرت میں سب کچھ ہے۔ خصوصی تحریر ملن کی آخری قسط جو مہر پرویز احمد جن کا تعلق بہت سرسبز شہر میاں چنوں سے ہے اس کے پس منظر میں لکھی بہت اچھی آخری قسط تھی۔ نیت چونکہ رسالے کو برق رفتاری سے پڑھ کر مدیرہ اعلیٰ کا شکریہ ادا کرنا تھا کہ اتنے خوب صورت پھولوں کو بہت خوش نظر شاہکار کی شکل میں قارئین کے نذر کیا ہے ریکارڈ ٹائم میں ایک ہی نشست میں سچی کہانیاں پڑھی ہیں اب ذرا کمر سیدھی کر لوں۔ خوش رہیے۔

☆شاہین جی آپ کی محبت اور خلوص نے مجھے آپ کا گرویدہ کر دیا ہے۔ یقیناً 80 کی دہائی میں جو لوگ دوشیزہ اور سچی کہانیاں سے جڑے تھے وہ آپ کو پہچان لیں گے مجھے یقین ہے کہ اب اتنی طویل غیر حاضری کے بعد آپ پابندی سے احوال میں شرکت کیا کریں گی اور میں سفرنامہ مجاز کی منتظر ہوں۔

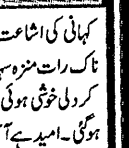

محسن علی طاب' ساہیوال سے لکھتے ہیں۔' السلام علیکم آپی منزہ اللہ پاک آپ کو صحت اور ایمان والی لمبی عمر عطا فرمائے آمین' شمارہ

پرسرار نمبر 2 کا سرورق میری کہانی ڈائن کی طرح لگا۔ اشارہ کر کے سوہنا سورج نوں موڑ دا آپی چن ٹوڑ کے تے آپی چن جوڑ دا...... بگڑی بنا دے میرے نبی ﷺ دا اشارہ قسم خدا دی مینوں سب نالو پیارا' اداریہ خوب تھا۔ خطوط سب ہی کے اچھے تھے جن بہنوں بھائیوں نے مجھ خاکسار کو یاد رکھا ان کے لیے دل سے دعائیں مجھے جن کے خطوط پسند آئے ان کے نام ملازم حسین شیرازی' جبینا' فوزیہ' رفعت خان' ایم اے خالق بھٹی' حمائل فاطمہ تھے خط و کہانی کی اشاعت پر آپ کا دلی شکر گزار ہوں۔ مجھے جو تحریریں پسند آئیں ان کے اور مصنفین کے نام مخزوم کا سردار منورہ نوری' دہشت ناک رات منزہ سہام' کالا جادو مریم شاہ بخاری' پرسرار ہسپتال فرح انیس' سرخ گلاب فہیم زیدی' نزہت جبین ضیا آپی کی تحریر' وشمہ' دیکھ کر دلی خوشی ہوئی اللہ پاک صحت عطا کرے آمین۔ فاطمہ بخاری تاریک رات عمدہ تحریر لکھ کر پرسرار لکھنے والوں کی فہرست میں شامل ہوگئی۔ امید ہے آئندہ بھی اچھی تحریر کے ساتھ حاضر ہوگی۔ حنا بشریٰ کی دو کہانیاں شامل تھیں دلی مبارکباد' باقی شمارہ بھی اپنی مثال آپ تھا اسی کے ساتھ اجازت باشرط زندگی اگلے ماہ حاضری ہوگی خدا حافظ۔

☆محسن! خط بروقت ارسال کرنے کا شکریہ۔

اس آخری خط کے ساتھ اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے اور سچی کہانیاں سے متعلق کوئی بھی بات ہو بلا جھجک مجھ سے کہیے۔ میں منتظر رہوں گی۔

دعاؤں کی طالب

منزہ سہام مرزا

رسول اللہ ﷺ کی ازدواجی زندگی

مصطفیٰ ﷺ جان رحمت پر لاکھوں سلام
شمع بزم ہدایت پر لاکھوں سلام

غزالہ عزیز

حضور اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی پر نظر ڈالنے سے قبل ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ آپ ﷺ کا ہر عمل منشاء ربانی کے مطابق تھا۔ اس میں کسی نفسانی خواہش کا کوئی دخل نہ تھا۔ جیسا کہ قرآن میں رب فرماتا ہے۔ ''اور وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔'' آپ ﷺ کی سیرت آپ ﷺ کا کردار آپ ﷺ کا ایک ایک عمل حکم رب کے تابع ہوتا تھا۔

آپ ﷺ نے کئی شادیاں کیں ان شادیوں کی مصلحتیں تھیں۔ آپ ﷺ کی شادیوں کی مصلحتوں کا جائزہ لینے سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں کسی شخص کی شادی کے کیا اسباب اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔

دنیاوی لحاظ سے کبھی کوئی شخص دولت کے حصول، اقتدار کی خواہش، شہرت یا محبت کے حصول کے لیے شادی کرتا ہے کبھی اولاد نرینہ کی آرزو پوری کرنے کے لیے بھی کرتا ہے۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کس مقصد اور مصلح کے تحت شادیاں کیں۔

سب سے پہلے مال کی خواہش کو دیکھا جائے تو یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے علاوہ جو خواتین آپ کے نکاح میں آئیں ان میں سے کوئی دولت مند نہ تھیں۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی کی خواہش خود حضرت خدیجہؓ کی جانب سے ایک پیش کش کی صورت میں ہوئی اور بزرگوں کی سرپرستی میں یہ شادی عمل میں آئی۔

حضرت خدیجہؓ نے اپنی دولت تبلیغ دین میں کھلے دل کے ساتھ خرچ کی پھر وہ وقت بھی آیا کہ انہوں نے اپنے پیارے شوہر کے ساتھ ہر تنگی و ترشی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا شعب ابی طالب کی گھاٹی میں اپنے شوہر کے ساتھ انتہائی مشکل وقت گزارا اور بقیہ زندگی وسیع القلبی کے ساتھ اپنے پیارے شوہر اور بچوں کے ساتھ تنگدستی سے بغیر شکوہ کے گزار دیے۔ پیارے نبی ﷺ نے بھی اپنی محبوب بیوی کی موجودگی میں

دوسری شادی کا نہ سوچا حالانکہ وہ آپ سے عمر سے بہت بڑی تھیں۔

باقی امہات المومنین میں سے حضرت جویریہؓ، حضرت صفیہؓ جنگ میں قید ہو کر آئیں تھیں۔ لہٰذا مال کا سوال ہی نہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہ بھی کنیز تھیں جنہیں مصر کے گورنر نے بھیجا تھا۔ حضرت سودہؓ، حضرت میمونہؓ حضرت زینبؓ حضرت اُم حبیبہؓ اور حضرت اُم سلمٰی بے سہارا اور بیوہ تھیں صرف حضرت عائشہؓ کے والدین نے شادی کے وقت کچھ سامان دیا تھا۔

اب ایک دوسرے پہلو سے جائزہ لیتے ہیں کہ کیا آپ ﷺ کی شادیاں نفس کی تسکین کے لیے کی گئیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ انسان کو نفس جذبات اور قوت شہوانی دے کر بھیجا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس جذبہ کی تسکین کا فطری راستہ بھی نکاح کے ذریعے اختیار کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ اب رسول اللہ ﷺ کی شادیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

آپ ﷺ کی پہلی شادی جو جوانی میں ہوئی حضرت خدیجہؓ سے ہوئی جو آپ ﷺ سے عمر میں پندرہ سال بڑی تھیں۔ آپ ﷺ نے اپنا پورا عالم شباب ان کے ساتھ گزارا اور انتہائی خوشگوار ازدواجی تعلقات کے ساتھ گزارا اتنا کہ باقی زندگی آپ ﷺ نے ہمیشہ انہیں یاد کیا۔

اگر آپ ﷺ نفس کی تسکین کے لیے شادیاں کرنا چاہتے تو کوئی چیز بھی آپ ﷺ کے مانع نہ تھی۔

عرب میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج عام تھا۔ پھر سب سے بڑھ کر خود قریش نے آپ کو پیش کش کی تھی کہ اگر آپ تبلیغ دین سے باز آجائیں تو دولت اور حسن حاضر ہے دولت مند حسینانِ عرب جس سے آپ کہیں آپ ﷺ کے لیے حاضر کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ خوبصورت تھے بہترین کردار رکھتے تھے سب سے اعلیٰ خاندان تھا۔ بھلا کیا چیز تھی جس نے آپ کو دوسری شادیوں سے باز رکھا اور پورے پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزار دیے۔ ٹوٹ کر محبت کی کہ جس سال آپ جدا ہوئیں اس سال کو آپ نے عام الحزن قرار دیا۔

کیا آپ ﷺ کی شادیاں محبت کے لیے تھیں تو یہ بات بھی سرے سے غلط ہے۔ آپ ﷺ نے شادی سے قبل جن دو خواتین کو قریب سے دیکھا وہ ایک حضرت عائشہؓ اور دوسری حضرت زینبؓ جو آپ کی پھوپی زاد بہن تھیں۔

حضرت عائشہؓ جب آپ کے نکاح میں آئیں تو چھ سال کی تھیں کوئی چھ سالہ بچی سے محبت کے خاطر شادی نہیں کرے گا۔ دوسری خاتون حضرت زینبؓ جن کو آپ ﷺ نے شادی سے قبل دیکھا تھا۔ تو اگر ان سے محبت کا جذبہ ہوتا اور شادی کا ارادہ ہوتا تو آپ بلا روک ٹوک کر سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ اپنے منہ بولے بیٹے کا رشتہ اُن سے طے کیا اور نکاح کروایا۔ ناچاقی کی صورت میں بھی دونوں کو سمجھایا لیکن جب طلاق ہوئی تو اللہ کے حکم سے ان سے شادی کی اور اُن کی دلجوئی کی۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بیٹے کی خواہش میں شادی کی جاتی ہے رسول اللہ ﷺ کو اللہ نے تین بیٹے عطا فرمائے لیکن وہ بچپن میں ہی انتقال فرما گئے۔ کسی کے ذہن میں یہ خیال بھی آسکتا ہے کہ بعد میں کی جانے والی شادیاں آپ ﷺ نے اولاد نرینہ کے لیے کی ہوں۔ لیکن یہ خیال بھی انتہائی بودا اور غیر وزنی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان ازواج المطہرات میں سے بعض

آپ ﷺ کے نکاح کے وقت ضعیفی کی حدود میں قدم رکھ رہی تھیں اور بعض کی پہلے شوہروں سے بھی اولاد نہ تھی (یعنی ہوسکتا ہے بانجھ ہوں) پھر حضرت عائشہ کے علاوہ آپ کی ساری ازدواج بیوہ یا طلاق یافتہ تھیں۔

لہٰذا یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ آپ ﷺ کی شادیوں کا مقصد نہ نفس تھا نہ اقتدار نہ دولت مند بننے کی آرزو اور نہ اولاد نرینہ نہ اعلیٰ منصب اور محبت کا حصول آپ ﷺ کی شادیوں کا مقصد صرف ایک چیز تھی اور وہ تھی اسلام کی تبلیغ، ترویج اور اشاعت، کسی شخص کے خاندان اور عائلی زندگی کے بارے میں ایک بیوی جس قدر جانتی ہے کوئی اور نہیں جان سکتا۔ عائلی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہوتا جس کے بارے میں بیوی سے بہتر کوئی جانتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی ایک وقت میں دس بیویاں تھیں جن میں کوئی اعلیٰ خاندان کی کوئی اسیر اور کوئی کنیز کوئی سادہ مزاج اور کوئی کم سن اور کوئی عمر رسیدہ کوئی خاندان میں سے کوئی غیر کوئی عربی النسل اور کوئی عجمی..... رسول اللہ ﷺ کی ذاتی زندگی کو قریب سے دیکھنے والی اتنی مختلف اور متنوع قسم کی خواتین تھیں ہر زاویہ نظر سے آپ ﷺ کو پرکھنے اور گواہی دینے والی اتنی قریبی ہستیاں تھیں کوئی یہ گمان نہیں کرسکتا کہ وہ دباؤ میں آکر کسی حقیقت کو چھپائیں گی۔ عائلی زندگی کے بارے میں امت کے لیے راہنمائی کا وہ ذریعہ تھیں آپ ﷺ خاتم النبین تھے۔ آپ ﷺ کی نجی زندگی آپ ﷺ کے ازدواج کے ذریعے ہی امت تک پہنچی اور رہتی دنیا تک راہنمائی کا ذریعہ رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی شادیوں سے جو مقاصد حاصل ہوئے ان میں اولین اور اہم ترین مقصد دین کے پیغام کی تبلیغ تھی۔ مختلف خاندانوں سے رشتہ داریاں قائم ہوئیں غلط رسومات کا خاتمہ ہوا مثلاً عربوں میں شوال کا مہینہ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا اور اس ماہ میں وہ شادی بیاہ نہیں کرتے تھے حضرت عائشہؓ کا نکاح اور رخصتی دونوں شوال کے مہینے میں ہوئی ایک اور رواج تھا کہ منہ بولے رشتوں کو حقیقی رشتوں کی طرح سمجھا جاتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے سلسلے میں لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو آپ ﷺ کی بھتیجی ہوئیں کہ ابوبکر آپ کے منہ بولے بھائی تھے۔ آپ ﷺ نے وضاحت کی کہ منہ بولا بھائی حقیقی بھائی نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے بارے میں لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو آپ کے بیٹے اور بہو ہیں آپ کو اس سلسلے میں جھجک تھی جس کا تذکرہ قرآن میں بھی ہوا ہے۔ لیکن حکم ربی کے تحت آپ ﷺ نے اس روایت کو ختم کیا کہ منہ بولے رشتے حقیقی رشتوں کی طرح نہیں ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ نے مختلف گھرانوں، قبیلوں اور نسلوں میں شادی کرکے یہ پیغام دیا کہ شادی کے رشتے کو ایک خاندان برادری یا قبیلے میں محدود کرنا غلطی ہے۔ آپ ﷺ نے اس طرح رنگ و نسل کے امتیازات کو ختم کیا۔

آپ ﷺ کی شادیوں کے باعث دشمنان اسلام سے خوشگوار تعلقات قائم ہوئے اور مضبوط اور طاقت ور قبیلے مسلمان ہوئے حضرت اُمِ حبیبہؓ مشرک سردار ابوسفیان کی بیٹی تھیں۔ ان کی بیوی نے آپ کے چچا حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا۔ 6ھ میں جب آپ کی شادی اُمِ حبیبہؓ سے ہوئی تو

ابو سفیان نے مخالفت ختم کردی اور فتح مکہ کے موقع پر ایمان لے آیا۔

حضرت صفیہؓ یہودی سردار کی بیٹی تھیں ان کا قبیلہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگے رہتے تھے لیکن حضرت صفیہ سے شادی کے بعد یہود نے مسلمانوں سے کوئی لڑائی نہیں کی۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر مسلموں سے پہلے شادیاں کر کے اچھے تعلقات قائم کئے جائیں مسلمانوں نے یہودیوں کو شکست دے کر انہیں مدینہ سے باہر نکال دیا گیا تھا اور حضرت صفیہؓ کنیز بن کر آئیں تھیں۔ انہوں نے آزادی مکاتبت کے ذریعے حاصل کی اور پھر اسلام لائیں ان کے اسلام لانے کے بعد اُن کے قبیلے کے لوگوں نے کوئی جنگ نہیں کی۔

حضرت جویریہؓ بنی مصطلق سے تھیں غزوہ بنو مصطلق میں وہ قیدی بن کر آئی تھیں۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ سے نکاح ہوا اس نکاح کے بعد اُن کے قبیلے کے تمام اسیران رہا کر دیے گئے۔ کیونکہ اب وہ رسول اللہ ﷺ کے رشتے دار تھے جو بعد میں ایمان لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام تر ذمہ داریوں کے ساتھ اپنی تمام ازدواج کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں۔ لوگوں نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب گھر میں ہوتے تھے تو اُن کا رویہ کیسا ہوتا تھا؟

حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ وہ ہم سب سے زیادہ نرم خو، متبسم اور خندہ رو تھے۔ انہوں نے کبھی کسی خادم کو بھی نہ جھڑکا سچ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی اپنے اہل وعیال کے لیے شفیق نہ تھا۔

❑❑.....❁.....❑❑

میرا مدینہ

صبا! گر ہو جانا تیرا مکّے مدینے میں
یہ کہنا میں یہاں رہتی ہوں، دل رہتا مدینے میں

تیری اُمّت رہے ہر دم جو بے کل
کہیں بھی چین نہ پائے سکوں پائے مدینے میں

میری حیات کی کشتی نہ جائے ڈوب بھنور میں
الٰہی! پار کر دے، لے جا مدینے میں

دیارِ عشق میں گیا پہنچ جو وہ نکلا نہیں
تمنا رکھتا ہو بیدم اُسی سفینے میں

تیری رحمت سے ہے اَب تو فقط یہ التجا تیری
بلا لے پھر بلا لے اِس گدا گر کو مدینے میں

گڈی آپا

خصوصی تاریخی کہانی

غادرہ

دو آراستہ گھوڑوں والی خوبصورت گاڑی پر مہین پردے تنے ہوئے تھے مگر اس طرح کہ ان کے عقب میں بیٹھنے والی صورت با آسانی دیکھی جاسکتی تھی۔ گہرے چمچماتے لباس میں شاہی گاڑی میں براجمان اس لڑکی کا نصف چہرہ نقاب میں تھا مگر یہ اندازہ کر لینا دشوار نہ تھا کہ وہ بلاشبہ غیر معمولی حسن کی مالک تھی

منورہ نوری خلیق

ابھی اس نے باقاعدہ سفر کا آغاز نہ کیا تھا لہٰذا گھوڑا سست روی سے چلا جا رہا تھا اور خیالات میں گم سوچوں میں الجھا ہوا وہ ابھی بغداد سے نکلا بھی نہ تھا کہ اسے شاہی مہمانوں کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ چونک گیا۔ جس سڑک سے وہ جا رہا تھا اسی سے گزر کر شاہی مہمانوں کی سواریوں کو قصر شاہی کی طرف جانا تھا اب احترام کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنا سفر روک دے اور گھوڑا سڑک سے اتار کر گزرنے والوں کا انتظار کرے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور گھوڑا سڑک سے اتار کر درختوں کے جھنڈ میں لے آیا۔

شاہی مہمان سواری دراصل ایک رقاصہ کی تھی جو شہزادہ امین الرشید کی طلبی پر کسی دور دراز علاقے سے بغداد آ رہی تھی۔ اور گھوڑا روک کر احترام سے راستہ دینے کے لیے درختوں کے سائے میں آ جانے والا جوان شہزادہ مامون الرشید کے بچپن کا غلام طاہر بن حسین تھا جو شہزادہ مامون الرشید کی محبت اور وفاداری کے ہر امتحان میں کامیاب ہوتا ہوا اب اس کی فوج کا ایک بہادر جنرل تھا مگر لوگ اسے اب بھی مامون الرشید کا غلام کہتے جس پر اسے خود بھی فخر تھا۔ طاہر بن حسین کے بارے میں عام خیال یہی تھا کہ اس نے بچپن سے اب تک مامون الرشید کے سوا کسی کو نہیں چاہا اور یہ حقیقت تھی مامون الرشید کو بھی علم تھا کہ اس کی محبت میں کوئی شریک نہیں ہوا۔ ان دنوں طاہر بن حسین مرو سے بغداد آیا ہوا تھا کیوں؟ یہ کسی کو خبر نہ تھی۔ آج اس کی واپسی کا دن تھا اور وہ دھوپ تیز ہونے سے قبل اپنا سفر شروع کر دینا چاہتا تھا مگر اب یہ ممکن نہ تھا جب تک شہزادہ امین الرشید کی خاص مہمان اس سڑک سے گزر کر قصر شاہی تک نہ پہنچ جاتی وہ اپنے گھوڑے کو سڑک پر نہ لا سکتا تھا۔ شاہی مہمان کی سواری ابھی دور تھی لہٰذا طاہر بن حسین نے سڑک کے ایک طرف درختوں کے سائے میں گھوڑا روکے روکے مڑ کر شہر پر نظر ڈالی شاید یہ وقت گزاری کا بہترین ذریعہ تھا۔ وہ گرد و پیش پر نظر

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

ڈالتا ہوا منہ سے سیٹی کی ہلکی ہلکی آواز نکالتے ہوئے بے فکر سے انداز میں قطار در قطار درختوں کے اِدھر اس طرح کھڑا تھا کہ خود اُدھر دیکھ سکتا تھا مگر اُدھر سے گزرنے والوں کی نظروں سے اوجھل رہتا۔

یہ عباسی لسطنت کا دارالخلافہ بغداد تھا۔ دریائے دجلہ کے دائیں اور بائیں کناروں پر نیم دائرے کی شکل میں یہ خوبصورت شہر اس وقت دنیا کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ بے شمار باغات' مرغزار' خوبصورت ترین عمارتیں' تفریح گاہیں' علوم وفنون کا مرکز' سپاہیوں کے لیے تربیت گاہ' مال واسباب سے بھرے آراستہ بازار اور دریائے دجلہ کے دونوں کناروں پر امرا و روسا کے محلات و شاہی باغات اس کی شان بڑھاتے۔ دریائے دجلہ کے کناروں پر پانی میں دور تک سنگ مرمر کے زینے اترتے تھے جہاں شام کو سیڑھیوں پر بیٹھنے والے دنیا بھر کے حسن سے بے نیاز ہوجاتے۔ خوبصورت و آراستہ کشتیاں جب حرکت میں آئیں تو ان کے پرچم اس طرح لہراتے کہ دور دور سے اس حسین منظر کو دیکھنے والے جیسے ہر منظر کو بھول جاتے۔ میلوں تک پھیلے ہوئے گھاٹ پر متعدد بیڑے کھڑے رہتے جن کے بیچوں بیچ

خلیفہ کے جنگی جہاز پہرے دار کشتیوں سے گھرے بلندی سے بڑے حسین لگتے۔ ہر شام شہر کے ایک حصے کے باشندے دوسرے حصے میں جانے کے لیے ان کشتیوں میں سفر کرتے تو کشتیوں کی روانگی اور دور تک نظر آنے والے مناظر شام کی تفریح کا لطف دوبالا کر دیتے غرضیکہ بغداد کے چپے چپے میں حسن تھا مگر یہاں کا اعلا ترین اور خوبصورت ترین مقام قصر شاہی ہی سمجھا جاتا اس کے ایوان پر بلند سبز گنبد بغداد کا تاج کہا جاتا اس گنبد پر ایک شہ سوار کا بت نصب تھا جسے دور سے دیکھنے والے محسوس کرتے کہ کوئی اسلحہ سے آراستہ گھوڑے پر سوار مجاہد سفر کے لیے تیار ہے۔ شاہی محل کے سامنے ایک طویل و عریض میدان تھا جہاں فوجیوں کی مہارت بھی آزمائی جاتی اور مختلف قسم کے فوجی کرتب بھی دکھائے جاتے۔

یہاں گھوڑ دوڑ کا مقابلہ بھی ہوتا اور شہزادے و دیگر امرا چوگان بھی کھیلتے' اس کھیل کو یہاں ہارون الرشید نے ایجاد کیا تھا جو دراصل ایک ایرانی کھیل تھا۔ اسی میدان میں نوجوان شہزادگن حرب کی تربیت بھی لیتے اور آپس میں مقابلے بھی کرتے۔ یہی وہ میدان تھا جہاں مامون الرشید اور امین الرشید نے فن حرب کی تربیت حاصل کی تھی۔ طاہر بن حسین نے گھوڑا روک کر ایک نظر میں یہ سب کچھ دیکھا اور اسے چند برس پہلے کی بے شمار باتیں ایک دم یاد آ گئیں۔ شہزادہ مامون الرشید اور شہزادہ امین الرشید کا تعلیمی و تربیتی زمانہ ان کے آپس کے کھیل' باہمی مقابلے اور کھیل کھیل میں لڑنا اور لڑتے لڑتے روٹھ جانا اور من جانا طاہر بن حسین کو سب کچھ یاد تھا وہ بچپن سے مامون الرشید کا غلام اور ہر دم کا ساتھی تھا وہ جانتا تھا ان دونوں بھائیوں میں بہت چاہت ہے لیکن سب سے صبر آزما وقت وہ ہوتا جب وہ دونوں کسی ایک چیز کو پسند کر لیتے تب طاہر بن حسین اپنی وفاداری اور محبت سے مجبور ہو کر مامون الرشید کا ستھ دیتا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر وہ چیز حاصل کر کے اس کے قدموں میں رکھ دیتا مگر جیتنے کے بعد مامون الرشید اپنے بھائی امین الرشید کی ہار پر ملول ہو جاتا اور حکم دیتا۔

''طاہر بن حسین تم ہم سے دور رہو۔'' تب وہ مامون الرشید کی اس فطرت پر حیرت سے سوچتا رہ جاتا کس قدر محبت تھی اسے شہزادہ امین الرشید سے اور آج بھی اس کی محبت کا یہی عالم تھا۔ ایک باپ اور دو ماؤں کے یہ دونوں بھائی عجیب فطرتوں کے مالک تھے۔ شہزادہ مامون الرشید ٹوٹ کر باپ اور بھائی سے محبت کرنے والا ایک صاحب علم اور باعمل انسان تھا اور امین الرشید باپ اور بھائی سے محبت کرنے والا مصاحبوں کے درمیان گھرا رہنے والا ایک شوقین مزاج انسان تھا۔ مامون الرشید فرصت کے لمحوں میں علمائے دین' محقق و مصنف اور شعرا سے گفتگو کرتا اور امین الرشید موقع ملتے ہی محفلیں آراستہ کرتا کبھی گیت و سنگیت کی کبھی رقص کی' ایسے میں خوشامدی امرا تعریفیں کر کر کے اس کے ذوق طلب کو اور بڑھا دیتے۔ طاہر بن حسین نے گھوڑا روکنے کے بعد یہ سب سوچا اور اس کی نظریں اس سمت اٹھ گئیں جدھر سے شہزادہ امین الرشید کے مہمان آنے والے تھے اور جن کے احترام میں بغداد کے مسافروں نے سڑک کے دو رویہ قطار در قطار درختوں کے ادھر اپنی سواریاں روک لی تھیں کیونکہ اس رقاصہ کے لیے شہزادہ امین الرشید نے اپنی خاص سواری بغداد کے باہر بھیج کر اسے وہ عزت بخشی تھی جو ابھی تک کسی شہزادے نے کسی رقاصہ کو نہ بخشی تھی۔ عام تاثر

یہی تھا کہ وہ مہمان کوئی معمولی ہستی نہیں ہے۔

یوں تو آئے دن عباسی شہزادے اپنے محل اور اپنی تفریح گاہوں میں ہر فن کے ماہرین کو دعوت دیتے اور یہ ماہرین ان کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے انعام و اکرام پاتے لیکن ان تمام شہزادوں میں امین الرشید نے سب کو مات دیدی وہ نت نئے تفریح کے انداز اختیار کرتا لیکن ان دنوں اس نے بغداد کے قرب و جوار کے تمام علاقوں سے حسین رقاصاؤں کو طلب کیا تھا اس کی عیش پرست طبیعت نے تفنن طبع کے لیے ایک نیا انداز ڈھونڈا تھا۔ یعنی سولڑکویں کا رقص اور اس رقص کے لیے اس کو ایک جیسے قد و قامت اور سفید رنگت والی لڑکیوں کی ضرورت تھی۔ اسی جستجو میں اسے علم ہوا تھا کہ بغداد سے دور دراز کے کسی علاقے میں ایک غیر معمولی حسین لڑکی موجود ہے۔ جو کسی موسیقار کی بیٹی ہے رقص و موسیقی میں نہ صرف کمال رکھتی ہے بلکہ صاحب علم بھی ہے۔ تب امین الرشید نے ایک بڑی رقم کے عوض اور اپنی ذاتی سواری بھیج کر اسے بغداد طلب کیا تھا اور یہی رقاصہ آج آنے والی تھی۔

طاہر بن حسین کو یہ سب کچھ معلوم تھا اور چونکہ اسے خود کھیل تماشوں اور حسین عورتوں سے دلچسپی نہ تھی لہٰذا وہ بیزاری سے یوں گھوڑا روکے ہوئے کھڑا تھا کہ کب شاہی مہمان کی سواری گزرے اور کب وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر سڑک پر لائے اور بغداد سے چل پڑے لیکن چند لمحوں بعد ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ٹاپوں کے ساتھ چندی کے گھنگھروؤں کا مترنم شور یہ اعلان کر رہا تھا کہ یہ شہزادہ امین الرشید کی سواری ہے جو مہمان کو لیے قصر شاہی کی طرف رواں ہے۔ اس آواز کو سنتے ہی طاہر بن حسین نے لاشعوری طور پر اُدھر دیکھا۔ دو آراستہ گھوڑوں والی خوبصورت گاڑی پر مہین پردے تنے ہوئے تھے مگر اس طرح کہ ان کے عقب میں بیٹھنے والی صورت باآسانی دیکھی جاسکتی تھی۔ گہرے چمچماتے لباس میں شاہی گاڑی میں براجمان اس لڑکی کا نصف چہرہ نقاب میں تھا مگر یہ اندازہ کر لینا دشوار نہ تھا کہ وہ بلاشبہ غیر معمولی حسن کی مالک تھی۔

یہ تھی غادرہ طاہر بن حسین نے آہستہ روی سے چلنے والی گاڑی کو دیکھا اور حواس باختہ سا رہ گیا۔ اب احترام کا تقاضا تو یہ تھا کہ اتفاقیہ جو نظر اٹھ گئی تھی اس کے بعد طاہر بن حسین اُدھر دیکھنے کی جرأت نہ کرتا مگر اس وقت تو ارادے کا کوئی دخل ہی نہ تھا اسے پردے کے عقب میں بیٹھنے والی کی صورت دیکھ کر محسوس ہوا کہ آہستہ آہستہ سفر کرنے والے ہلکے سے بادل نے ماہِ کامل کو اوٹ میں لے لیا ہے۔ اب نہ سوچ پر اختیار تھا نہ عزم کو دخل' وہ دیوانہ وار اسے دیکھتا رہ گیا اور سواری گزر گئی۔ پھر سڑک کے دو رویہ ادب سے کھڑا ہوا مجمع حرکت میں آیا لوگ اپنی اپنی سواریوں کو سڑک پر لے آئے مگر طاہر بن حسین تو اپنی جگہ یوں ساکت و سامت تھا جیسے حرکت کرنے کے قابل ہی نہ رہا ہو۔ مگر جب پیدل چلنے والوں نے سفر شروع کیا سواروں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی تو اسے بھی جیسے ہوش آ گیا اس نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اسے پھر سڑک پر لے آیا مگر..... بغداد سے جانے کے لیے نہیں بلکہ بغداد میں مزید ایک دن قیام کے لیے اور اس قتالہ عالم کو قریب سے صرف ایک نظر دیکھنے کے لیے۔

اس دن دوپہر ہونے سے قبل ہی بغداد میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ شہزادہ امین الرشید نے ایک

نئی کنیز خریدی ہے غادرہ' جو حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی اور وہ بیک وقت فن رقص و موسیقی میں طاق ہونے کے علاوہ صاحب علم ہے اور جدت فہم بھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی سنا گیا کہ آج شب شہزاد امین الرشید کے ذاتی محل میں غادرہ کے اعزاز میں خاص رقص ہونے والا ہے۔ جس میں سولڑکیاں مل کر ناچیں گی۔ شہر پہنچ کر طاہر بن حسین نے گھوڑے سے زین اتاری اور شب کا انتظار کرنے لگا۔ پھر اس نے بھیس بدلا اور محل میں داخل ہو کر محفل میں دست بستہ کھڑے ہوئے غلاموں کی صف میں شامل ہو گیا۔

امین الرشید کا محل یوں تو عجوبہ روزگار تھا اور نوجوانی سے ہی وہ یہاں عیش و عشرت کی محفلیں سجاتا اور منہ چڑھے مصاحب اس کے ذوق کو ہوا دینے کے لیے مبالغہ آمیز تعریفیں کرتے تھے۔ برسوں سے اس عباسی شہزادے کا یہی معمول تھا۔ لیکن ان دنوں جب خلیفہ ہارون الرشید بغداد کا تمام انتظام بلکہ زبیدہ کی خواہش پر امین الرشید کے حوالے کر کے خراسان کی بغاوت کچلنے کے لیے جا چکا تھا تو ایسے میں امین الرشید نے بڑے اعلیٰ پیمانے پر اپنی محفلوں کو آراستہ کرنا شروع کیا تھا ان دنوں یہ اپنا تمام وقت داستان گویوں' رقاصاؤں' بھانڈوں' مغنیوں اور مسخروں میں گزارتا۔ یہ لوگ اس کے گرد جمع ہو کر اسے اردگرد کی خبریں سناتے اور ان ہی کی صحبت میں اس کے ذہن نے تفریح طبع کے لیے ایک نیا خوبصورت انداز سوچا تھا یعنی سو پچاس ایک جیسی صورت شکل' قد و قامت اور عمر کی لڑکیوں کو ایک جیسی پوشاکیں پہنا کر ان سے ایک جیسا رقص کرایا جائے۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد ایک جیسی قد و قامت کی لڑکیاں فراہم کی گئیں امین الرشید عالم شہزادگی میں ہی بازنطینی بادشاہوں کی طرح عیش و عشرت میں پڑ گیا تھا اس وقت اس کے طرز عمل سے خوشامدی مصاحب پورا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ ان میں اکثریت ان کی تھی جو ہارون الرشید کے درباری تھے مگر اب امین الرشید کا بڑھتا ہوا اقتدار دیکھ کر اپنا مستقبل محفوظ کرنے کے لیے ہارون الرشید کی غیر موجودگی میں امین کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے۔ ان میں فضل بن ربیع' عبدالرحمٰن بن جبلہ' علی بن عیسیٰ' احمد بن فرید اور عبداللہ بن حمید نمایاں تھے اور یہ سب فوج کے دلیر جنرل تھے۔

البتہ فضل بن ربیع ہارون الرشید کا خاص وزیر اور امین الرشید کا راز دار مشیر تھا۔ یہ فتنہ پرور انسان امین الرشید کو تخت خلافت پر بٹھا کر دراصل خود حکومت کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس کی پوری کوشش تھی کہ خود کو اور اپنے جیسے اور بہت سوں کو امین الرشید کے گرد جمع رکھے۔ طاہر بن حسین نے یہاں قیام کے دوران یہ سارا تماشا دیکھ لیا تھا اور اب وہ واپس جانے والا تھا مگر آج کی شب بغداد میں گزارنے کے خیال سے رک گیا اور بھیس بدل کر غلاموں کی قطار میں شامل تھا۔

رات کا وقت تھا امین الرشید کے محل میں شام ہی سے چراغاں کیا گیا تھا اور جوں جوں تاریکی بڑھ رہی تھی شب کی رعنائیوں میں اضافہ ہو رہا تھا چراغاں کا حسن بڑھتا جا رہا تھا اس وقت شہزادہ امین الرشید کے محل کے بیرونی چمن میں جھلملاتے شامیانے لگے ہوئے تھے اور ہر شامیانے میں روشنیوں کا زبردست انتظام تھا اتنا کہ ہر طرف روز روشن کا گماں ہوتا تھا۔ گزرگاہوں سے لے کر شامیانوں کے اندر تک فرش پر اس قدر پھول بکھرے تھے کہ قالین نظر نہ آتے تھے۔ درمیانی

کشادہ شامیانے کے اندر عین سامن یا یک تخت پر قیمتی قالین بچھا ہوا تھا جس کے گرد کونوں میں سونے کی ننھی ننھی گھنٹیاں ٹنگی ہوئی تھیں جو ذرا سی حرکت سے مترنم آواز میں بجنے لگتیں۔ اس تخت پر نرم نرم گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے جو سونے کے تاروں سے چمک رہے تھے ان گلیوں سے ٹیک لگائے ہوئے چوبیس سالہ خوبصورت شہزادہ امین الرشید براجمان تھا۔

سفید ریشم کے چمکتے ہوئے لباس میں وہ بہت وجیہہ نظر آ رہا تھا۔ چہرہ خوشی اور کامیابی کے تاثرات سے دمک رہا تھا خلاف معمول مصاحبین اور مشیر تخت پر نہ تھے بلکہ شہزادہ امین الرشید کے پہلو میں آج غادرہ کی جگہ تھی لہٰذا مصاحبین و مشیر مراتب کے لحاظ سے تخت سے نیچے نشستوں پر براجمان تھے اور تخت کے دائیں بائیں دو رویہ قطاروں میں ایک جیسی وردیاں پہنے خادم نظریں فرش راہ کیے دستہ بستہ کھڑے تھے اس وقت کسی کے وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ اس محفل میں غلاموں کی قطار میں وہ ہستی بھی شامل ہے جو مامون الرشید کے بچپن کا غلام دونوں شہزادوں کے لڑکپن کا ساتھی اور اب مامون الرشید کی فوج ک ا ایک دلیر جنرل اور خاص مشیر بھی ہے جس نے بچپن سے اب تک صرف مامون الرشید سے محبت کی ہے اور وہ اس بات پر فخر کرتا رہا کہ اس محبت میں کوئی شریک نہیں ہوا لیکن آج غادرہ کو ایک نظر دیکھنے کے بعد جیسے وہ دل ہار چکا تھا اور یہی محبت اسے ایک دلیر جنرل سے غلاموں کی قطار میں لے آئی تھی مگر اسے پروانہ تھی وہ جان اور عزت سب کچھ خطرے میں ڈال کر صرف ایک نظر غادرہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔

ابھی شہزادہ امین الرشید کو محفل میں آئے زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ غادرہ کے آنے کی اطلاع ملی تو محسوس ہوا کہ ہر نفس اس عجوبہ روزگار کو دیکھنے کے لیے بے چین ہے۔ پھر اہل محفل نے دیکھا کہ کنیزوں کے جھرمٹ میں جو شخصیت شامیانے میں داخل ہوئی اس کے سامنے تمام رنگینیاں اور روشنیاں ماند پڑ گئیں۔ طلاع ہوتی صبح کی مانند وہ سراپا نور تھی اور چال میں شہزادیوں جیسا وقار تھا۔ محفل تعجب سے اس حسن کے شاہکار کو دیکھ رہی تھی لیکن اس وقت محفل میں دو ہستیاں ایسی تھیں جنہیں اپنی سندھ بدھ نہ رہی تھی ایک شہزادہ امین الرشید اور دوسری طاہر بن حسین.....

''میں امین الرشید سے اپنی محبت ضرور چھین لوں گا خواہ مجھے کچھ ہی کرنا پڑے غادرہ کو حاصل کر کے رہوں گا۔''

''غادرہ صرف میری اور میری ہی رہے گی۔'' پھر سولڑکیوں نے رقص پیش کیا شراب کے جام چلے داد و تحسین کی بارش ہوئی مگر طاہر بن حسین کو جیسے کچھ علم نہ تھا اس کی نظریں تو بار بار اس حسین چہرے کا طواف کر رہی تھیں جو ایک ہی نظر میں اس کی متاع حیات بن گئی تھی اور اب اسے چند گز کے فاصلے سے دیکھنے کے بعد سوچ رہا تھا کہ وہ صرف محبت کے قابل نہیں بلکہ پرستش کیے جانے کے قابل بھی ہے۔ وہ دیکھتا رہا اور اس دوران شہزادہ امین الرشید نے کتنی ہی بار اسے پیار سے بازو کے حلقے میں دبایا اپنے ہاتھ سے اسے ٹھنڈا اور مسحور کر دینے والا مشروب پلایا ایسے میں غادرہ مسکرائی تو طاہر بن حسین پر جیسے قیامت گزر گئی۔ اس شب اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب آ چکا تھا ابھی تک صرف مامون الرشید کے حکم کی تعمیل کرنے والا آج خود اپنے ذہن سے سوچ رہا تھا اور خود ایک فیصلہ کر رہا تھا۔

''طاہر بن حسین تمہیں بہر صورت غادرہ کو حاصل کرنا ہے۔'' اگلی صبح وہ مرو کی جانب روانہ ہوگیا جہاں مامون الرشید اپنے باپ کے حکم پر حاکم مقرر تھا۔ طاہر بن حسین کو یہاں کے بارے میں تفصیل سے بتلایا تھا مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ آج اس کی محبت تقسیم ہوگئی ہے وہ جذبہ جو ابھی تک صرف شہزادہ مامون الرشید کے لیے مخصوص تھا اب اس میں غادرہ شریک ہوگئی تھی اور عمر میں پہلی بار اس سفر کے دوران طاہر بن حسین محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک محبوب ہستی کو چھوڑ کر دوسری محبوب ہستی کی طرف جا رہا ہے اور یہ کام بڑا مشکل تھا۔

یہ بہت پہلے کی بات تھی جب خلیفہ منصور کا پوتا' خلیفہ مہدی کا بیٹا ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اسی شب اس کی ایک ایرانی کنیز نے ایک خوبصورت بیٹے کو جنم دیا اس وقت ہارون الرشید کی خوشیوں کی انتہا نہ رہی اس نے بچے کا نام 'مامون' رکھا۔ پھر مامون کی پیدائش کے ستھ ماہ بعد بلکہ زبیدہ نے ایک خوبصورت صحت مند بچے کو جنم دیا خلیفہ کو اتنی ہی خوشی محسوس ہوئی اور اس نے اس کا نام رکھا 'امین' پھر خلیفہ کے کئی اور بچے پیدا ہوئے مگر شہزادہ مامون اور شہزادہ امین کا ہر دم کا ساتھ تھا۔ ان دونوں میں ایک ایک نمایاں خصوصیت تھی مامون خلیفہ کا پہلا فرزند اور بڑا ہونے کی صورت سے اصل ولی عہد تھا اور امین ملکہ کا پہلا بیٹا ہونے کے سبب خلافت کا حقدار تھا۔ ابتدا میں دونوں ایک جیسے خوبصورت صحت منداور چونکا دینے والے بچے تھے لہٰذا ایک طرح سے پروان چڑھتے گئے لیکن پھر دونوں میں وقت کے ساتھ ساتھ فرق آتا گیا۔ ادھر شہزادہ مامون الرشید تھا جس کی ماں چند برس کے بعد ہی اسے محل کی سازشی فضا میں ملکہ زبیدہ کے زیر سایہ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئی تھی تب ہارون الرشید نے اس کو تعلیم و تربیت کے لیے جعفر برمکی کے حوالے کر دیا تھا اور اسے علم نہ تھا کہ اسے تخت سے محروم کرنے کے لیے اس کے بچپن سے ہی کاوشیں شروع ہوگئی ہیں۔ ادھر شہزادہ امین الرشید تھا ملکہ زبیدہ کا چہیتا جس کے ذہن میں ملکہ کی محبت نے بچپن سے ہی یہ خیال بٹھا دیا تھا کہ خلافت اس کا حق ہے اور پھر فضل برمکی اس کا استاد و اتالیق مقرر ہوا۔ یوں دونوں شہزادے ایک جیسی ذہانت اور ہونہاری کے باوجود الگ الگ اتالیق کے زیر سایہ مختلف ذہن لیے پلتے رہے اور ان دنوں کے استاد ہارون الرشید کو مطمئن کرتے رہے اور وقت اپنے دامن میں سینکڑوں اچھی بری یادیں سمیٹے گزرتا رہا اور عمر کے ساتھ ساتھ دونوں شہزادوں کے مزاجوں کا فرق نمایاں ہوتا گیا پھر لڑکپن کی عمر پر پہنچتے پہنچتے یہ اندازہ کر لینا مشکل نہ تھا کہ شہزادہ مامون الرشید باپ اور بھائیوں سے محبت کرنے والا ایک ایسا فرا خدل جوان ہے جس کے ذہن میں باپ کی اطاعت کے سوا کوئی تصور نہیں اور امین الرشید باپ اور بھائیوں سے محبت کرنے والا ایک ایسا شہزادہ ہے جس کی نظریں قبل از وقت ہی مرتبہ و اقتدار پر مرکوز تھیں اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ شہزادوں کے مزاجوں کے اس فرق کو سب سے پہلے محسوس کرنے والا خود خلیفہ ہارون الرشید تھا۔ کم عمری سے ہی ہارون الرشید کی دور بیں نظریں شہزادہ مامون الرشید میں وہ تمام اوصاف دیکھ رہی تھیں جو کسی بہترین حکمراں میں ہوتے ہیں لیکن ہمیشہ سے ملکہ زبیدہ کا تمام تر رجحان صرف اپنے بیٹے امین کی طرف تھا اور ہر موقع پر وہ ہارون الرشید کو اسی کی طرف مائل

کرنے کی کوشش کرتی اور خلیفہ ہارون الرشید کی سب سے بڑی کمزوری ملکہ زبیدہ تھی لہٰذا جب بھی یہ موضوع نکلتا دل و دماغ میں جنگ چھڑ جاتی۔ عقل مامون الرشید کا ساتھ دیتی اور دل زبیدہ کی طرف جھکتا جو صرف شہزادہ امین الرشید کی ماں تھی۔ جسے علم تھا کہ اس کا اپنا بیٹا مصاحب و مشیروں پر بھروسہ کرتا اور محفلیں سجاتا ہے اور اسی کا سوتیلا بیٹا صاحب علم اور اہل دانش کی مجلسوں میں شریک ہوتا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا فرزند بچپن سے ہی صرف اپنی ذات اقتدار کو اہمیت دینے والا ذہن رکھتا ہے اور سوتیلا بیٹا ابھی تک خلافت کے تصور سے پاک ذہن رکھنے اور باپ کی اطاعت کرنے والا جوان ہے مگر پھر بھی صرف اپنے بیٹے کی خلافت کے لیے مُصر تھی۔ یہاں تک کہ بچپن اور لڑکپن گزرا اور دونوں شہزادے جوان ہو گئے اب وہ دونوں علم سے آراستہ اور فنون حرب کے ماہر تھے۔

لیکن ان دونوں کی محفلیں جدا تھیں شہزادہ مامون الرشید کے گرد علما کا مجمع رہتا اور شہزادہ امین ہر دن نئی نئی داستان سنانے والوں کو طلب کرتا اور تفریح کے نئے طریقے دریافت کرتا لیکن اس نمایاں فرق کے باوجود ملکہ زبیدہ کے اصرار نے ہارون الرشید کو فیصلہ کر دینے پر مجبور کر دیا اور اس نے امین الرشید کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

اس کے بعد مامون الرشید کو پھر اپنے باقی دو بیٹوں کو تب ملکہ مطمئن ہو گئی۔ پھر وقت کچھ اور گزرا اور اس زمانے میں خلیفہ ہارون الرشید نے اچانک ایک عجیب فیصلہ کیا یعنی مامون الرشید کو ایران کے علاقوں کا حاکم مقرر کر دیا اور اس تقرر کا ایک پروانہ مامون الرشید کو عطا کر کے دوسرا خانہ کعبہ میں رکھوا دیا جس میں درج تھا کہ مامون الرشید ہمیشہ ایران کے علاقوں کا منتظم رہے گا۔

اس زمانے میں دونوں بھائیوں کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے وہ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے تقریباً اسی زمانے میں خراسان میں بغاوت ہوئی اور حالات نے وہ صورت اختیار کی کہ ہارون الرشید کو اپنی خاص فوج کے ہمراہ خود خراسان کی طرف جانا پڑا ایسے میں اس نے بغداد کا انتظام امین الرشید کے حوالے کیا اور بغداد سے نکل پڑا۔ ان دنوں مامون الرشید اپنے علاقے میں فوجی اور سول اصلاحات کے پروگرام بنا رہا تھا اور ہارون الرشید کے بغداد سے باہر قدم نکالتے ہی امین الرشید جو پہلے بھی عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اب بے خوف ہو کر کھلم کھلا محفلیں سجانے لگا۔ غرضیکہ دونوں بھائی مصروف تھے اور دونوں میں سے کسی کے ذہن میں بھی یہ تصور نہ تھا کہ اب خلیفہ ہارون الرشید کے قدم بغداد کی طرف کبھی نہ پلٹیں گے مگر قدرت کو یہی منظور تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید جو خراسان میں بغاوت کی خبر سن کر بنفس نفیس اِدھر متوجہ ہوا تھا ابھی مقام طوس تک ہی گیا تھا کہ پیغام اجل آ پہنچا اور طوس کے مقام پر 4 جمادی الثانی 193 کو عباسی خاندان کے اس عظیم خلیفہ اور دانشور رہبر نے انتقال کیا۔ اس وقت مامون الرشید مرو میں امین الرشید بغداد میں ملکہ زبیدہ رقہ اور قاسم الرشید قنسرین میں مقیم تھے۔

ہارون الرشید کی آخری وصیت یہ تھی کہ اس کے ساتھ جو فوج اور خزانہ تھا وہ سب مامون الرشید کے حوالے کر دیا جائے مگر وابستگان سلطنت میں سے جو لوگ یہ جانتے تھے کہ مامون الرشید نہ کانوں کا کچا ہے نہ عیش پسند بلکہ مزاج کی جو سختی ہارون الرشید میں پیدا نہ ہو سکی تھی وہ اس عباسی شہزادے کے مزاج میں لڑکپن سے تھی ایسے میں

وہ اگر خلیفہ بنتا تو خوشامدی امرانہ من مانی کر سکتے نہ اسے عوام سے دور رکھ کر اپنے تک محدود رکھ سکتے وہ اس وصیت پر عمل کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ مامون الرشید خلیفہ بن گیا تو وہ من مانی نہ کر سکے گا۔ ہاں خلافت اگر امین الرشید کو مل گئی تو در پردہ حکومت اس کی ہوگی اور نمائشی حکمراں امین الرشید' لہٰذا اسی وقت ہم خیال امرا کے باہمی مشورے کے بعد طے پایا کہ ہارون الرشید کی وصیت کا اعلان نہ کیا جائے اور تمام فوج وخزانہ امین الرشید کو مل جائے چنانچہ یہی ہوا.....اور.....

جب تک طاہر بن حسین بغداد سے سفر کر کے مرو پہنچا صاحب البرید کی طرف سے ہارون الرشید کی وفات کی خبر تمام علاقوں میں پہنچ چکی تھی۔

رات کا وقت تھا اس وقت مرو میں مامون الرشید کے قصر کے ایک طویل وعریض کمرے میں دستور کے مطابق بڑی روشنی ہو رہی تھی یوں تو ہر شب معززین کی محفل یہاں جمتی اور مامون الرشید ان سے گفت وشنید کرتا مگر آج نمازِ مغرب کی ادائیگی کے بعد وہ دیر تک تلاوت کلام پاک کرتا رہا لہٰذا اس وقت کچھ تلاوت کے اثر اور کچھ اندرونی سوچوں نے اس کے چہرے کو اور بھی پاکیزگی بخشی تھی مگر وہ افسردہ افسردہ اور خاموش تھا ایسے میں غمگسار اور ساتھی خدمت میں موجود تھے۔ ان میں اس کے خیر خواہ فضل بن سہیل اور سہیل بن سعد خاص لوگ تھے۔ سب یوں خاموش تھے جیسے کسی کے منتظر ہوں اور اس وقت مامون الرشید نے اپنے خاص معتمد ومعتبر غلام طاہر بن حسین کو' جو اب اس کی فوج کا بہادر سالار بھی تھا اور راز دار مشیر بھی' طلب کیا تھا۔ طاہر بن حسین آج ہی بغداد سے مرو پہنچا تھا اور تنہائی میں مامون الرشید سے ملنے کے بعد اپنی قیام گاہ پر لوٹ گیا تھا۔ عام خیال یہی تھا کہ وہ بغداد اور ہارون الرشید کی وفات کے بارے میں مکمل معلومات رکھتا ہے اسی لیے مامون الرشید نے اپنی خاص محفل میں اسے بلایا تھا اور معززین منتظر تھے۔

اس وقت مامون الرشید اپنے مخصوص تخت پر گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا اور اس کی سوچیں ایک طویل زمانے کا احاطہ کر رہی تھیں یہ زمانہ تھا طفلی کا' لڑکپن کا اور ہارون الرشید کے سایۂ عافت میں رہنے کا' باپ کی موجودگی میں جو واقعات غیر اہم لگتے تھے آج بڑے اہم لگ رہے تھے اور باپ کی موجودگی میں اس کی جو محبت اس کا معمول محسوس ہوتی تھی آج زندگی کی وہ سب سے قیمتی شے معلوم ہو رہی تھی۔ جو وقت کے بے رحم ہاتھوں نے چھین لی تھی۔ اسے بچپن کے وہ دن یاد تھے جب ہارون الرشید اور ملکہ زبیدہ میں ان دو شہزادوں کے موضوع پر بحث چھڑتی اور ملکہ اسے محروم کر کے امین کو ولی عہد بنانے پر پورا زور صرف کر دیتی بار ہا مامون الرشید نے غیر ارادی طور پر یہ سب کچھ سنا اور ایسی نہ ختم ہونے والی بحثوں کے بعد ہارون الرشید الگ الگ دونوں کا امتحان لیتا اور یہ واقعہ تھا کہ ہارون الرشید کو اپنے اس فرزند سے بے پناہ محبت بھی تھی اور اسی لیے اپنی زندگی میں ہی اسے ایران کے علاقوں کا حاکم بنا دیا تھا ورنہ ملکہ زبیدہ اور فضل برمکی تو کسی طور بھی اس کے لیے تیار نہ تھے کہ ہارون کے اس بیٹے کو کہیں کا بھی حکم بنایا جائے اس وقت ان ہی آزردہ سوچوں میں گم مامون الرشید ماضی کی یادوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ طاہر بن حسین کے حاضر ہونے کی خبر نے اسے چونکا دیا۔

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے اردگرد دیکھا

اور طاہر بن حسین کو بازیابی کی اجازت دے دی۔ پھر عہد رفتہ کے مضبوط جال سے ذہن کو آزاد کرنے کے لیے دوبارہ قریب بیٹھے ہوئے مشیروں اور مصاحبین پر نظر دوڑائی۔ اسی وقت طاہر بن حسین اندر داخل ہوا اور جھک کر آداب بجالایا مامون الرشید نے اس کی جانب دیکھا مگر اس کے انداز میں شہزادوں یا حکمرانوں والی شان نہ تھی اور نہ بڑائی کا کوئی تاثر تھا بلکہ آج وہ ایک ایسا جوان تھا جو اپنے باپ اور باپ کے اصولوں سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا تھا اور اسے اپنے محبوب باپ سے بچھڑے ہوئے مہینوں ہو چکے تھے اسے اطلاع ملی تھی کہ وہ اس ہستی سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا ہے۔ اس عظیم غم سے دوچار مامون نے نظر اٹھائی اور بولا۔

''طاہر بن حسین آؤ ہمیں بغداد' برادر عزیز امین اور قابل احترام خلیفہ کے بارے میں بتاؤ جو اب ہم سے رخصت ہو چکے ہیں اور جن کی شفقت اور محبت کو ہم فراموش نہ کر سکیں گے۔'' اس جملے پر امراوزرا اور مشیروں کے گلے رندھ گئے اور طاہر بن حسین نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے عرض کیا۔

''شہزادہ عالی مقام..... نہیں..... نہیں امیر المومنین۔'' مگر اس کا جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ مامون الرشید نے درد کے عالم میں کہا۔

''طاہر بن حسین ہمیں امیر المومنین نہ کہو یہ لفظ یہ خطاب صرف اس ہستی کے لیے تھا۔'' لیکن وہ اپنی بات مکمل نہ کر سکا اور اس وقت پہلی بار معمر وزیر فضل بن سہیل نے ادب سے کہا۔

''قطع کلامی معاف کیجیے شہزادے..... دراصل آپ کی سماعت اپنے لیے اس خطاب کی عادی نہیں ہے لیکن قدرت نے جس مقام و منصب کے لیے آپ کو پیدا کیا ہے آپ اس کے حقدار ہیں اور یاد رکھیے آپ اس حق سے دستبردار ہوں گے تو یہ غلط ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔''

فضل بن سہیل مامون الرشید کا خیر خواہ مشیر اور معمر وزیر تھا جس کے مشورے بڑے صائب ہوتے تھے یہی وجہ تھی کہ مامون الرشید انہیں سنتا اور عمل کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ خاموش رہا یہ دیکھ کر طاہر بن حسین نے پھر اپنی بات شروع کی۔

''امیر المومنین! بغداد میں' میں نے رقص و سرور کی محفلیں دیکھی ہیں داستان گویوں اور مسخروں کا مجمع دیکھا ہے اور شہزادہ امین الرشید کے گرد ایسے لوگوں کا مجمع دیکھا ہے جو انہیں صرف عیش کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں نہ صحیح مشورہ دے سکتے ہیں اور نہ وقت آنے پر ایثار و قربانی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ بغداد کے معززین نے مجھے بتایا کہ جب امیر المومنین ہارون الرشید نے بغداد سے خراسان کے لیے قدم نکالا تب سے شہزادہ امین الرشید نے رقص و سرور کی محفلوں کو کھلم کھلا سجانا شروع کر دیا ہے اگرچہ اس سے قبل بھی وہ یہ سب کچھ کرتے تھے مگر اپنے تحمل تک محدود تھے۔''

''ہم نے سنا ہے کہ اس نے بابا جان کے بغداد سے روانہ ہونے کے بعد ایک خاص کنیز خریدی ہے جس کی محبت میں وہ ہر فرض کو فراموش کر رہا ہے۔'' مامون الرشید نے درمیان میں ہی سوال کر دیا اس وقت طاہر بن حسین کی کیفیت دیدنی تھی غادرہ کا موضوع چھڑ گیا تھا اسے محسوس ہوا کہ امین الرشید کی کنیز کا ذکر نہیں بلکہ اس کی محبوبہ کا تذکرہ سرعام ہو رہا ہے جسے وہ گوارا نہیں کر سکتا وہ ملکہ جو اس کے دل و دماغ پر گرفت کر چکی ہے اب اس کے بارے میں مامون الرشید کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لہٰذا وہ جلدی

سے بولا۔

''عالی جاہ! غلام اس بارے میں لاعلم ہے۔ ہاں اثنائے سفر غلام کو یہ اطلاع ملی تھی کہ شہزادہ صالح بن ہارون الرشید جو خراسان کے سفر میں امیرالمومنین کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے امیر المومنین کی وفات کے بعد فوراً شاہی تلوار' شاہی مہر اور قبا کسی معتبر آدمی کے ہاتھ شہزادہ امین الرشید کو روانہ کردی تھی پھر سفر کے دوران ہی غلام کو یہ خبر ملی کہ ملکہ زبیدہ رقہ سے بغداد کے لیے روانہ ہوئیں اور مقام انبا میں شہزادہ امین الرشید نے بنفس نفیس ان کا استقبال کیا اور بڑی شان سے ملکہ کو شاہی محل بغداد میں لے گئے اور مرو پہنچتے پہنچتے خادم کو آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ شہزادہ امین الرشید اپنے پدر عظیم کی وفات کی خبر سن کر قصر الخد سے قصر الخلافت میں منتقل ہوگئے ہیں۔'' مامون الرشید نے یہ سب غور سے سنا اور تحمل سے بولا۔

''ہمیں یہ سب کچھ معلوم ہوگیا ہے بلکہ ہمیں تو یہاں تک معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے برادر خورد زمین الرشید نے والد محترم کی وفات کی خبر سنتے ہی امامت کرائی شاہی خطبہ پڑھا اور تمام عہدیداران سلطنت سے حلف اطاعت لیا ہے اور خدا گواہ ہے کہ ہمیں خلافت کی خواہش نہیں ہے اسی لیے ہم نے امین الرشید کو اس موقع پر ہدیہ تہنیت اور چند تحائف ارسال کردیے ہیں مگر ہمیں غم صرف اتنا ہے کہ پدر عظیم کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا اور امین الرشید لاابالی فطرت کا مالک ہے اور اس کے مصاحب و مشیر خود غرض' مامون الرشید نے یہ بات بڑے دل گرفتہ انداز میں کہی تھی جسے سب نے ہی محسوس کیا اور دونوں بھائیوں کے مزاجوں کے فرق کو سب ہی جانتے تھے لیکن ابھی سب خاموش تھے کہ معمر وزیر فضل بن سہیل نے کہا۔

''امیر! اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔'' مامون الرشید نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اس وقت اس کا جوان چہرہ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ تھا اس نے کہا۔

''معزز فضل بن سہیل ہم کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ آپ کو ہمارے سامنے کچھ کہنے کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں ہے آپ کو جو کہنا ہے بلا تکلف کہیے۔''

''یہ حضور کی اعلیٰ خیالی ہے۔'' فضل بن سہیل نے کہا۔

''اس وقت مجھے حضور کے روبرو اتنا عرض کرنا ہے کہ حضور آپ خود خلافت کے تمنائی نہیں ہیں مگر مت بھولیے کہ خلافت کو آپ کی ضرورت ہے۔''

''ہم سمجھے نہیں آپ کا مطلب کیا ہے؟'' مامون الرشید نے کہا۔

''امیر.....'' فضل بن سہیل نے ادب سے ہا۔

''میرا منشا یہ ہے کہ امیر المومنین مرحوم نے آپ دونوں بھائیوں کے درمیان جو علاقے تقسیم کیے تھے ان کا فرق محسوس کیجیے وہ تمام علاقے جو آپ کے حصے میں آئے تھے وہاں آپ نے فوجی اور سول اصلاحات شروع کردی ہیں اور وہاں کے ہر طبقے کے باشندے آپ سے مطمئن ہیں لیکن جہاں پر شہزادہ امین الرشید ہیں وہاں صرف رقص و سرور کی محفلیں گرم ہوتی ہیں ان کے گرد خوشامدیوں کا مجمع ہے جس کے باعث پچاس فیصد لوگ ان سے مایوس ارشا کی ہیں۔ ایسے میں آپ غور فرمائیں کہ وہاں کے باشندوں کو کیسے حاکم کی ضرورت ہے اگر ان سے پوچھا جائے تو

وہ سب آپ کا نام لیں گے۔ حضور یقین فرمایئے کہ میں شہزادہ امین الرشید کا اتنا ہی خیر خواہ ہوں جتنا آپ کا کیونکہ میں نے برسوں امیر المومنین کا نمک کھایا ہے لہٰذا ان کے فرزند مجھے یکساں عزیز ہیں لیکن اس وقت قوم کو امین الرشید جیسے شہزادے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ کی ضرورت ہے اور ایسے میں اگر حضور آپ نے توجہ نہ فرمائی تو عباسی حکومت جسے آپ کے آباؤ اجداد نے اپنے خون سے سینچا ہے پائمال ہو جائے گی۔ یہ فضل بن سہیل خاموش ہو گیا اور سب ہی خاموش تھے مگر لگتا ہے کہ ہر نفس بزبان سکوت فضل بن سہیل کی تائید کر رہا ہے ..... البتہ ..... ایک فرد اس محفل میں ایسا تھا جو دل سے مامون الرشید کا خیر خواہ و وفادار اور اس کی خلافت کا تمنائی تھا مگر اس وقت یہاں رہ کر بھی اس سے بہت دور تھا اور وہ تھا طاہر بن حسین اس کا تصور غادرہ کا طواف کر رہا تھا غادرہ جسے وہ بہر صورت حاصل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

عین اس وقت جب مامون الرشید کی محفل میں امیر، وزیر اور مشیر پُرخلوص اور ہمدردانہ مشورے دے رہے تھے۔ بغداد کے قصر الخلافت میں امین الرشید اپنی محفل آراستہ کیے بیٹھا تھا اور خوشامدی اسے 'امیر المومنین' ہونے کا احساس دلا رہے تھے۔ یہ بات صحیح تھی کہ ہارون الرشید کی وفات کی خبر سنتے ہی امین الرشید اپنے محل سے قصر الخلافت میں منتقل ہو گیا تھا۔ جہاں وابستگان دولت نے اسے بڑھ بڑھ کر مبارکباد دی حلف وفاداری اٹھایا' اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور اس کی خدمت میں تحائف پیش کیے گئے لہٰذا اس وقت وہ خود کو امیر المومنین تصور کرتے ہوئے غادرہ کو پہلو میں لیے بڑا بے نیاز نظر آ رہا تھا اور خوشامدی امرا اس کے گرد جمع تھے اور اس وقت

اس محفل کا سب سے عیار آدمی فضل بن ربیع تھا جو مامون الرشید کو راستے سے ہٹا کر امین الرشید کو تخت پر لا کر دراصل خود حکومت کرنا چاہتا تھا اور اس جیسے گھٹ پتلی آدمی سے اسے امید تھی کہ وہ ضرور اس کے اشاروں پر ناچے گا اور یہ حقیقت تھی کہ اس وقت امین الرشید کو دو باتوں کی اس درجہ خوشی تھی کہ وہ ہر بات فراموش کر چکا تھا۔ اول خلیفہ بننے کی اور دوسری غادرہ جیسی کنیز کے مل جانے کی۔ اس شب غادرہ جھلملاتے لباس اور بیش قیمت زیورات میں ملبوس اس کے پہلو کی زینت بنی ہوئی تھی۔

اور وزیر مشیر مشورے دے رہے تھے فضل بن ربیع نے کہا۔

''امیر المومنین اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔'' اس وقت اس خوبصورت جوان امیر کے رخ پر خوشی کا رنگ تھا اس نے مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''معزز فضل بن ربیع' ہم تم سے کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ تمہیں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''امی المومنین .....'' فضل بن ربیع نے کہا۔

''غلام یہ سوچ رہا ہے کہ مرحوم خلیفہ نے آپ کے بعد شہزادہ مامون الرشید کو ولی عہد نامزد کیا ہے بہت ممکن ہے کہ ان کی وفات کی خبر سن کر شہزادہ مامون الرشید بغاوت کر دیں لہٰذا اس سے قبل کہ وہ کوئی خطرناک قدم اٹھائیں آپ ان کی نامزدگی ختم کر کے اپنے فرزند موسیٰ بن امین کو ولی عہد نامزد کر دیں تاکہ بغاوت کا خطرہ مٹ جائے۔''

امین الرشید نے چونک کر یہ مشورہ سنا اور عمر میں پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ اس وقت کرہ ارض پر اس کا سب سے بڑا مخالف اس کا اپنا بھائی ہے جو

خوب یاد تھا کہ ابتدا میں اس نے اس خیال کو مٹا دینا چاہا مگر وقت کے ساتھ ساتھ رقابت اور غادرہ کی محبت بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان جذبوں کو سینے میں دبائے وہ مرو لوٹ آیا لیکن یہاں آئے اسے ہفتوں گزر گئے تھے مگر وہ نہ محبت کو فراموش کر سکا تھا نہ رقابت پر قابو پا سکا تھا بلکہ حال یہ تھا کہ ہر حسین شے کو دیکھ کر وہ اسی کے تصور میں کھو جاتا۔ چمن میں مہکتے پھول اسے غادرہ کے عارض کی یاد دلاتے۔ طلوع ہوتی صبح اور ماہ کامل کا نظارہ کر کے اوہ اسی کے تصور میں کھو جاتا غرضیکہ ہر لمحہ اسے دیوانہ کر رہا تھا مگر ان دنوں ایک نئی آرزو اسے بے چین کر رہی تھی اس کا دل چاہتا تھا کہ مامون الرشید اُسے طلب کر کے کوئی بڑی خدمت اس کے سپرد کرے جسے انجام دینے کے بعد وہ کسی علاقے کا امیر بن جائے اس کی عالی شان قیام گاہ ہو خدام و کنیزیں ہوں اور غادرہ اس کی ملکہ ہو۔ امارت اور غادرہ کی خواہش یوں غالب آتی کہ وہ پاگل ہو جاتا۔ اس وقت بھی رقص دیکھتے دیکھتے وہ یوں مدہوش ہوا کہ اسے احساس ہی نہ رہا کہ رقص ہو رہا ہے اور اس کے قریب بیٹھے ہوئے دو بڑے سردار حمید بن یزید اور سہیل بن سعید خلافت کے مستقبل پر گفتگو کر رہے تھے مگر جب سہیل بن سعید نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک گیا پھر اس نے کھوئے ہوئے انداز میں گردن موڑ کر دیکھا تو یہ دونوں سردار اس کی طرف متوجہ تھے۔ سہیل بن سعید راز داری کے انداز میں اس سے دریافت کر رہا تھا۔

''دوست طاہر بن حسین تم تو امیر المومنین مامون الرشید کی خدمت میں ہر دم رہتے ہو اور پھر اتنے دن بغداد میں بھی گزار کر آئے بھلا تم فیصلہ کرو کہ ان دو بھائیوں میں سے قوم کے لیے کون زیادہ بہتر ہے؟'' اس وقت تک طاہر بن حسین غادرہ کے تصور پر پوری طرح قابو پا کر سنبھل چکا تھا لہٰذا اس نے کہا۔

''بہتر تو جو ہے اُسے دنیا دیکھ رہی ہے یعنی مامون الرشید میں بچپن سے ان کا ساتھی اور ہر دم خدمت میں رہا ہوں اور آج بھی ان کے قریب ہوں لیکن میں نے نہ انہیں اقتدار کی ہوس کرتے دیکھا اور نہ وہ بڑائی کے طلب گار ہیں بلکہ ہر دور میں انہوں نے اپنے منصب اور مقام سے انصاف کیا ہے۔''

''یہ بات صد فیصد درست ہے۔'' حمید بن یزید قریب کھسکتے ہوئے بولا۔

''اور میری ناقص رائے میں جو حالات پیدا ہو چکے ہیں وہ بہت جلد ان دونوں بھائیوں میں اختلاف رائے کا سبب بن جائیں گے۔'' اب طاہر بن حسین نے دلچسپی کے انداز میں دیکھا اور حمید بن یزید سے بولا۔

''آپ کے خیال میں وہ کون سے حالات ہیں۔''

''جناب.....'' حمید بن یزید نے بڑے وثوق سے کہا۔

''اول تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مرحوم امیر المومنین ہارون الرشید نے اپنی وفات سے پہلے دنیائے اسلام کو دو بیٹوں میں تقسیم کر دیا ایران میں مامون الرشید اور بغداد میں امین حاکم ہیں اور ای کسلطنت کو دو بادشاہوں میں تقسیم کر دینے کے واضح معنی ہیں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے ٹکرا دینا جس کا انجام ہولناک جنگ کے سوا کچھ نہیں۔'' اس وقت کئی اور سردار بھی اِدھر متوجہ ہو گئے۔ سہیل بن سعید نے تائیدی انداز میں کہا۔

آپ بھی لکھاری بن سکتے ہیں!!

آیئے! دوشیزہ کے قلم قبیلے میں شامل ہو جایئے۔

یہ کارواں آپ کو خوش آمدید کہتا ہے...... خود کو منوایئے، اپنے قلم سے.....

اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے۔

اگر آپ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

سفر کرتے ہوئے آس پاس کے مناظر آپ کو یاد رہتے ہیں۔

شاعری آپ کو اچھی لگتی ہے۔

تو پھر قلم اٹھایئے اور کسی عنوان کو کہانی یا افسانے

میں ڈھالنے کی صلاحیت کو آزمایئے۔

ماہنامہ دوشیزہ آپ کی تحریروں کو، آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔

ہو سکتا ہے عنقریب منعقد ہونے والی **دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ**

تقریب میں آپ بھی ایوارڈ حاصل کریں۔

تحریر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:

88-C II۔ خیابانِ جامی ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

ای میل: earlpublications@hotmail.com

''ایک سلطنت کو دو بادشاہوں میں تقسیم کر دینے کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ اب فضل بن ربیع شہزادہ امین الرشید کا خاص مشیر اور وزیر ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ وہی گھاگ ہے جس نے خاندان برمکہ کے خلاف امیر المومنین ہارون الرشید کے کان بھر کے اس خاندان کا خاتمہ کرا دیا تھا اب وہ وہی شہزادہ امین الرشید کا مشیر ہے اور پوری کوشش کرے گا کہ شہزادہ امین الرشید اپنے بھائی سے بدگمان رہیں کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تمام سلطنت کے امیر اگر مامون الرشید کے ہم نوا ہو گئے تو اس جیسے لوگوں کی دال نہ گلے گی۔''

''ہوں.....'' علی بن احمد نے گہرا سانس لیا۔

''یہ بات واضح ہو چکی فضل بن ربیع خاندان بابسیہ کا خیر خواہ نہیں صرف خود من مانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ برمکیوں کے خون سے ہاتھ رنگنے کے بعد اب محفوظ ہونے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ وہ شہزادہ امین الرشید کا ساتھ دے اور انہیں مامون الرشید سے دور کر دے۔''

''بالکل..... دیکھنا اگر صورت حال یہی رہی تو وہ زمانہ دور نہیں جب عاقبت نااندیش شہزادہ امین الرشید ایسے لوگوں کے کہنے میں آ کر امیر المومنین مامون الرشید سے ٹکرا جائیں گے۔'' احمد بن احمد نے تائید کی۔

''حالانکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ مامون الرشید نے اپنی طرف سے رواداری اور مروت کی انتہا کر دی۔'' علی بن احمد نے کہا۔

''انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ شہزادہ امین الرشید نے خلافت کا اعلان کر دیا ہے فضا کو مکمل رکھا مگر مجھے یقین ہے کہ فضل بن ربیع جیسے خود غرض مشیروں کے کہنے میں آ کر شہزادہ امین الرشید بہت جلد چھیڑ چھاڑ شروع کر دے گا۔''

''ابھی تک تو مامون الرشید خود کو صرف سرحدوں کا محافظ تصور کر رہے ہیں لیکن آخر کب تک وہ شہزادہ امین الرشید کی زیادتیوں کو برداشت کریں گے۔ پہلے شہزادہ امین نے امامت کی۔ پھر اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا اس کے بعد قصر الخلافت میں منتقل ہوئے اور اب اپنے فرزند موسیٰ بن امین کو ولی عہد نامزد کر دیا یہ بات معمولی تو نہیں اگر ایران کا حاکم مامون الرشید کی جگہ کوئی اور ہوتا تو کیا اس تحمل کا مظاہرہ کرتا جس کا انہوں نے کیا ہے؟'' احمد بن احمد نے کہا۔

''بالکل نہیں.....'' سہیل بن سعید نے فیصلہ دیا۔

''کوئی حاکم اتنے تحمل کا مظاہرہ نہ کرتا لیکن یاد رکھو اس صبر و ضبط کے پس پردہ ایک طوفان موجود ہے اور وہ وقت دور نہیں جب دونوں بھائیوں میں جنگ ناگزیر ہو جائے گی۔'' اس وقت سب سردار مامون الرشید کی حمایت میں محو گفتگو تھے اور طاہر بن حسین جیسے پھر سوچوں میں کھو گیا تھا وہ چشم تصور سے دونوں بھائیوں کو مصروف جنگ دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا مامون الرشید نے اپنی فوج کی کمان اسے سونپی اور کہا ہے۔

''طاہر بن حسین..... تم ہماری فوج کے سب سے دلیر جنرل ہو ہم اس فوج کا سالار تمہیں بناتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ جب تم فتح مند لوٹو گے تو منہ مانگا انعام عطا کریں گے۔'' وعدہ بڑا تھا طاہر بن حسین کی روح جھوم گئی پھر خیالوں ہی خیالوں میں اس نے جنگ جیت لی اور مامون الرشید تمام دنیائے اسلام کا خلیفہ بن گیا اور وہ فتحمند لوٹا تو دربار میں حاضر ہوا پھر اس نے دیکھا

کیا اور امین الرشید کے سپہ سالار علی بن عیسیٰ کو قتل کر کے اس کا سر مامون الرشید کی خدمت میں مرو بھیج دیا۔ امین الرشید کو اس شکست کی خبر ملی تو اس نے مامون الرشید کی قوت کچلنے کے لیے ایک دوسرا لشکر روانہ کیا جو عبدالرحمٰن بن جبلہ کی سرکردگی میں بغداد سے خراسان کی طرف بڑھا اور ہمدان کے مقام پر طاہر بن حسین کی فوج سے ٹکرا گیا۔ عبدالرحمٰن بن جبلہ اگرچہ ایک دلیر انسان تھا مگر میدان میں آ کر اسے علم ہوا کہ طاہر بن حسین طاقت کے ساتھ ساتھ جذبہ بھی رکھتا ہے۔ وفاداری اور محبت کا جذبہ جو مامون الرشید کے لیے تھا لہٰذا نتیجہ جلد سامنے آ گیا۔ بغداد کی فوج میں پسپائی کے آثار پیدا ہونے لگے تو عبدالرحمٰن بن جبلہ نے پلٹ کر ہمدان کے قلعہ میں پناہ لی مگر طاہر بن حسین موقع کھونے والا نہ تھا اس نے آگے بڑھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا جس کے بعد عبدالرحمٰن بن جبلہ کے پاس باہر نکل کر مقابلہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا لیکن طاہر بن حسین کی دلیری کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور اطاعت قبول کرنے کے علاوہ کوئی راہ نہ تھی۔ یوں ہمدان اور اس کے گرد و نواح کے علاقے مامونی فوج کے قبضے میں آ گئے۔ یہ دوسری شکست تھی جو طاہر بن حسین نے امین الرشید کی فوج کو دی جس نے امین الرشید، فضل بن ربیع اور بغداد کی فوج کو بری طرح جھنجھلا دیا اس بار ان سب نے طے کیا کہ جیسے بھی ممکن ہو طاہر بن حسین کی قوت کو ختم کر دیا جائے کیونکہ یہ تنہا انسان اپنے جذبے اور اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر کسی فوج کی نصف قوت کے برابر ہے لہٰذا امین الرشید نے پچاس ہزار نفوس کی ایک مکمل فوج تیار کی جسے بیس ہزار کی تعداد میں احمد بن یزید اور تیس ہزار عبداللہ بن حمید کی سالاری میں خراسان کی طرف روانہ کیا گیا اس بار طاہر بن حسین نے نہ صرف دلیری سے ہی نہیں بلکہ تدبیر سے بھی کام لیا اور اس سے قبل کہ بغدادی فوج مقابل آتی اس نے اس فوج میں یہ افواہ پھیلا دی۔

''دلیرو..... تم وطن سے دور جنگ کی صعوبتیں جھیل رہے ہو اور بغداد میں تمہارے خلیفہ امین الرشید وہاں کی فوج میں تنخواہیں تقسیم کر رہے ہیں اور داد عیش دے رہے ہیں۔'' اس افواہ نے بغدادی فوج میں ابتری پھیلا دی اور فوج کے نصف جوان بددل ہو کر لوٹنے لگے اور باقی انہیں جنگ کے لیے مجبور کرنے لگے اس کیفیت نے بغدادی فوج میں اختلاف پیدا کر دیا اور وہ آپس میں ہی اُلجھنے لگے یوں جلد ہی ان کی قوت ٹوٹ گئی اور وہ منتشر ہو کر واپس لوٹ گئے۔

یہ دیکھ کر طاہر بن حسین نے خود پیش قدمی کی وہ اہواز کی طرف بڑھا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر تو اس کے قدم آگے ہی بڑھتے گئے واسطہ، بصرہ، کوفہ اور موصل کے علاقوں میں لوگ مامون الرشید کی بیعت کے لیے لبیک لبیک کہنے لگے اور طاہر بن حسین کی دلیری کے چرچے ہونے لگے۔ یہ دیکھتے ہوئے امین الرشید نے اپنی زندگی کی بدترین غلطی کی وہ فرمان جو ہارون الرشید نے مامون کی ولی عہدی کے بارے میں لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھوایا تھا امین نے اسے منگوا کر پھاڑ دیا جس کے سبب حجاز کے باشندے بھی اس سے بددل ہو گئے اور اس نفرت کے نتیجے میں حجاز کے گورنر داؤد بن عیسیٰ نے اس کی خلافت سے انکار کر کے مامون الرشید کے لیے بیعت لینی شروع کر دی انجام یہ ہوا کہ اہل مدینہ کے بددل ہوتے ہی امین الرشید کی خلافت نے دم توڑ دیا۔ بغداد کا

نظم ونسق بگڑ گیا اور طاہر بن حسین نے محسوس کرلیا کہ اب بس ایک ضرب لگانے کی دیر ہے پھر امین الرشید اس کے قدموں میں ہوگا۔ طاہر بن حسین نے بغداد کے محاصرے کا حکم دے دیا۔ یہ محاصرہ بڑا سخت تھا جس نے امین الرشید کی قوت ختم کردی پھر وقت گزرتا رہا اور مصاحب ومشیر جاں نثار امین الرشید کا ساتھ چھوڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ پرواز فضل بن ربیع بھی جان بچا کر روپوش ہوگیا۔ پھر خزانہ خالی ہوا اور نوبت یہ آئی کہ قیمتی زیورات اور بیش قیمت برتن بکنے لگے۔ ان حالات کو جاننے کے بعد طاہر بن حسین نے اعلان کرادیا۔

''جو لوگ اس کی اطاعت قبول کرکے مامون الرشید کے ہاتھ پر بیعت کریں گے ان سب کے لیے عام معافی ہوگی۔'' یہ سنتے ہی اقرباء واحباب بھی امین الرشید کو تنہا چھوڑ کر طاہر بن حسین کی اطاعت کرنے لگے اب امین الرشید کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ خود کو مامون الرشید کے حوالے کردے۔ مگر اس کی خواہش تھی کہ وہ مامون الرشید تک پہنچنے کے لیے طاہر بن حسین کا سہارا نہ لے بلکہ اسے اس معاملے میں ہرثمہ پر زیادہ بھروسہ تھا اور ہرثمہ کو بھی اسے باعزت طور پر مامون الرشید تک پہنچانے میں کوئی اعتراض نہ تھا لیکن جونہی اس فیصلے کی خبر طاہر بن حسین کو ہوئی وہ جیسے دیوانہ ہوگیا اس وقت نفس کا اصرار شدید تھا کہ.....

''طاہر بن حسین صرف امین الرشید کا سر تجھے مامون الرشید کے دربار میں فاتح ثابت کرسکتا ہے اور فتح کے بعد ہی تو غادری کو حاصل کرے گا اور ہرثمہ کے سہارے خلیفہ مامون الرشید تک امین الرشید کا پہنچ جانا تیری فتح نہیں۔'' پھر نفس کی آواز بلند ہوتی گئی اور اس کے بعد وہ ہوا جس کا تصور نہ امین الرشید کرسکتا تھا نہ مامون الرشید اور شاید نہ طاہر بن حسین خود ہی..... امین الرشید ہرثمہ کو مدد کے لیے پیغام بھیج چکا تھا اور ہرثمہ کے حکم پر امین الرشید کے لیے کشتیاں روانہ کردی تھیں لہٰذا امین الرشید محل سے نکل کر کشتی میں سوار ہوا لیکن نجانے کدھر سے نکل کر طاہر بن حسین کے ساتھیوں نے اس پر بے پناہ پتھراؤ شروع کردیا جس سے کشتی ڈوب گئی مگر ملاحوں نے امین الرشید کی جان بچالی۔ اب امین الرشید کی دنیا بدل گئی تھی دوست دشمن بن چکے تھے اور وابستگان دولت ساتھ چھوڑ گئے تھے ایسے میں عمر بھر مشورے دینے والے فضل بن ربیع کا بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ اطلاع یہی تھی کہ اس نے بھی طاہر بن حسین کی اطاعت قبول کرلی ہے ایسے میں امین الرشید کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی اور وہ جو کل تک بغداد کا حکمراں تھا آج طاہر بن حسین کا قیدی بن چکا تھا چنانچہ نصف شب گزارنے کے بعد طاہر بن حسین نے اپنے اس قیدی کا سر تن سے جدا کرکے بغداد کی فتح کی خبر کے ساتھ مامون الرشید کی خدمت میں روانہ کردیا اور پھر بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد لاتعداد قیدیوں کے ہمراہ خود بھی مرو کی طرف چل دیا جہاں دربار میں پہنچ کر اسے منہ مانگا انعام حاصل کرنا تھا ان قیدیوں میں غادرہ بھی تھی جو اس فتح کا انعام تھی۔

198ھ میں تمام رکاوٹوں کو ختم کرکے مامون الرشید نے اپنی باقاعدہ خلافت کا اعلان کیا اور مرو کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ یہ دن مسلمانوں کے لیے بڑا عجیب دن تھا۔ اس دن مامون الرشید کا دربار بڑا پُروقار اور شاندار تھا۔ مامون الرشید نے پہلے دن ہی بہت سی پرانی باتوں کو ترک کیا اور بہت سی

نئی باتیں اپنائیں۔

خلیفہ مہدی کے دور میں عباسی دربار کا یہ انداز تھا کہ دربار کے امیر اور رئیس بھی کھلے عام خلیفہ کو نہ دیکھ سکتے تھے بلکہ خلیفہ پردے کے عقب میں تخت پر بیٹھ کر احکامات جاری کرتا اور ہر وزیر و امیر سے فاصلہ قائم رکھتا ہارون الرشید نے اپنے عہد خلافت میں ان فاصلوں اور تکلفات کو کم کر دیا تا کہ خلیفہ انسانوں کے نزدیک آ جائے لیکن پھر بھی خلافت کی پرانی شان اور تکلف قائم رہا لیکن اب مامون الرشید کا زمانہ تھا تو اس نے تخت پر آتے ہی تمام حجابات کو اٹھا دیا اور آج کھلم کھلا درباریوں اور عوام کے روبرو آ گیا تھا تا کہ بنفس نفیس ان سے ملے اور گفتگو کر سکے اور درحقیقت یہی وہ بات تھی جس نے ہیبت حکمرانی میں اضافہ کر دیا تھا۔

اس وقت خلیفہ مامون الرشید تخت خلافت پر جلوہ افروز تھا اور اس کے دائیں جانب ماہر سیاست داں اور وزیر فضل بن سہیل تھا اور بائیں جانب نیا وزیر حسن بن سہیل براجمان تھا۔ اس کے نزدیک احمد بن ابی خالد تھا جس کا چہرہ بے پناہ تجربے اور علم کی غمازی کر رہا تھا۔ وزیروں کے علاوہ صاحب علم، فلسفی شعرا اور متعدد زبانوں پر عبور رکھنے والے مترجمین تھے پھر وہ دلیر جنرل تھے جنہوں نے جنگوں میں حصہ لیا تھا اس یہ سب علی قدر مراتب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے آج دربار کا پہلا دن تھا اور کئی فیصلے ہونے والے تھے۔ کچھ وہ باغی تھے جنہوں نے امین الرشید کی فوج میں رہ کر جنگ کی تھی مگر ہار کر اطاعت قبول کر لی تھی کچھ قیدی تھے اور وہ دلیر تھے جنہیں مامون الرشید کے حضور آ کر اپنی وفاداریوں کے عوض انعام حاصل کرنا تھا ان میں اس جنگ کا فاتح طاہر بن حسین بھی تھا جو پے در پے کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد بڑے بڑے انعامات اور اعزاز کی امید پر حاضر ہوا تھا اس نے عرصے بعد آ کر خلیفہ کو جھک کر آداب کیا تھا مگر خلیفہ مامون الرشید نے اسے کچھ اس طرح دیکھا تھا جیسے دریافت کر رہا ہو۔

''طاہر بن حسین ہم نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ ہمارا بھائی اگر ہم تک پہنچنا چاہے تب بھی تم اسے موت کے گھاٹ اتار دینا۔'' خلیفہ نے یہ بات پوچھی نہ تھی مگر طاہر بن حسین کو محسوس ہوا کہ آج اس کے انداز و بید بدل گیا ہے اور یہ واقعہ تھا کہ تخت خلافت پر متمکن مامون الرشید آج بہت دل گرفتہ تھا مگر اس کے اصل جذبات سے بے خبر طاہر بن حسین بے شمار آرزوئیں اور امیدیں دل میں بسائے اس کے حضور آیا تھا اور منتظر تھا۔

''طاہر بن حسین مانگو کیا مانگتے ہو؟'' اور وہ کہے۔

''امیر المومنین! صرف غادرہ اور کچھ نہیں۔''

مگر ابھی مامون الرشید نے یہ سوال نہ کیا تھا بلکہ وہ دیگر حاضرین کی طرف متوجہ تھا سب سے پہلے اس نے امرا کو مزید منصب عطا کیے فضل بن سہیل کے لیے رعایا کی خبر گیری کا فرض، احمد بن ابی خالد کو اپنا وزیر، حسن بن سہیل کو قاضی القفاۃ مقرر کرنے کے بعد وہ علما کی طرف متوجہ ہوا جنہیں دنیا بھر کی کتب کا ترجمہ کرنے کی خدمت عطا ہوئی اور اس کے بعد وہ ان باغیوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے دشمن تھے اس وقت سب سے پہلے اس کے سامنے آنے والا فضل بن ربیع تھا مگر مامون الرشید نے تحمل سے اُسے دیکھا اور بولا۔

''فضل بن ربیع، ہم جانتے ہیں تم خاندان برامکہ کے اصل قاتل ہو تم نے ہی ہمارے بھائی امین الرشید کو ہمارے خلاف بھڑکایا ورنہ شاید یہ نوبت نہ آتی اگرچہ تم بدترین سزا کے مستحق ہو مگر تمہاری ضعیفی

اور بزرگی کے پیش نظر ہم تمہیں معاف کرتے ہیں لیکن آئندہ تمہیں دیکھنا نہیں چاہتے۔'' طاہر بن حسین نے ان سب فیصلوں کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا ہر ہر فیصلے کے بعد اسے اپنا مستقبل شاندار نظر آتا مامون الرشید باغیوں کے لیے بھی انصاف کر رہا تھا وہ تو اُس کا بچپن کا وفادار غلام تھا جس کی بدولت اس نے جنگ جیتی تھی۔ اسے اپنے لیے اعلیٰ ترین امیدیں تھیں پھر خلیفہ نے کہا۔

''تمام قیدیوں کو باعزت طور پر آزاد کیا جاتا ہے وہ سب امین الرشید کے احباب و اقربا نہیں بلکہ ہمارے احباب ہیں۔'' اس فیصلے پر سب نے داد دی اسی وقت خلیفہ مامون الرشید نے پھر کہا۔

''لیکن ان قیدیوں میں سے ایک قیدی کو ہم اس کا اصل مقام دینا چاہتے ہیں۔'' سب چونک گئے کسی کو علم نہ تھا وہ قیدی کون ہے ہاں دربار میں موجود ہر نفس ہمہ تن گوش تھا۔ قدرے توقف کے بعد مامون الرشید نے خود ہی کہا۔

''وہ قیدی ہے امین الرشید کی محبوب کنیز غادرہ ہم اپنے عزیز بھائی کی محبوب کنیز کو نکاح کی عزت دینا چاہتے ہیں۔'' اس وقت سب نے تعریفی نظروں سے دیکھا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ مامون الرشید کے وفادار غلام اور بہادر جنرل نے ایک ستون کا سہارا کیوں لیا طاہر بن حسین کو چکرا گیا اُسے محسوس ہوا کہ وہ فاتح بن کر بھی ہار گیا ہے امین کو غادرہ کے لیے راہ سے ہٹا دینا آسان نہیں لیکن یہ مامون الرشید تھا جس سے اس نے بچپن سے محبت کی تھی ابھی وہ حیرت سے تک ہی رہا تھا کہ مامون الرشید نے بڑی ملائم نظروں سے اُسے دیکھا اور وہی بات کہی جس کی برسوں سے اُسے تمنا تھی۔

''طاہر بن حسین! ہم تمہاری دلیری پر فخر کرتے ہیں اور اس فتح پر اپنی طرف سے انعام کے طور پر تمہیں خراسان کے علاقے کا امیر مقرر کرتے ہیں لیکن ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ منہ مانگا انعام دیں گے لہٰذا اب مانگو کیا مانگتے ہو؟''

طاہر بن حسین نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سوال سنا پھر اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دو قطرے رخساروں پر بہہ گئے اور وہ شکریہ ادا کرنے کے لیے جھکا اور بولا۔

''امیر المومنین کی عنایت میری توقع سے بڑھ کر ہے بس اب مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' اور چند دنوں بعد جب وہ مرو سے خراسان رخصت ہو رہا تھا تو کسی نے کہا۔

''جانتے ہو خلیفہ مامون الرشید نے تمہیں خراسان کا امیر کیوں مقرر کیا ہے؟''

''نہیں.....'' طاہر بن حسین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے سوال کرنے والے کو دیکھا۔

''شاید میری عمر بھر کی خدمات کا صلہ یہ امارت و اعزاز ہے۔''

''نہیں.....'' کسی نے رازداری سے کہا۔

''تم امیر المومنین کے بھائی امین الرشید کے قاتل ہو تمہاری شکل دیکھ کر امیر المومنین کو امین کی بے بسی کی موت یاد آجاتی ہے لہٰذا ان کا حکم ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے خراسان چلے جاؤ تاکہ وہ پھر کبھی تمہاری شکل نہ دیکھیں ان کا حکم ہے کہ کبھی اُن کے سامنے مت آنا۔''

طاہر بن حسین نے بڑے دکھ سے یہ بات سنی اور ایک نظر مرو کے اس بلند قصر پر ڈالی جہاں اس کی دو محبوب ہستیاں محوِ آرام تھیں جن کے سوا اس نے کسی سے محبت نہ کی تھی ایک مامون الرشید اور دوسری غادرہ..... پھر گہرا سانس لیا اور گھوڑا موڑ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔

□□.....❁.....□□

لندن سے ارسال کردہ ہلکی پھلکی پُر مزاح تحریر

بلوری انکھ والیے

فروا کی نیلی آنکھیں اور لمبی گھنی
پلکیں مجھے اپنا دیوانہ بنا گئیں.....

سعدیہ سیٹھی

مجھے یاد ہے جب میں نے مقابلے کا امتحان بلند ہوا تھا جیسے انہیں کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ رشتہ دار،
پاس کیا تھا تب میرے والدین کا سر فخر سے یوں آس پڑوس حتیٰ کہ دور دراز کے جاننے والے بھی

یہ آس لگا کر بیٹھ گئے تھے کہ اب تو میں بس انہی کا داماد بنوں گا۔ اللہ معاف کرے میرا غرور ساتویں آسمان پر تھا۔ ٹھہریں پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں بتادوں۔

میرا تعلق درمیانے درجے کے خاندان سے تھا والد سرکاری ملازم تھے اور کیونکہ ایماندار تھے اس لیے حالات ہمیشہ تنگ رہے ہم 7 بہن بھائی تھے والدہ نیک خاتون تھیں لہٰذا عزت سے گزارا ہورہا تھا۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے مختلف تھا بہن بھائی بھی خوش شکل تھے مگر میرا چھ فٹ قد اور سرخ و سفید رنگت دیکھنے والوں کو مرعوب کردیتے تھے۔

مجھے بھی اپنی مردانہ وجاہت کا احساس تھا اس لیے لڑکپن سے ہی خوب عیاشی کی۔ پہلے اپنے سے بڑی لڑکیوں سے تحفے بٹورے پھر ہاتھ صاف ہوتا چلا گیا۔ ایک بار کسی لڑکی کو دیکھ لیتا تو وہ میرے لیے دیوانی ہوجاتی..... اور میں ٹھہرا شکاری کبھی شکار کو ہاتھ سے نکلنے نہ دیا۔ دلی لگاؤ کبھی کسی سے نہ ہوا۔ بس وقت گزاری کی لڑکیاں میرے عشق میں خودکشیاں تک کر بیٹھیں مگر میں کہاں کسی کے ہاتھ آتا تھا۔

خیر اپنی ڈیشنگ شخصیت کے ساتھ جب میں زبردست قسم کی سرکاری نوکری پر لگا تب تو میرے پاؤں زمین پر ہی نہ ٹکتے تھے۔ خاندان سے لے کر گلی محلے اور پھر ملنے والے جہاں جہاں لڑکیاں تھیں سب میرا شکار ہوچکی تھیں۔ آپ لوگوں کو سن کر حیرت ہورہی ہوگی کہ مجھ جیسا اسمارٹ بندہ ہر لڑکی پر کیسے مرمٹتا تھا تو عزیز مجھے شکل وصورت میں کبھی بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی کون سا مجھے شادی کرنی تھی۔ بس وقت گزاری پھر لڑکیوں کی

عادت ہوتی ہے وہ خوب تحفے دیتی ہیں سچ پوچھیں تو آج مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں مردوں کی طوائف بن چکا تھا۔

کبھی کسی لڑکی کو ایک روپے کا تحفہ یا کھانا نہیں کھلایا پھول تک نہیں دیا مگر وہ پھر بھی مجھ پر بے حساب خرچ کرتیں۔ خیر قصہ مختصر بڑے بہن بھائیوں کی شادیاں ہوگئیں تو اماں کو میرے سر پر سہرا سجانے کا خیال آیا رشتوں کی تو کوئی کمی نہیں تھی بڑے بڑے سرکاری آفیسر مجھے اپنا داماد بنانا چاہتے تھے مگر میں سیریس نہیں تھا میں آزاد پنچھی رہ کر زندگی کے مزے لوٹنا چاہتا تھا۔

''وجاہت میں نے تمہارے لیے لڑکی پسند کرلی ہے۔'' اماں نے میرے سر پر ایکدن بم پھوڑ دیا۔

''اماں خدا کے لیے ابھی مجھے ان بکھیڑوں میں مت اُلجھائیں۔'' میں نے فائلیں میز پر پٹختے ہوئے کہا۔

''لڑکے دماغ صحیح رکھ مجھے سب خبریں مل رہی ہیں اس سے پہلے کہ تم بالکل ہاتھوں سے نکل جاؤ شادی کرنا ضروری ہے۔'' وہ اٹل لہجے میں بولیں۔ بابا ریٹائرڈ تھے اور اماں کے آگے چوں بھی نہیں کرتے تھے میں تھا تو حد سے زیادہ شاطر اماں کو ٹالنے کے لیے بولا۔

''لڑکی میری پسند کی ہوگی تو ہی شادی کروں گا آخر شادی ایک ہی بار ہوتی ہے۔'' اماں سیدھی سادھی خاتون تھیں خوش ہوگئیں کہنے لگیں۔

''ٹھیک ہے بتاؤ اپنی پسند.....'' تب میں نے چال چلی۔

''اماں دیکھیے میں بڑا سرکاری افسر ہوں مجھے لڑکی اور اس کا خاندان اپنے اسٹیٹس کا چاہیے۔ دوسری بات لڑکی خوبصورت اور کم عمر ہو۔ شرماتی لجاتی لڑکیاں مجھے پسند ہیں اور ہاں سب سے ضروری بات لڑکی کی آنکھیں نیلی ہوں۔'' اماں منہ کھولے مجھے دیکھ رہی تھیں اور میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ جانتا تھا ایسی حور پری کہاں ملے گی اماں ٹھہریں گھریلو خاتون کہاں تلاش کرسکیں گی ایسی پری.....

اپنے خیالات کا اظہار کرکے میں سیٹی پر من پسند دھن بجاتا باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔ شام میں خوشبوؤں میں بس کر اپنی موجودہ محبوبہ کی اسپورٹس کار میں بیٹھ کر اس کے گھر پہنچ گیا جہاں اسی قماش کے اس کے دوست جمع تھے۔ شراب اور شباب کی محفل رات گئے تک جاری رہی۔ فجر کی اذانوں سے قبل لڑکھڑاتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو دیکھا اماں صحن میں بیٹھی قرآن پڑھ رہی تھیں مجھ پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر سے قرآن پڑھنے میں منہمک ہوگئیں۔ میں اپنے کمرے میں آکر جوتوں سمیت بستر پر ڈھے گیا۔

میرے وہی شب و روز تھے صبح نوکری شام میں چھوکری..... بھئی اب آپ لوگ مجھے کوسنے مت دیں اب اگر میں عیاش تھا تو اکیلا تو عیاشی نہیں کرتا تھا نا خواتین بھی کچھ کم نہیں ہوتیں میں کون سا دھونس دھمکی دیتا تھا وہ تو خود پکے پل کی طرح ہر لمحہ میری گود میں گرنے کو تیار رہتی تھیں۔ ایسا نہیں تھا کہ ہر عورت خراب تھی مگر میرا ٹاکرا شاذ و نادر ہی کسی شریف لڑکی سے ہوا یا شاید شریف لڑکیوں کو میں توجہ دینے کے قابل ہی نہیں سمجھتا تھا۔ کیا دن تھے وہ بھی میری چال میں ایسا بانکپن تھا کہ دیکھنے والے مرعوب ہوئے بنا نہیں رہتے تھے۔

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ میرے اپنے دوست مجھ سے خوفزدہ رہتے تھے بلکہ کئی نے تو دوستی ہی ختم

کر لی تھی اب اگر ان کی گرل فرینڈز یا بیگمات مجھ پر دل ہار گئیں تھیں تو اس میں میرا کیا قصور دل توڑنا تو میں نے سیکھا ہی نہیں تھا لہٰذا اس چکر میں دوست کم رہ گئے اور دشمنوں میں روز اضافہ ہونے لگا مگر مجھے کسی کی پرواہ نہیں تھی نو کری شہانہ شخصیت غیر معمولی لوگ ہر وقت آگے پیچھے رہتے تھے اور میں بڑی برق رفتاری سے ترقی اور کامیابی کی جانب رواں دواں تھا۔

اسی دوران ایک کورس کے سلسلے میں مجھے امریکہ جانا پڑ گیا واپسی دو سال بعد تھی جب اماں کو پتہ چلا تو وہ کچھ پریشان سی ہو گئیں۔

''وجاہت تمہارا وہاں کون خیال رکھے گا۔''

ماں تھیں نا انہیں بیٹے کی فکر تھی وہ جانتی ہی نہیں تھیں کہ ان کا بیٹا کس قدر مکار ہے ہر جگہ حسینائیں تلاش کر لیتا ہے جو کھلانے پلانے سے لے کر پک اینڈ ڈراپ بھی کرتی ہیں مہنگے مہنگے تحفوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ بھی خوشدلی سے دیتی ہیں بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میرے ساتھ کے لیے ترستی ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اماں کے سامنے میں مسکین شکل بنائے بیٹھا تھا تب وہ بولیں۔

''وجاہت کل میرے ساتھ چل کر لڑکی دیکھ لو تمہیں اچھی لگی تو نکاح کر دوں گی۔'' میں اماں کی بات پر ہونق رہ گیا کہاں امید تھی کہ جانے سے پہلے کسی کو ریجیکٹ کر کے جانا ہوگا۔

''جی اماں کتنے بجے چلنا ہوگا۔'' میں نے فرمانبرداری سے پوچھا۔ وہ ایک دم خوش ہو گئیں۔

''میں لڑکی والوں سے بات کر کے بتاتی ہوں تمہارے ابا تو جانتے ہیں اس فیملی کو۔'' میں نے اماں کی باتیں سنی اَن سنی کیں اور محبوبہ نمبر 11 کو فون کیا کہ وہ آ کر مجھے کلب لے جائے جہاں

کھو گئے ہیں خواب

چاند ہے نہ کہکشاں
چیختا ہے آسماں
گل ہوئے چراغ سب
جل بجھے ہیں داغ سب
شب کے اندھے تیر سے
قتل صبح ہو گئی
جانے کس جہان میں
گم ہوا ہے آفتاب؟
دل کی سرزمین پر
رقص میں ہیں آندھیاں
چاہتوں کے باغ میں
آرزو کی کونپلیں
ریزہ ریزہ ہو گئیں
خوشبوؤں کے قافلے
ڈھونڈتے ہیں راستے
آنکھیں اندھی ہو گئیں
کھو گئے ہیں خواب سب

حکیم خان حکیم

میرے سب دوست جمع تھے اب ان سب سے دو سال کے بعد ملاقات ہونی تھی۔ رات گئے گھر لوٹا اور جا کر کمرے میں سو گیا۔ صبح اماں نے بتایا۔

''لڑکی والوں کو شام چائے پر مدعو کر لیا ہے لہٰذا میں شام میں گھر پر ہی رہوں۔'' شادی شدہ بہن بھائی بمع فیملیز بھی آدھمکے گھر میں ان کے بچوں نے خوب دھما چوکڑی بچا رکھی تھی شام کو لڑکی والے دیے گئے وقت سے دس منٹ پہلے ہی پہنچ گئے۔

خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں اتنی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی تھی میرا واسطہ تو دنیا دیکھی عورتوں سے تھا یہ تو انتہائی کم عمر نازک سی لڑکی تھی اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر کافی گھبرائی گھبرائی سی لگ رہی تھی۔ میں وجاہت علی دل و جان سے اس پر فدا ہو گیا۔ جب باتوں کے دوران وہ اپنی لمبی لمبی پلکوں کو جھپکتی تو میرے دل میں گدگدیاں سی ہونے لگتیں۔ اس کی آنکھیں اتنی بڑی اور خوبصورت تھیں کہ سب گھر والے پہلی ہی نظر میں اس پر قربان ہو گئے۔ جاتے ہوئے جب اس نے پلٹ کر مجھے خدا حافظ کہا تو میں اس کی نیلی آنکھوں میں ڈوب ہی گیا۔

جی ہاں میری ہونے والی جو کہ اب تک میرے گھر کی ملکہ ہیں کی آنکھیں نیلی تھیں اُف کیا بتاؤں ساری رات وہ حسین آنکھیں مجھے پریوں کے دیس کی سیر کراتی رہیں۔ میں 30 سال کا مرد تھا مگر اس کے لیے یوں مچلنے لگا جیسے بچہ من پسند کھلونے کے لیے..... اماں نے جب جواب مانگا تو میں ان کے گلے لگ گیا۔

''اماں مجھے کوئی اعتراض نہیں.....'' اور اماں نے میرا ماتھا چوم لیا۔ ابا نے بھی کاندھا تھپتھپایا۔ دل تو نہیں مان رہا تھا مگر کیونکہ میں خود انتہائی دو نمبر آدمی تھا اس لیے اپنی ہونے والی بیگم کی معلومات حاصل کرنے کے لیے ہرکارے دوڑا دیے۔ فروا جس کالج جاتی تھی وہاں سے بھی معلومات لیں پھر اس کی کال ڈیٹیلز چیک کیں۔ سب بہت اچھا ہونے کی رپورٹ دے رہا تھا۔ بس پھر چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا۔ میں نے نکاح کے ساتھ رخصتی کی بھی ضد باندھ لی۔ میرے گھر والے تو خوش تھے مگر فروا کے گھر والے پریشان ہو گئے مجھ جیسے داماد کو کھونا بھی نہیں چاہتے تھے اور اتنی جلدی بیٹی کو رخصت کرنے سے بھی کترا رہے تھے۔ فروا سے کئی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر وہ بات نہیں کرتی تھی چھوٹی بھی کافی تھی میں 30 سال کا تھا اور وہ محض 16 سال کی تھی۔ میرے لیے اس کا یہ رویہ کسی انعام سے کم نہیں تھا۔

مرد عورت کو ایک نظر دیکھ کر ہی سمجھ جاتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے اور پھر مجھ جیسا گھاگ مرد ..... میں نہیں چاہتا تھا کہ فروا اب میرے علاوہ کسی اور کو دیکھے بھی وہ انتہائی معصوم تھی اور اس کی نیلی نیلی آنکھیں میرے حواسوں پر طاری تھیں۔

نکاح والے دن میرے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ فروا کے گھر والے بیٹی کو رخصت کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ میں نے کاغذی کارروائی کسی حد تک مکمل کر لی تھی میرے امریکہ جانے کے ایک ماہ بعد فروا بھی میرے پاس آ جاتی۔ نکاح کے بعد دلہن کو رخصت کروا کر میں اپنے ساتھ لے آیا وہ لائٹ پنک جوڑے میں اس قدر حسین لگ رہی تھی کہ میرے پاس الفاظ نہیں تھے اس کی خوبصورتی بیان کرنے کے لیے..... رشتے دار' ملنے والے دوست احباب سب فروا کی خوبصورتی پر فدا ہو رہے تھے۔

میرا بس نہیں چل رہا تھا کہ سب کو مار کر گھر

سے بھگا دوں اور اپنی دلہن کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاؤں۔ اللہ اللہ کر کے مہمان گھر سے رخصت ہوئے جاتے جاتے میرے عزیز ترین دوست کی بیگم نے مجھ سے کہا۔

''وجاہت بھائی دلہن کے لیے منہ دکھائی کیا لی ہے؟''

''منہ دکھائی.....؟'' میں نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

''بھائی حد کرتے ہیں دلہن کو کوئی تحفہ نہیں دیں گے۔'' وہ تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ ایک لمحے کو تو مجھے شرمندگی ہوئی مگر پھر میں ٹھہرا تحفے لینے والا فوراً بولا۔

''دے دوں گا اب تو وہ میرے پاس ہی رہے گی۔'' مہمانوں کو رخصت کر کے کچھ دیر اماں ابا کے پاس بیٹھا پھر انہوں نے مجھے کمرے میں بھیج دیا۔ فروا میری رانی میری شہزادی سر جھکائے بستر پر بیٹھی تھی کمرہ تازہ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھا تو وہ سمٹ گئی۔

''فروا تم خوش ہو؟'' میں نے اس کے سفید نازک ہاتھ تھام کر کہا۔ اس نے جھکے سر کے ساتھ حامی بھری۔ میں خوش ہو گیا میری من پسند بیوی میرے کمرے میں موجود تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے جنت مل گئی ہو۔ بیوی کم عمر ہو، خوبصورتی میں ثانی نہ رکھتی ہو، دنیا کا بھی زیادہ پتہ نہ ہو نازک سا سراپا اور نیلی جھیل جیسی آنکھیں جن پر سیاہ لمبی لمبی پلکوں کی جھالر بندے کو اور کیا چاہیے۔ رات بھر وہ شرماتی رہی اور میں اس کے صدقے واری ہوتا رہا۔ 12 بجے ہم دونوں کی آنکھ دروازہ بجنے کی آواز پر کھلی۔

''فروا اٹھو سب ناشتے پر ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے۔'' میں نے پیار سے اس کے سپید گالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اس نے کسمسا کر اپنی خوابیدہ آنکھیں کھولیں تو میں شاکڈ رہ گیا۔

''یہ..... یہ..... کیا.....'' میں بری طرح ہکلا رہا تھا۔

''کیا ہوا آپ کو.....؟'' فروا نے حیرت سے میری جانب دیکھا۔

''تمہاری آنکھوں کو کیا ہو گیا؟'' میرے اوسان خطا تھے۔

''اوہ وجاہت آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا..... ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے ہیں۔''

اور میں نے مشینی انداز میں اس کے جہیز میں لائے ڈریسنگ ٹیبل کی جانب دیکھا تو زیورات کے ساتھ نیلے نیلے لینس لمبی لمبی پلکوں کی چھاؤں میں پڑے تھے۔

اور اماں کا گوہر نایاب اور میری من چاہی کم سن بیگم سائیڈ ٹیبل کی دراز سے بڑے بڑے عدسوں والا چشمہ نکال کر آنکھوں پر لگا چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

28 سالہ رفاقت میں فروا نے بنا زبان کھولے اپنی ہر بات منوائی تھی مجھ جیسے آوارہ کو اس نے چھڑی کی طرح سیدھا کر دیا۔ بس صرف اپنی چشمہ پہنی آنکھوں سے مجھے گھورتی ہے اور میں وہیں ڈھیر ہو جاتا ہوں۔

ساری زندگی لینس اور نقلی پلکیں بنانے والی کمپنیوں کے خلاف دھوکا دہی کے مقدمے کا منصوبہ بناتا رہا مگر..... مگر ہمت نہ جٹا پایا۔ مگر دل جب حد سے زیادہ اُداس ہو جاتا ہے تو پھر میڈم نور جہاں کا یہ گانا گنگناتا ہوں۔

سن وے بلوری انکھ والیے
اساں دل تیرے نال لالیا
تیری مہربانی.....

□□.....❁.....□□

لاہور سے ارسال کردہ کھلکھلاتی تحریر

بخارِ عشق

ادھیڑ عمر کے مرد کو ایسی نوخیز کلی کی محبت چاہیے تھی جو اس کے عشق میں فلمی ہیروئنوں کی طرح زہر پی لے اور پھر بھی نہ مرے.....

حنا بشریٰ

عجیب سی خواہش تھی۔ 'مگر بس تھی' خواہشوں کے پرندے انسان اپنی مرضی سے تھوڑی پالتا ہے۔ بس آجاتے ہیں دل کی منڈیر پر اور پھر خود بخود پالتو سے ہونے لگتے ہیں۔ میرے دل کی منڈیر بلکہ 'ویرانی بھری منڈیر' پر ایسا ہی 'پنچھی' آکر بیٹھ گیا اور میں اُس سے اس قدر مانوس ہوا کہ دل کی چھت پر ایک مستقل 'پنجرہ' ہی رکھ لیا اور اس 'پنچھی' کو پالنا شروع کر دیا۔

قارئین اس کو چھت پر الگ تھلگ اس لیے رکھا کہ دیگر مکینوں کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو۔ ویسے بھی مرد حضرات دل کا راز کم ہی کسی کے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ خواہ مخواہ کی چخ چخ ..... بک بک.....سن کر دماغ بھی پکاؤ اور کان بھی.....

تو جناب..... ذرا دل تھام کر سنیے گا۔ اپنی نوعیت کی ذرا نرالی سی 'خواہش' بالکل پاکستانی فلم انڈسٹری کی پرانی کسی سحر انگیز فلم کی ہیروئن کی طرح نرالی۔ جس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے دیوانے' پگلے' منچلے تپتی دھوپ میں ڈیرے ڈال لیا کرتے تھے۔ جی..... جی..... بالکل ویسی ہی نرالی.....اور وہ خواہش یہ تھی کہ کسی 'حسینہ نازنینہ' کو مجھ سے عشق کا ایسا بخار چڑھے کہ بخار بھی 104 سے کم نہ ہو۔ ایسا بخار جو اسے مدہوش کر دے۔ گھائل کر دے اس کی آنکھوں کے آگے اس بخار سے ایسا اندھیرا چھا جائے کہ اگر کوئی صورت یا تصویر نظر آئے تو صرف اور صرف میری.....اور کچھ نہیں (چاہے اندھیرے کی وجہ سے دیوار سے ٹکرا جائے)۔

وہ اس بخار میں ایسے مبتلا ہو کہ اسے 'شب کوری' کا مرض ہو جائے۔ وہ بھی اس شدید نوعیت کا کہ کسی حکیم' کسی ڈاکٹر کے پاس نہ ہو۔ کسی دم درود' جھاڑ پھونک سے اس کو شفاء میسر نہ ہو۔ بالکل پاگل کر کے رکھ دے یہ پگلا بخار۔'' چند گھنٹوں کے لیے اس کی بینائی کام کرے بھی تو صرف اور صرف میرے دیدار کے لیے اور پھر سے دوبارہ اندھی ہو جائے۔

نہ اسے کچھ نظر آئے اور نہ ہی کچھ دیکھنے کی

خواہش ہو۔ عجیب تو لگی ہوگی نا میری خواہش.....؟

اب کیا کروں مجبور تھا اس خواہش کے سامنے..... بلکہ بالکل بے بس وقت گزرنے کے ساتھ یہ خواہش زور پکڑتی جارہی تھی۔ زندگی کی 40 بہاریں ..... جی جناب صحیح سنا 40 بہاریں..... دیکھ چکا ہوں۔ ارے یہ کیا آپ سب کی تو آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہیں۔ میری بہاروں کی عمر جان کر..... بھئی اس میں میرا کیا قصور ہے کہ میں 40 سال کا ہوں۔ ویسے بھی مرد کو عمر تو ٹھیک ہی بتانی پڑتی ہے..... اگر ٹھیک نہ بتائی جائے تو پڑھنے والا نا جانے کیا کیا اندازے لگا کر بیٹھ جاتا ہے مثلاً 'چھڑا چھانٹ ہوگا' 'جوانی کا آتش کدہ روشن ہوگا'

تبھی 'من پگلے' کے ایسے نایاب و نادر قسم کے جذبات و احساسات ہیں۔ تو جناب ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں ذرا دل تھام کر جواب دیجیے گا۔

کیا ضروری ہے کہ ایسی خواہش صرف 'منچلے نوجوان' کی ہی ہوسکتی ہے؟ (مجھے جینے کا کوئی حق نہیں..... کرلوگل) کیا میری عمر کا مرد ایسی خواہش دل میں رکھے تو اسے دفعہ 302 کے تحت سزائے موت دے دی جائے؟ (آخر کس چکر میں..... ابھی تو کوئی چکر چلایا ہی نہیں) دل تو دل ہے اب اس کا کیا اعتبار کب کس گدھی پر آجائے؟ (کیا 'کرتے ہو یار') ویسے بھی 'مرد اور گھوڑا' کبھی بوڑھا نہیں ہوتا (دونوں ہی ایک سوچ کے مالک ہوتے ہیں) بس دل جوان ہونا چاہیے۔ سو میرا

دل تو جوان تھا اور مزید جو چیز مجھے ہینڈسم اور گڈلکنگ بناتی تھی وہ تھی میرا انوکھی لاڈلی خواہش جو کھیلن کو چاند مانگ رہی تھی۔ اس خواہش کی کچھ جزئیات بھی تھیں۔ 'جزئیات' سمجھتے ہیں 'نہیں نا.....؟ (مینوں پہلے ہی پتہ سی)

چلیں ذرا ہمہ تن خرگوش..... او میرا مطلب ہے ہمہ تن گوش ہوکر سنیے۔ گھبرایئے مت میں سمجھائے دیتا ہوں (آخر کو جینئس جو ہوں)

''کسی ماہ جبین کو میرے 'عشق کا بخار' چڑھے اور بخار بھی جان لیوا ہو یعنی نمونیا' ٹائیفائیڈ' ڈینگی' ملیریا سے بھی زیادہ سنگین ہو۔ وہ بخار میں یوں تپے کہ ٹھنڈے پانی کی پٹیوں سے بھی افاقہ نہ ہو۔ (کسی کو کرنے ہی نہ دے رہی ہو میرا جو انتظار ہو) نہ کچھ کھائے اور نہ پیے۔ بس بستر مرگ پر پڑی کمزور اور نقاہت زدہ آواز میں میرا حسین نام ہی پکارتی رہے۔

''یعنی ہائے محبوب..... ہائے میرے محبوب۔'' (اے کی کیتا)

اور اسی ہائے اوئی مرگئی میں اس کے گھر والوں پر انکشاف ہوجائے کہ معاملہ عشق کا ہے پیارے..... مطلب کہ بخار عام نہیں ہے۔ بخارِ عشق' جو ہے جو آسانی سے جان نہیں چھوڑتا' اور پھر اس حسینہ دوشیزہ کے گھر والے ساری حقیقت جان کر اس کے خلاف ہوجائیں۔ اسے طعنے دیں رسوا کریں۔ مطلب کہ بخار عشق اسے بدنام کرنے پر تل جائے (مگر نام نہ ہو) وہ پھر بھی اس جذبے سے دستبردار نہ ہوسکے۔

(میرے گال مطلب رخسار ابھی سے یہ سوچ کر سرخ ہورہے ہیں کہ کوئی میرا اتنا دیوانہ ہورہا ہو۔ دراصل میں شرمیلا سا ہوں۔ نہیں نہیں شرمیلا ٹیگور نہیں..... بس شرمیلا) وہ میری خاطر گھر والوں سے لڑ جائے' ٹکرا جائے۔ ان کے 'دیدوں' میں 'دیدے' ڈال کر کہے (اتنے سخت مقابلے پر آنکھوں میں پانی آجائے گا اس لیے ٹشو پیپر پاس رکھے) ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ وہ کہہ دے کہ اگر میری راہ میں آیا تو (قسمے خدا دی ٹوٹے کر دیاں گی) آہم..... میرا مطلب ہے خود کو ختم کرلوں گی۔ اصل میں ایک ضروری بات کی وضاحت کردوں میں نے انجمن اور سلطان راہی کی فلمیں بہت دیکھی ہیں اس لیے اثر بہت زیادہ ہوگیا ہے (اس لیے کبھی کبھی زبان پھسلے گی مگر مائنڈ مت کیجیے گا) شکریہ اور یہ دھمکی محض دھمکی نہ ہو بلکہ اس پر دو چار بار عمل بھی کیا ہو کبھی خواب آلود رجن گولیاں پھانک لے کبھی نبض کو تیز دھار خنجر یا ابو اور بھائی کے استعمال شدہ بلیڈ سے کاٹ لے..... کبھی کنپٹی پر فل لوڈڈ پستول رکھ کر گھر والوں کو لاسٹ وارننگ دے۔

اس کے یہ انتہائی اقدام دیکھ کر اس کے گھر والے ہتھیار ڈال دیں اور خاندان کا سب سے عمر رسیدہ بزرگ (جس نے جوانی میں خود بھی یہ سب کیا ہو) غم کے مارے 'من مرضی' کی اجازت تو دے دے مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ ڈالے۔

''آج سے تم ہمارے لیے اور ہم تمہارے لیے مرگئے..... اس گھر سے دو جوڑے لو اور گم کرو اپنی شکل..... (میرے خیال میں اس موقع پر گالیاں بھی نکالنی چاہیے کیوں نیک خیال ہے نا)

وہ حسینہ نازینہ ان حالات کو دیکھ کر غمزدہ تو بہت ہو مگر عشق سے دستبردار نہ ہو۔ (ارے بھئی یہ عشق آساں تھوڑی ہے نانی دادی پر دادی اور فلاں فلاں نا جانے کون کون یاد دلا دیتا ہے)

اور میں..... جس کی خاطر یہ فلم چلائی جارہی ہو سب حالات جان کر اُسے یعنی پاگل' دیوانی'

سلی گرل کو ہوش میں لانے کے لیے کہے۔

''او میڈم..... ہوش میں آؤ..... میں شادی شدہ ہوں۔'' وہ بھی اوپر اوپر سے ورنہ تو پگلا من یہ گنگنا رہا ہو۔

عمر رفتہ کہتی ہے کچھ پختہ ہو جا
دل نادان کہتا ہے کچھ مستیاں اور سہی

اندر اندر تو میرے من میں لڈو پھوٹ رہے ہوں (بھئی شادی شدہ بال بچوں والے کے لیے یوں ایک انجانی حسینہ ڈوب مرنے کے قریب ہو) اپنی حالت اس کے جنون اور دیوانگی کو دیکھ کر یوں پتلی ہو رہی ہے جیسے وینٹی لیٹر پر پڑے مریض کی ہو۔ جو آکسیجن ماسک ناک سے جڑے رہنے تک بس سانسیں لے رہا ہو۔ اس کی دیوانگی بھی میرے لیے آکسیجن ماسک کی طرح ہو۔

اپنے لیے اس کا عشق دیکھ کر دل ہی دل میں کوئی چلائے۔

کوئی پتھر سے نہ مارے
میرے دیوانے کو
ہم جو حاضر ہیں

ساری سزا اٹھانے کو (اور زور سے ایک روڑا ماتھے پر گومڑ بنا دے لے پھر اٹھا سزا)

مگر میں اُس پگلی سے اپنی کیفیات و جذبات چھپائے رکھوں سات کیا بلکہ آٹھ نو پردوں میں..... یہ ڈانٹنا' سمجھانا' اوکھے ہونا سب دکھاوا ہو۔ قارئین آپ فیلنگ محسوس کر سکتے ہیں کہ کوئی آپ کے لیے پاگل ہو رہا ہو۔ کیسے دل میں میٹھی سی خوشی جاگتی ہے۔ کوئی ہمارے لیے اندھا ہو رہا ہو کہ آنکھوں کا آپریشن بھی نہ ہو سکے) کیا احساسات ہوتے ہوں۔ راتوں کو تنہا سلگنا' بیوی سے چھپ کر آہیں بھرنا' فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالنا اور پیے بغیر واپس آ جانا' خود کو مکمل طور پر دیوداس کے روپ میں ڈھالنا دل اس بدنامی پر خواہ مخواہ نازک سا ہو رہا ہو۔ (جیسے ایک مرد کو ایک حسینہ سے خطرہ ہو' اور وہ بے چارہ چھوئی موئی بن کر فقط یہ کہہ پائے ایکسکیوزمی میں ایسا لڑکا نہیں ہوں) یہ حقیقت ہے کہ صرف خواتین ہی نہیں مرد حضرات کا بھی یہی دکھڑا ہے کہ 18 سے آگے بڑھنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ ہر پل خود کو کالج بوائے کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

جب میری خواہش پوری ہو جائے کہ کوئی میرے لیے جل مرے تو میں اس ساری صورت حال کو خواب انجوائے کروں کہ حد ہے بھئی دنیا کے سارے لڑکے مر گئے تھے جو مجھ شادی شدہ کے لیے مری جا رہی ہے آخر کچھ تو خاص ہے مجھ میں.....

ہم سا ہو تو سامنے آئے (اور کوئی سامنے نہ آئے کوئی میرے جیسا کوئی پاگل ہی نہ ہو)

تو جناب..... یہ تھی میری خواہش کی جزئیات.....!

☆.....☆.....☆

وقت گزرنے کے ساتھ اس خواہش میں شدت آتی جا رہی تھی کہ کالج کی کوئی خوبصورت اور دلکش شخصیت والی میری کولیگ کبھی مسکرا کر چند میٹھے جملے بول دیتی تو من میں ہلچل مچ جاتی..... دل کہنے لگتا۔

''پروفیسر صاحب..... لگتا ہے یہی وہ 'پیس' ہے جو آپ کی یاد میں آہیں بھر سکتا ہے۔ جب ان شوخ و چنچل محترمہ کا جھکاؤ میری طرف کچھ زیادہ ہونے لگتا تو میرے اندر ایویں خواہ مخواہ سا مرد جو بے نیاز بننے کی ناکام کوشش کرنے لگتا۔ مطلب کہ میں آگے آگے اور وہ پیچھے پیچھے..... یعنی بلی چوہے کا کھیل شروع ہو جاتا۔ مقصد صرف موصوفہ

کے جذبوں کا ٹیسٹ لینا ہوتا کہ جذبے مضبوط لوہے کی طرح ہیں یا پھر بھربھری لکڑی کی طرح..... دوسرا مقصد تو جو ہر مرد کا ہوتا ہے اپنی 'اہمیت' کو 'کیش' کروانا (حالانکہ شخصیت کلکھ کی نہیں ہوتی۔ لہٰذا میں بھی اسی اصول پر قائم تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں بہت خوبرو تھا بالکل 'چاکلیٹی ہیرو' جیسا..... نارمل سا تھا واجبی سی شکل وصورت' پلیٹ بھی لائٹ سی تھی۔ البتہ ڈائٹ کافی ٹائٹ تھی جسے بمشکل کم کیا تھا۔ پیٹ شادی کے بعد خطرناک حد تک بڑھنے لگا تو ورزش کی عادت اپنائی تو توند کو لٹکنے سے بچایا (اومائی گاڈ کیا ہونے لگا تھا اس صورت حال پر کوئی حسینہ میرے پر تھوک ہی سکتی تھی) تو کالج اسٹاف کے سامنے کچھ عزت بچی..... پیٹ کو مزید سکیڑنے کے لیے 'بیلٹ' کا گلا اس زور سے گھونٹا جاتا کہ چار پانچ گھنٹے تو یوں لگتا کہ جیسے سانس روکنے کی ورزش کی ہو..... مگر کیا کریں جی کسی حسینہ کا آئیڈیل بننے کے لیے اُسے خواہ مخواہ تسخیر کرنے کی خواہش مجھ سے (یہ الٹی سیدھی حرکتیں) یہ سب کرواتی تھی۔

مگر چند دنوں بعد احساس ہوجاتا کہ وہ میرے معیار پر پوری نہیں اترتی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ 'گڈ لکنگ' نہیں تھی اوں ہوں ایسا بھی نہیں تھا۔ وہ جدید تراش خراش کا لباس بھی زیب تن نہیں کرتی تھی۔ یہ بھی نہیں تھا' اس کے بھرے بھرے سرخ ہونٹ لپ اسٹک سے عاری ہوتے تھے۔ نہیں ہرگز نہیں (کیا بچے کی جان لوگے)

اپنی ذات میں وہ 'موصوفہ' مکمل مرقع حسن کی جامع تصویر ہوتی۔ مگر میرا دل..... ہائے یہ نادان دل..... اسے یہاں بھی ایک مسئلہ تھا اور مسئلہ بھی..... مسئلہ فیثا غورث سے زیادہ پیچیدہ وسنجیدہ اور مسئلہ کشمیر جیسا سنگین تھا اور وہ یہ تھا کہ مجھے یہ ادائیں' یہ قہقہے' یہ جذبات واحساسات کسی پختہ عمر کی عورت سے نہیں چاہیے تھے۔ مطلب دل کو تلاش تھی ایک کم عمر ناری کی..... جس کے درد دل پر میرا عشق دستک دے..... یہ کیا میری عمر کی پکی عورتیں بھلا میرے نازک احساسات کو کیا سمجھ سکتی تھیں۔ بس مجھے اس عمر کی پکی ہوئی 'سبزی یا پھل' نہیں چاہیے تھا۔ (خواتین کے ساتھ معذرت کے ساتھ) مگر حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

اس عمر کی خواتین جتنا مرضی 'ٹپ ٹاپ' ہوجائیں پکے ہوئے پیاز سے زیادہ مختلف نہیں لگتیں ایسا پیاز جو پہلے اپنے 'حجم' کی وجہ سے عجیب وغریب ہوجاتا ہے اور رہ گئی بات ذائقے اور افادیت کی تو یہ بوڑھا پیار صرف ضرورت ہی پوری کرتا ہے نہ مزہ جوان اور چھوٹے پیاز جیسا ہوتا ہے اور نہ ہی دیکھنے میں سنہرا اور چمکدار..... اندازہ تو ہو ہی گیا ہوگا کہ مجھے کس قسم کا پیاز میرا مطلب ہے کہ کس عمر کی موصوفہ درکار تھی جو میرے عشق میں دیوانی ہوجائے۔

''جی بالکل..... کم سے کم اٹھارہ انیس سال کی نازک اندام حسینہ (جو خود کو مس ورلڈ سمجھتی ہو) یونیورسٹی کی عمر کی لڑکیاں نہیں بلکہ کالج گرل.....

میں جو 'کو ایجوکیشن کا لیکچرار تھا۔ جہاں کم سن دوشیزاؤں کی کمی نہ تھی۔ شوخ وچنچل ہلا گلا کرتی' فلک شگاف قہقہے لگاتی' پورے کالج کو سر پر اٹھائے رکھتیں..... مگر ابھی تک ایسی 'آئیڈیل' عمر کی لڑکی کا مجھے 'آئیڈیل' بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ کیا ہوا کہ میں قبول صورت تھا۔ میری آنکھیں ہیزل گرین نہ تھیں بال بھی چندیا کو چھپانے کا کام کررہے تھے۔ رنگت بھی سرخ وسفید نہ تھی۔ (بھئی اس میں میرا کیا قصور ہے) مگر مرد کی صورت نہیں دیکھی جاتی (سیرت تو ہوتی ہی نہیں نظر کیا آئے گی) بس لباس

اور کمائی دیکھی جاتی ہے۔ ہاتھ میں نیو ماڈل کار کی چابی ہو Rayban کے گلاسز ہوں۔ رولیکس گھڑی ہو، مہنگا ترین ٹچ موبائل دیکھا جاتا ہے۔ ان سب چیزوں کے ساتھ ایک چیز اور اہم ہوتی ہے وہ ہے 'تیز ترین خوشبو والا پرفیوم' جس کی خوشبو اس قدر تیز ہو (جو پکڑی نہ جاسکے) کہ پروفیسر صاحب کی گاڑی ابھی گیٹ سے انٹر ہو اور خوشبو کالج کے ہر سفید پھول یعنی سفید یونیفارم میں ملبوس ہر اسٹوڈنٹ کی سانسوں میں اتر جائے یعنی ہوا نے ہی آمد کا اعلان کر دیا ہو۔ اور میں ان سب نعمتوں سے مالا مال تھا۔

صبح سویرے تقریباً پینتالیس منٹ لگا کر تیز ترین 'شیوٹی' سے بڑھی ہوئی شیو کا وہ حشر نشر کیا جاتا کہ شیو کے بعد چہرہ جوان لڑکے لڑکیوں کی طرح ملائم اور گلو کرتا دکھائی دیتا۔ ڈریس تو ہمیشہ ہی میرا دیدہ زیب ہوتا پینٹ کوٹ کے ساتھ ٹائی لازمی تھی ہاں البتہ کبھی کبھار کالج مشاعرے میں سفید کلف دار شلوار قمیض کے ساتھ سیاہ واسکٹ پہنتا تو آفت آجاتی۔

''پروفیسر صاحب..... آج تے وحید مراد ہی لگے او.....'' یہ تو میرے میل کولیگ کے تبصرے تھے۔ جبکہ کان تو ترس رہے تھے کہ کوئی شوخ و چنچل حسینہ کوئی جملہ اچھالے (اور میں کیچ کرلوں) مگر ہائے میری قسمت کے ابھی یہ وقت دور تھا۔ شاید ستاروں نے ابھی حرکت و چال نہ بدلی تھی۔ شاید ابھی مزید انتظار درکار تھا۔

☆......☆......☆

''سر..... سر..... ایکسکیوزمی سر......!''

مشاعرے کا اختتام ہو چکا تھا۔ اپنے سفید براق لباس اور سیاہ واسکٹ کے سحر میں جکڑنے کی حتی المقدور کوشش کرتے بے حال ہو گیا تھا۔ بہانے بہانے سے کن اکھیوں سے دوشیزاؤں کی مسکراتی نگاہوں کا جائزہ لیتے آنکھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ بظاہر بے نیازی سے آڈیٹوریم کی آخری سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ دل کے تاروں کو 'جھنجوڑتی' بلکہ سچی بات بتاؤں؟ دل کے تاروں کو بے دردی سے جھنجھوڑتی کسی 'ظالم حسینہ' کی صدا نے قدموں کو جکڑ لیا۔ (کتنی دیر سے پکارا تھا بندہ بھلا کتنا انتظار کرتا اگر خدانخواستہ میں چلا جاتا تو کیا ہوتا) حد بھئی سستی کی۔

''پھر بھلا کس کم بخت کا دل چاہتا تھا کہ سنی ان سنی کرکے آگے بڑھ جاتا۔ قدم تو اس آواز پر جیسے پتھر ہی ہو گئے تھے مگر دل...... ہائے یہ بدتمیز دل اپنی بدتمیزی بھلا کر یوں پگھلا جیسے 'موم'......

''سر پلیز جایئے گا نہیں۔''

اُف صدا تھی یا پھر التجا تھی (کاش یہ کہہ دیتی تو زیادہ اچھا لگتا سنیے رک جایئے آپ کو میری قسم) ہم تو یوں تھم کر کھڑے ہو گئے کہ سرکار آپ کا حکم سر آنکھوں پر، حکم ہوگا تو یہ 'پتھر' آگے کو سرکے گا۔ اپنے اڑتے ہوئے شریر دھانی آنچل کو سنبھالتی ہوا کی تیزی سے زیادہ سبک رفتاری سے وہ لاتعداد بل کھاتی سیڑھیوں کے چکر کھاتی مجھ تک اس حالت میں پہنچی کہ آخری سیڑھی پر جہاں میں کھڑا تھا اگر وہ 'ظالم حسینہ' اپنا توازن برقرار نہ رکھتی تو یقیناً...... آگے آپ خود سمجھدار ہیں اب کیا ہر بات میں ہی بتاؤں...... بھئی میں بہت شرمیلا ہوں نا......

''سر...... سر......'' پھولی ہوئی سانسوں کو درست کرتے ہوئے اس نے اپنا موی ہاتھ سینے پر رکھا اور چند لمحوں کے لیے موٹی موٹی آنکھیں جو آئی لائنر اور گھنی مژگاں جو مسکارے کی وجہ سے دو نہیں چار گنا بھاری ہو رہی تھیں انہیں بند کیا تو میں نے کمال مہارت سے اس کے سراپے کا جائزہ لیا کہ گرد و پیش میں کھڑے کسی اسٹوڈنٹ یا پھر کسی کولیگ کو

میرے 'نظر باز' ہونے پر شبہ تک نہ ہوا۔ (ویسے بھی ہاتھ کی صفائی تو آپ جانتے ہیں مردوں میں ہوتی ہے نظر کی صفائی جو وہ بے حد توجہ سے کرتے ہیں) وہ صندل سا بدن' جس پر سیاہ آنکھوں میں کاجل غضب ڈھا رہا تھا۔ پلکیں آرٹیفیشل تھیں مگر جناب قتل کر رہی تھیں (میرا) گلابی بھرے بھرے ہونٹ جن پر نیچرل سے زیادہ تیز رنگ کی 'لپ اسٹک' لگا کر آج 'کالج رولز' کی خلاف ورزی شاید مشاعرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کی گئی تھی۔ فیشن کے عین مطابق گھٹنوں سے اونچی قمیض اور جس کے بازو کہنیوں تک چمکدار لیس یا فیتے سے مزین تھے۔ گھیرے دار شلوار پہن کر تو اس شوخ و چنچل حسینہ نے 'کالج یونیفارم' کی وہ دھجیاں اڑائیں تھیں کہ توبہ توبہ..... یہ تو ہوا اوپری منزل کا جائزہ..... ابھی پیروں کو دیکھنا باقی تھا۔ یہ تصدیق بھی ضروری تھی کہ یہ سچ مچ کی لڑکی ہے نا..... یا پھر الٹے پیروں والی چڑیل خوبصورت دوشیزہ کے روپ میں میرے تیز پرفیوم سے مسحور ہو کر چلی آئی ہے۔

پاؤں سیدھے تھے بالکل سیدھے (الٹے پاؤں دیکھ کر میں نے ہوش میں کہاں ہونا تھا سارا عشق و عاشقی کا چکر ہوا ہو جانا تھا) گورے دودھیا پاؤں کے ناخن نفاست سے بڑھے ہوئے تھے۔ نیچرل سے کچھ زیادہ تیز رنگت کی کیوٹیکس لگا انہیں دو آتشہ بنایا گیا تھا سیاہ اور سلور سینڈل میں مقید گورے پاؤں آفت برپا کر رہے تھے۔

''واٹس پرابلم.....!'' جائزہ لینے کے بعد قدرے بے نیازی سے پوچھا تھا مقصد اس پر رعب ڈالنا تھا تاکہ جائزے کا شبہ نہ ہو۔

تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ چڑیل نہیں..... تو خوب 'ناٹکی' سی تیوری چڑھا کر ایک مصروفانہ نگاہ اپنی کلائی پر ڈالی۔

''میں جلدی میں ہوں.....'' جبکہ حقیقت تو یہ تھی کہ مجھے کہاں جانا تھا منزل تو میرے سامنے کھڑی تھی۔ میں تو بالکل ویلا تھا..... بالکل ویلا..... (ویسے بھی ایسے معاملات کے لیے ہم مردوں کے پاس خوب ٹائم ہوتا ہے۔ وقت کی کمی تو بیویوں کے سامنے ہوتی ہے جن کا بھاشن سنتے ہوئے ڈھیروں جمائیاں آ رہی ہوتی ہیں۔)

(سارے مرد بغلیں جھانک رہے ہیں)

''سر یہ آپ کے لیے.....'' تازہ گلابوں کا بکے اور سنہرے چمکدار ریپر میں ملفوف چھوٹی سی ڈبیا اس نے میری طرف بڑھائی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا۔

''سر..... گفٹ ہے..... آپ کے لیے.....'' اس کی آنکھوں کے سیاہ پتھر جوش سے جگمگائے۔

''کس خوشی میں؟'' حالانکہ خوشی کے مارے میرے بے نیازی نہیں ختم ہو رہی تھی۔ پگلا من چاہ رہا تھا کہ وہ میری منتیں کرے..... میرے آگے گفٹ قبول کرنے کے لیے ہاتھ جوڑے یا پھر میری ٹانگوں کے ساتھ لپٹ جائے۔ (جو اس کے حسن کی تجلی سے کانپ کر اندر ہی اندر لرز رہی تھیں)

''سر بس..... ویسے ہی۔'' وہ کچھ کچی سی پڑی۔ کچی سمجھتے ہیں نا؟ مطلب کھسیانی اور کنفیوژ سی ہو کر اپنے ہونٹوں کو دانتوں تلے لیا تو 'اُف' ایک 'ظالم انکشاف' ہوا کہ موصوفہ کے گالوں میں 'گڑھے' بھی پڑتے ہیں۔ وہ گڑھے (ڈمپل) جن کے دیوانے ہم میں سے ستر فیصد مرد ہوتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر ہم مردوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے ان میں گود پڑیں اور جو بعد میں ہوگا دیکھی جائے گی۔

''میں اسٹوڈنٹ سے تحفہ نہیں لیتا۔'' اپنی بھنوؤں کو خوب اکڑا کر ایک چبھنے والی مسکراہٹ

چہرے پر سجاتے ہوئے میں نے کمال مہارت سے قدم اٹھاتے ہوئے اپنی سمت کا رخ کیا تھا کہ اس کی بھیگی آواز میرے قدموں سے 'داسی' بن کر لپٹ گئی۔

''سر..... میں بہت محبت سے لائی ہوں۔''

''محبت..... ایک حسینہ کے منہ سے یہ لفظ۔'' ہائے کلیجہ چیر ڈالا۔

''سر..... میرا دل ٹوٹ جائے گا۔'' اس کی کاجل بھری آنکھوں میں نمی لہرائی تو میرے دل کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔

اب کون 'الوکا پٹھا' اس مجسم رعنائی کا دل توڑنے کا گناہ کرتا (جو میں تو بالکل نہیں کرسکتا تھا نا بابا..... مجھ میں ہمت نہیں تھی ایسا گناہ کرتا) سو تحفہ قبول کرلیا۔

وہ تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی جس کا نام گیتی آراء تھا۔ کالج کے مشاعروں میں میرے کلام کی نا جانے کب اسپر ہوئی کہ میں اُس کا آئیڈیل ٹیچر بن گیا۔

ہرنی جیسی شوخ و چنگلی اٹھارہ سالہ 'گیتی آراء' بالکل میری آئیڈیل عمر کی تھی۔ جس کی مسکراہٹ مدھو بالا کی یاد دلاتی تو قہقہے 'مادھوری' کی خوبصورت ہنسی میں کھو جانے پر مجبور کردیتے۔ گالوں کے ڈمپل تو 'پری چہرہ نشو' کو سامنے لے آتے گیتی آراء کو دیکھ کر دل گلا پھاڑ پھاڑ کر کہنے لگا۔

''پروفیسر صاحب..... بخارِ عشق کے تقاضوں کے لیے پرفیکٹ ہے یہ کالج کی انارکلی.....!'' دل دعا کرنے لگا کہ اسے کوئی 'مچھر' کاٹے۔ 'عشق کا مچھر' اور اس کے کاٹنے سے گیتی آراء کو ایسا بخار ہوا کہ 'ویکسین' علاج کے لیے پوری دنیا میں نہ ملے۔ شاید وقت قبولیت کا تھا۔ دعا مستجاب ہوئی گولی کی طرح..... گیتی آراء واقعی بخارِ عشق میں مبتلا ہوگئی۔

(گیتی آراء..... قسم سے وہ مارا)

''سر میں..... آپ کو چاہنے لگی ہوں۔''

''کیا.....؟'' حیرانگی سراسر ڈرامہ تھا۔

''سر..... آپ ہی میرے آئیڈیل ہیں۔''

''گیتی..... یہ مذاق ہے تو بے حد بے ہودہ مذاق ہے۔'' (میں کنفرم کرنا چاہ رہا تھا)

''سر..... میں آپ کے بغیر مرجاؤں گی۔''

''یہ ہوئی نا بات.....'' (یہ فقرہ بے آواز میرے دل نے لگایا)

''لڑکی اپنے ساتھ مجھے بھی بدنام کرواؤ گی کالج میں۔'' (ہائے کسی حسینہ کی بغاوت کی وجہ سے بدنام ہونے کی تمنا میں ابھی تک زندہ تھا)

''پرواہ نہیں.....!''

''گڈ..... ایکسیلنٹ..... پرفیکٹ.....!'' ایسی ہی 'باغی' لڑکی مجھے درکار تھی۔ اس کے باغیانہ جذبات نے میرے اندر کے کالج بوائے کو چانٹے مار کر جگا ڈالا تھا۔ اس جنونی لڑکی کے باغیانی جذبات 'پیٹرول' بن کر میرے دل کے 'انجن' کو گرما رہے تھے۔ اتنے انتظار کے بعد تو میری دیرینہ خواہش کی 'تکمیل' ہونے جارہی تھی۔

گیتی تو پاگل ہوئی جارہی تھی۔ اس سے چار گناہ زیادہ میں خود اندر ہی اندر پاگل ہوا جارہا تھا۔ بس 'پاگل خانے' داخل ہونے کی کسر رہ گئی تھی۔ مگر گیتی سے یہ اندرونی حالت کمال اداکاری سے چھپا رہا تھا اور اداکاری بھی اس لیول کی کہ شہنشاہ جذبات محمد علی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

''او میڈم..... شادی شدہ ہوں..... دو بچے ہیں میرے۔'' میں مزید اس کے آہنی جذبات کی مضبوطی جانچ رہا تھا۔

''سر کوئی مسئلہ نہیں..... مجھے بس آپ کا نام چاہیے۔'' یہ بات کہہ کر تو گیتی نے مجھے دنیا کے بلند ترین ٹاور سے دھکا دیا..... میرا مطلب ہے چھلانگ مارنے پر مجبور کردیا تھا (خوشی سے) وہ خود تو بخارِ عشق

ں مبتلا ہوکر سلگ رہی تھی۔ میں اس سے بھی زیادہ
سم ہونے لگا تھا (دیکھ لو یہ شادی شدہ مرد کی
کنیں)

مگر یہ سلگنا مجھے مزہ دے رہا تھا۔ اس کے بخار
نے تو میری زندگی میں 'چٹخارہ' بھر دیا تھا۔ آم کی چٹنی
ریلموں کے اچار جیسا.....

اس پاگل لڑکی کے سامنے مجھے اپنا آپ بیس
سالہ آوارہ لونڈے جیسا لگنے لگا تھا۔ ویسے مرد ہمیشہ
1 یا 20 کا ہی رہنا چاہتا ہے۔ دیو داس کے دلیپ
مار جیسی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ پتہ نہیں یہ رشیدہ
یسی عورتیں ہمیں کس پٹڑی پر چڑھا دیتی ہیں۔
شیدہ.....؟ ارے بھئی بیوی ہے میری۔

اماں بھی بس عجیب تھیں خواہ مخواہ فضول سی احمق
کی کو میرے پلے باندھ دیا تھا۔ بھانجی کو بیاہ کر
نے کی خواہش میں اماں نے بیٹے کو 'قربانی کا دنبہ' بنا
الا۔ دل پر پتھر رکھ کر میں نے شادی تو کر لی مگر سیاہ
رے جیسی 'کوئل' کا گھونگھٹ اٹھاتے ہی بس میری
خ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ جس لڑکی پر دلہن بن کر روپ
یں آیا تھا وہ بھی اتنا کچھ 'تھوپ' کر..... بعد میں کیا
خاک' نکھرنا تھا۔ بعد کے آنے والے دنوں میں
ں نے اپنے حسن و جمال کے وہ مظاہرے دکھائے
کہ بس جی چاہتا تھا کہ 'غلیل' پکڑ کر ایسا نشانہ لوں کہ
ماہ کر کے اسے جا لگے اور اتنی دور گرے کہ
ھونڈنے پر بھی نہ مل سکے۔ اور باقی رہی سہی کسر اس
کے ہاتھوں سے آنے والی لہسن' پیاز کی بو نے کر دی
تھی۔ دل میں قسم کھالی تھی کہ زندگی میں کبھی موقع ملا
تو کسی حسین لڑکی سے چکر چلا کر رشیدہ کو تو وہ سزا دوں
گا کہ دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔ کبھی بندہ فریش موڈ
یں ہوتا تو رومینٹک انداز میں کہہ ہی دیتا کہ.....

''ٹائی کی ناٹ ہی باندھ دو۔'' ایک تو ناٹ ایسی
بے ہودگی سے باندھی جاتی کہ لگتا جیسے گلا گھونٹ کر
مارنے کی کوشش کی جا رہی ہو اور دوسرا اس پورے
عمل کے دوران سانس بند رکھنے کی کوشش ایک الگ
کتھا ہے۔

''چھوٹے کی فیس جمع کروادی؟''

''بجلی کا بل جمع کروادیا تھا؟''

''آج واپسی پر ٹینڈے اور شملہ مرچیں لیتے
آئیں۔'' ٹائی باندھنے کے دوران اس قسم کی
رومینٹک گفتگو ہوتی کہ خود پر دس بار لعنت بھیجنے کو دل
چاہتا۔ میں رومانوی سا شاعرانہ مزاج کا بندہ جو
مردوں کی ان اقسام میں سے تھا جو عشق کے
دھندے میں کبھی بھی بیوی کو نہیں شامل کرتا جو ہانڈی
چولہے میں گھسی رہتی ہو۔ مجھ جیسے مرد کی تکمیل ہمیشہ
'محبوبہ' کے ہاتھوں ہی ہو سکتی تھی۔

بہرحال جو بھی تھا ساری غلطی اماں ابا کی تھی۔
اور باقی کی رشیدہ کی..... میری غلطی ارے بھئی کوئی
بھی نہیں..... ویسے بھی مرد کی نہ تو شکل دیکھی جاتی
ہے نہ ہی عقل اور نہ ہی غلطیاں..... ان کی صرف
کمائی دیکھی جاتی ہے (بوتھی کا اچار ڈالنا ہے)

اگر میں باسی باقر خانی کو چھوڑ کر 'تازہ پیسٹری'
جیسی لڑکی گیتی آراء کی طرف لپک رہا تھا تو اس میں
میرا تو کوئی دوش نہیں۔ قصوروار تو میرے اپنے تھے
جنہوں نے مجھے قانون ہاتھ میں لینے پر مجبور کیا تھا۔
میں نے بھی دل میں ٹھان لی تھی کہ زندگی نے بھی
مجھے یہ منحوس غلطی (رشیدہ) سدھارنے کا موقع دیا تو
میں اپنی مرضی کی زندگی جیوں گا۔ (کبھی میں جیو چینل
شوق سے دیکھتا ہوں جس میں یہی بتایا جاتا ہے کہ
زیادہ سے زیادہ جینے کی کوشش کرو کھل کر جیو' ہنس کر
جیو اور جیو ہی جیو)

فی الحال میں نے اپنے جذبات و احساسات
اور محسوسات گیتی آراء سے چھپا کر رکھنے تھے تاکہ خود
کو اس کے سامنے مہان ثابت کروں تاکہ کل کو اگر ہم

دونوں کی کوئی غلطی نکلے تو میں اُسے قصوروار ٹھہراتے ہوئے اس پر ٹانگ توڑ رکھ سکوں۔

''لڑکی اس سب پر تم نے مجھے اکسایا...... تمہیں ہی عشق کے مچھر نے کاٹ کر بخار چڑھایا تھا۔ میں تو 'موسپل' لگا کر رکھتا تھا (کہ جیسے ہی مچھر آئے گا منہ کی کھائے گا' بجواب مزہ آیا)۔

اس کے لاتعداد میسجز' واٹس اپ جو کبھی 'سنچری' کر رہے ہوتے اور کبھی 'ہاف سینچری' اس سے میں انجوائے خوب 'لونڈوں' کی طرح کرتا اور آخر میں خود ایک نہایت معصومانہ' شریفانہ' ناصحانہ' سا واٹس اپ کر کے اپنا وقار بھی برقرار رکھنے کی کوشش کرتا۔ صبح اس کے مارننگ میسیج نہ آتے تو بے کل سا رہتا۔ جب اس کے ڈھیروں ڈھیر پیغامات میرے نام آتے تو میری بے چین 'آتما' کو شانتی نصیب ہوتی ورنہ دل تو چاہ رہا ہوتا کہ 'آتما' (پر میں بھی ایک ہارر فلم بنا کر بچوں کو ڈراؤں ہاہاہاہا) میں اس کے میسجز کا اکثر جواب نہ دیتا بے نیازی دکھاتا تا کہ آتش عشق بھڑکتی رہے ور ایک دن مجھے جلا کر بھسم کر ڈالے...... وہ میری بے نیازی پر شکوے کرتی میں لاتعلقی دکھاتا تو وہ یرے روم میں آ جاتی...... پھر وہ ہوتی اور میں ہوتا ور رقص میں سارا جنگل ہوتا۔

''آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ؟''

ودو انچ لمبے ناخنوں والی انگلیوں سے بار بار وہ اپنی اجل والی آنکھیں پونچھتی اور میرا دل ہول رہا ہوتا لہ ناحس آنکھ میں نہ لگ جائے۔ اس کے آنسو میرا بنہ 'غبارے' کی طرح پھلا رہے ہوتے...... اندر رتو میرا برا حال ہو رہا ہوتا مگر سامنے لبوں پر انت بھری مسکراہٹ سجائے رکھتا (کہ لوگو دیکھو کسی ابڑ شا کر لو اور عابد شخص کو دیکھنا ہے تو مجھے ہی دیکھ لو ب اور کہاں کھجل ہو گئے)

''سامنے تو (Man Of Wisdom) بنا اُسے سمجھا رہا ہوتا کہ یہ راہ آسان نہیں ہے پگلی مجھے پانے کی ضد نہ کرو میں وہ چاند ہوں جو دور سے تو کیا قریب سے بھی پیارا نہیں ہوں ہاں رشیدہ سے کافی خوبصورت ہوں۔

میں جان بوجھ کر اسے ایسی باتیں سمجھاتا تا کہ وہ میری مخالفت میں چلے جانتا ہوں نیو جنریشن بڑی ڈھیٹ ہوتی ہے جو بات منع کی جائے وہ ضرور کرتی ہے اور میں بھی یہی چاہتا تھا کہ میں اسے منع کروں اور وہ مجھے پانے کے لیے اور اچھل کود کرے۔ تا کہ بخار عشق بگڑ کر ملیریا بن جائے۔ وہ ایسی جگہ پر سوئے جہاں 'عشق کا مچھر' بھی سوتا ہو اور گیتی آراء کو دیکھ کر کہے۔

(لو جب میں سونے لگا ہوں تو اب یہ آ گئی ہے کہ مجھے کاٹ لو بھئی مچھروں کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے ہر وقت کاٹ کاٹ کر دانتوں میں درد ہو جاتا ہے) وہ ٹھنڈے پانی سے نہائے' ٹاٹری کھا کر مزید گلا خراب کرے کہ اس کے گھر والے میرے پیچھے پڑ جائیں۔

''اس دیوانی کو اپنا لیں پروفیسر صاحب۔'' میں اسے سمجھاتا رہا وہ سر جھکائے سنتی رہی۔ آنسو اس کی جھیل جیسی آنکھوں سے گرتے رہے اگر اس وقت اس کی گود میں بالٹی ہوتی ضرور نمکین پانی سے بھر جاتی۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی آنسو پونچھے اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔ مجھے اس کا انداز فیصلہ کن سا لگا (میں نے دل میں کہا جا بچی جا کر طوفان ڈھا دے میرے لیے) پھر ایک ہفتے تک کالج نہ آئی مجھے اس کی بہت چنتا ہوتی نہ ہی کوئی میسیج آیا میرا تو جیسے سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

سارا غصہ رشیدہ پر نکالتا ایک وہی بے کار نظر آتی تھی میں کوئی ویلا تھا۔ شادی سے لے کر اب تک اس کی لاکھوں غلطیاں نکال کر نکمی عورت کا سرٹیفکیٹ

دے کر گھر سے نکلتا۔ کالج میں گیتی نہ نظر آتی تو سارا غصہ شام کو اپنے نالائق بچوں پر نکالتا' (باپ ہجر و فراق میں دن رات جل رہا ہے اور پاگل کے بچوں کو کوئی فکر ہی نہیں)

ایک دن گیتی آ گئی اپنے تجربے کے مطابق تو اس کی بجائے اس کے کسی ہمدرد یا دوست کا فون آنا چاہیے تھا کہ.....

''سر..... گیتی آراء نے آپ کے عشق میں زہر کھالیا ہے' آپ کا نام لیتے ہوئے آخری سانسیں گن رہی ہے (سو تک تو گنتی کر لی ہے اب آپ آ جائیں تو باقی گنتی شروع کرے)

میرے دل میں ڈھیروں شکوے کسی روایتی عورت کی طرح آنے لگے دل چاہا (کہ پھٹ پڑوں وہ بھی بم کی طرح اور اِدھر اُدھر کوڑا پھیلا دوں) کیوں یہ تمہارا عشق تھا کہ مجھ سے ملے بغیر بے قرار نہ ہوتی اور مجھے ایک پل بھی قرار نہ ملا۔ مگر چپ رہا گھٹ مینا تو پیدائشی تھا۔ جل کڑھ کر مر جاتا مگر منہ سے کچھ نہ پھوٹتا (اماں اکثر چمٹا گرم کر کے مارتی کہ گرم لگنے پر ہی کچھ بک دوں گا مگر نہ جی کچھ نہ بکتا) میری عادت تھی کہ سامنے والے کے دل کی بات جان لوں اور اپنی چھپا کر رکھوں اور جب وہ جا رہا ہو تو پیچھے سے اس پر حملہ کر کے گرا دوں ہاہاہا.....

''سر آپ کی باتیں مجھے سمجھ آ گئی ہیں۔''

(او تیرا خانہ خراب..... سمجھ بھی آ گئی اپنی چھیتی)

''واقعی یہ راہ آسان نہیں۔''

(ارے یہ کیا ہو گیا بخار عشق کیسے اتر گیا؟ کوئی قابل ڈاکٹر تو نہیں مل گیا؟)

''سر..... آپ واقعی گریٹ انسان ہیں..... آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔''

وہ میری عظمت کے قصیدے پڑھ رہی تھی اور میں عقابی تیزی سے یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ یقیناً ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا آ گیا ہے۔ جو ضرور گیتی کا ہم عصر تھا جس کی ڈینگ انٹری نے بخار عشق کا زور توڑ دیا۔ میں دل ہی دل میں اپنے اَن دیکھے رقیب کو غلیظ گالیاں نکال رہا تھا۔ وہ عقیدتوں کے ڈھیروں گلدستے میری خدمت میں پیش کر کے رخصت ہو گئی۔

اور میں بے دم ہو کر کرسی پر ڈھے سا گیا (اے کی ہو گیا اک کڑی ملی سی او وی نس گئی) گیتی کا بخار عشق تو اتر چکا تھا مگر اب میں اپنے بدن میں حرارت محسوس کر رہا تھا۔

میں نے تو نہ جانے کیا کیا پلاننگ کر لی تھی۔ رشیدہ کے پھوہڑ پن کو جواز بنا کر (جو اس میں قطعی نہیں' بس دل نے اسے کبھی پسند ہی نہیں کیا تھا) اُسے طلاق دے دوں گا اور گیتی آراء کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی گزاروں گا مگر گیتی نے آناً فاناً فیصلہ کر کے ساری پلاننگ کا ناس مار دیا تھا۔

قارئین..... اب میں ہوں اور میرا بخار عشق اور وہ بھی 104 کو پہنچا ہوا۔ رشیدہ ہر روز ٹھنڈے پانی کی پٹیاں بھی کرتی ہے مگر یہ کم بخت پٹیوں والا بخار کہاں ہے جو آرام سے اتر جائے۔

گیتی آراء کا تو اتر گیا مگر..... میرا نا جانے کب اترے گا؟ اور کیسے اترے گا.....؟ کیوں اترے گا؟ گیتی آراء کے قہقہے' اس کی باتیں' اس کے واٹس ایپ رات کی تنہائی میں یاد آتے ہیں تو پورا بدن بخار میں تپنے لگتا ہے۔

قارئین' آپ کو کسی قابل ڈاکٹر یا حکیم کا پتہ ہو تو مجھے ضرور بتایئے گا' جو اس بخار عشق کا علاج کر سکے۔

(اپنی حرکتوں سے باز جو نہیں آ رہا تھا بنو بیٹا مجنوں)

❑❑.....❁.....❑❑

1987ء سے خدمت میں مصروف

LEUCODERMA-VITILIGO

پھلبہری

سفید داغ قابلِ علاج مرض

Steroids Free Most Progressive Treatment

کے ممتاز معالج اجمل ذیدی کے صاحبزادے

اقدس ذیدی کے دورۂ پاکستان کا مستقل پروگرام

شہر	تاریخ	قیام
پشاور	یکم فروری تا 6 فروری یکم جون تا 6 جون یکم اکتوبر تا 6 اکتوبر	قیام **ہوٹل امین** جی ٹی روڈ نزد ڈسٹنگری چوک پشاور شہر موبائل: 0300-8566188
لاہور	11 فروری تا 20 فروری 11 جون تا 20 جون 11 اکتوبر تا 20 اکتوبر	قیام **گلف سنٹر** آفس نمبر 16، ہر ٹنگ چوک گلبرگ ہیڈ ٹریس سٹاپ نمبر 10 فیروز پور روڈ نزد نعیم آرکیڈ، لاہور موبائل: 0300-8566188
کراچی	یکم مارچ تا 10 مارچ یکم جولائی تا 10 جولائی یکم نومبر تا 10 نومبر	قیام **فارچون سنٹر** آفس نمبر 706، ساتویں منزل شاہراہ فیصل نرسری بالمقابل KFC کراچی فون: 021-7012068-69 موبائل: 0300-8566188
ملتان	12 مارچ تا 17 مارچ 12 جولائی تا 17 جولائی 12 نومبر تا 17 نومبر	قیام **ہوٹل سلور سینڈ** ریلوے روڈ۔ نزد چوک عزیز ہوٹل ملتان فون: 061-4518061-62 موبائل: 0300-8566188
اسلام آباد	25 مارچ تا 25 مئی 25 جولائی تا 25 ستمبر 25 نومبر تا 25 جنوری	مستقل پتہ: مکان نمبر 62 سٹریٹ نمبر 20 سیکٹر G-8-1 سرپا چوک (تعلیمی چوک) اسلام آباد فون: 051-2331725 موبائل: 0300-8566188

PILLAR OF LEUCODERMA — BOLAN EXCELLENCE AWARD

EXCELLENCE PERFORMANCE AWARD — AWARD OF EXCELLENCE

Ad.Ant

قبولہ شریف سے بھیجی گئی نٹ کھٹ تحریر

بالے داویاہ

چاندسی دلہن کے چکر
میں بالا چکرا کر رہ گیا

ایم حسن نظامی

انسان کی زندگی میں جہاں بے شمار خوشیاں رونما ہوا کرتی ہیں وہاں شادی اس کی جوانی کی مسرتوں کی عکاس ہوا کرتی ہے اس عمر میں لاتعداد سپنے اور تعبیریں دیکھی جاتی ہیں حسین اور خوبصورت چہرے ہی ہمیشہ سے اس کی کمزوری رہے ہیں۔ وہ سکھڑ نیک اور سلیقہ شعار کے ساتھ ساتھ چاند چہرے کا بھی متمنی ہوا کرتا ہے۔ وہ جیسے ہی کسی دلفریب حسینہ کا سامنا کرتا ہے دل میں اسے پانے کی جستجو ذرا چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ پھر وہ ہر جائز و ناجائز طریقوں اور ہتھکنڈوں سے اسے حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش میں نظر آتا ہے۔

مگر کبھی کبھی مسرتوں بھرے لمحات کو تلاشنے میں عمر گزر جایا کرتی ہے اور وہ جس خوشی اور خوبصورتی کی تلاش میں تعویذ گنڈوں اور نام نہاد پیروں کا سہارا لیتا ہے وہ کسی اور کے نصیب میں لکھی جا چکی ہوتی ہے شاید..... پھر ان دیکھے سپنوں کی کرچیاں اسے اندر ہی اندر لہولہان سا کرنے لگتی ہیں جس سے وہ نہ جی سکتا ہے اور نہ مر سکتا ہے۔

اقبال بالا بستی نور پور کا لاابالی سا جوان تھا باپ کا سایہ چھوٹی عمر میں ہی سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے محنت مزدوری کرتے ہوئے بمشکل اسے انٹر تک تعلیم دلوائی پھر جیسے ہی وہ ایک پرائیویٹ فرم میں چند ہزار روپے کے عوض جاب کرنے لگا تو ماں جی کو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔

انہی دنوں ان کے محلے میں ماسٹر منیر صاحب بیوی بیاہ کر لائے جسے بالے کی ماں دیکھتے ہی حیران رہ گئی اور پھر ایک روز سائرہ بیگم سے نہ رہا گیا۔

''بالے پتر..... تجھے معلوم ہے ہمارے محلے میں چاند اترا ہے۔'' وہ سمجھ گیا کہ ماں کا اشارہ کس طرف ہے۔

''رہنے دے ماں جی بھلا کبھی چاند بھی زمین پر اترا ہے۔'' بالے نے ماں کی بات پر طنز کیا۔

''میں ماسٹر صاحب کی دلہن کی بات کر رہی

ہوں نا سمجھے۔ میں کل اسے دیکھ کر آئی ہوں کیا مکھڑا ہے کیا جسامت ہے ایسی حسین دوشیزہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی۔''

''ماں..... آپ نے گرینا گاربو کو دیکھا ہے یا سونی کے بارے میں سنا ہے؟'' بالے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ کم بخت کون ہیں؟ کہاں رہتی ہیں؟'' وہ حیران ہوتے ہوئے بولیں۔

''پہلے رہتی تھیں بالی وڈ اور ہالی وڈ میں اب دنیا چھوڑ چکی ہیں اماں۔''

''بس تو یہی سب سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرتا رہ بیٹا.....''

''تو پھر بتاؤ ماں میں کیا کروں..... تم کہیں ڈھنگ کا رشتہ ہی نہیں تلاشتیں۔'' اس نے جیسے ناراضگی کا اظہار کر دیا۔

''میں نے صغراں کی بیٹی کے بارے میں بتایا تو تھا؟''

''رہنے دو اماں..... میں نے اسے دیکھا ہوا ہے تم ایمان سے بتاؤ کیا وہ لڑکی ماسٹر کی بیوی جیسی ہے بھلا.....؟''

''اس جیسی تو نہیں ہو سکتی۔'' اماں نے ذرا سوچتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر کی قسمت اچھی ہے جو چاند کو اپنے گھر لے آیا۔''

''تو پھر یاد رکھو اماں..... میں نے شادی کی تو اس جیسی کسی حسین دوشیزہ سے کروں گا۔'' بالے

''ارے بھائی میں نے یہاں اپنی بائیک کھڑی کی تھی کہاں چلی گئی۔'' برابر میں ایک ٹھیلے والا تھا جو گلا سڑا پھل بیچ رہا تھا۔ اس نے اشارے سے بالے کو اپنے پاس بلایا وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب ہوا۔

''بھائی..... یہاں میری بائیک.....''

''ہاں اسی کا بتانے لگا ہوں۔'' اس نے ایک شاطرانہ مسکراہٹ سے کہا۔

''تو پھر بتاؤ۔'' بالا جیسے ہانپنے لگا۔

''ایسے نہیں باؤ جی..... پہلے میرے کینوں خریدلو صرف پانچ کلو رہ گئے ہیں' ریڑھی خالی کر کے گھر چلا جاؤں گا سستا لگا دیا ہے۔''

مرتا کیا نہ کرتا وہ آیا تو کسی اور کام کے لیے تھا کینوں خریدنا پڑے اس نے قیمت بھی خوب لگائی۔ بہرحال جب روپے دے چکا تو اس نے تقریباً روتے ہوئے پوچھا۔

''خدا کے بندے اب تو بتا دے کہ میری بائیک کہاں ہے۔''

''بابو جی..... اس کو تھانے والے لے گئے ہیں تم نے اپنی بائیک غلط جگہ پر کھڑی کی تھی۔ اس جگہ پر پارکنگ منع ہے۔ چلو جا کر لے لینا' میں تو چلا اپنے گھر۔'' وہ ٹھیلا دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

لڑکی جانے کہاں چلی گئی لیکن بالا تھانے پہنچ گیا جہاں ایک سے ایک خرانٹ شکل کے لوگ موجود تھے۔ اسے دیکھ کر ایک نے آواز لگائی۔

''مبارک ہو بندہ خود ہی حاضر ہو گیا ہے۔''

ایک پولیس والا اس کے پاس آیا۔

''ہاں بھائی کب تک بھاگتا رہے گا۔'' اس نے پوچھا۔

''کون سا مال جناب۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''وہی جو جیولری کی دکان سے چرایا ہے۔''

''ارے نہیں جناب میں نے کوئی مال نہیں چرایا۔'' بالا تقریباً رو دینے کے انداز میں بولا۔

''تو پھر یہاں کیوں آیا ہے گرفتاری دینے۔'' وہ کڑک کر بولا۔

''بھائی جان..... میں تو اپنی بائیک لینے آیا ہوں۔'' وہ بمشکل بولا۔

''میں نے اسے احسن سینیٹری کے سامنے کھڑی کی تھی پتا چلا کہ آپ لوگ اٹھا کر لے آئے ہیں۔''

''اوہ..... تو..... تو بائیک والا ہے۔''

''جی سر.....'' بالا بولا۔

''تو نے اپنی موٹر سائیکل غلط جگہ کیوں کھڑی کی تھی؟''

''جناب..... غلطی ہو گئی۔'' اس نے کہا۔

''دل تو چاہتا ہے تجھے بیس ہزار روپے جرمانہ کر دیں لیکن تیری مسکین صورت دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے چل صرف دو ہزار روپے دے کر اپنی جان چھڑوا۔'' مرتا کیا نہ کرتا دو ہزار روپے دے کر نا صرف موٹر سائیکل لی بلکہ اپنی جان بھی بمشکل چھڑا کر واپس گھر چلا آیا۔ کس قدر منحوس تھی وہ لڑکی..... اس کی دیکھا دیکھی میں ڈھائی تین ہزار روپے بالا گنوا بیٹھا۔ بہرحال وہ گھر چلا آیا۔ کھایا پیا کچھ نہیں گلاس توڑا بارہ آنے والی کہانی تھی۔

مگر وہ لڑکی اس کے اعصاب پر چھائی ہوئی تھی اور وہ ماسٹر کی بیوی سے بھی بڑھ کر ثابت ہوئی۔ وہ اس کو اتنی آسانی سے بھول نہیں سکتا تھا مگر کیسے؟ وہ نجانے کہاں رہتی تھی کیونکہ وہ موٹر سائیکل کے چکر میں اس کا تعاقب نہ کر سکا تھا۔

پھر ایک روز اسے ایک اور حسینہ نظر آئی وہ اسی کے محلے سے گزر رہی تھی اور اس کے خیال

میں یقیناً وہ آکاش کی وسعتوں پر چمکتا ہوا چودھویں کا چاند تھا وہ اس کی ایک جھلک دیکھتے ہی اس کا گرویدہ ہوگیا۔ کیا ملاحت تھی اس کے چہرے پر اس کے خوبصورت ریشمی بال کمر تک آرہے تھے ایسی دوشیزائیں قسمت سے ملا کرتی ہیں اس نے سوچا..... اور کمال یہ تھا کہ رہتی بھی وہ اسی کے محلے کے قریب ہی تھی۔

اسے کہتے ہیں بغل میں بچہ اور شہر میں ڈھنڈورا..... وہ ہنس کر رہ گیا۔ پھر جب اسے پکا یقین ہوگیا کہ وہ اس گھر میں رہتی ہے تو اس نے ماسٹر صاحب سے رابطہ کیا اور اسے خوشخبری سنائی۔

''ماسٹر بھائی..... لڑکی کا بندوبست ہوگیا ہے۔''

''مبارک ہو..... بھائی بات پکی ہوگئی ہے۔'' ماسٹر جی نے مسکرا کر کہا۔

''ارے نہیں یار..... ابھی تو وہ دکھائی دی ہے۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''بس یہ سمجھ لو کہ تمہارا آدھا کام ہوگیا بچہ.....'' اس نے پھر سے اسے مبارکباد دی۔ پھر ایکدم ہی خاموش ہوگیا۔

''ماسٹر جی تم چپ ہوگئے۔'' بالا رہ نہ سکا۔

''یار..... بات یہ ہے کہ بابا بوہڑ والے کی ڈیمانڈ یہ ہے کہ ایک بکرا اور دو بانگی ککڑ' یعنی جوان مرغے جو اذان دیتے ہوں اور دو ہزار روپیہ نقد.....''

''اوہ..... یار یہ تو بہت بھاری فیس ہے۔'' بالا تھوک نگل کر رہ گیا۔

''اس سے ذرا کم نہیں ہوسکتے۔'' وہ بولا۔

''میرے پیارے..... جتنی خوبصورت لڑکی کا انتخاب کرو گے۔ فیس بھی اس قدر زیادہ ہوگی۔ چودھویں کے چاند کی تمنا میں فیس کم نہیں ہوگی۔ البتہ عام سی لڑکی ہو تو دو ہزار روپے کم کروائے جاسکتے ہیں۔''

''اور ہاں جس چاند کا تم نے انتخاب کیا ہے اسے حاصل کرنے کے لیے اس کے بال لانے ضروری ہیں۔''

''ہائیں.....'' یہ سنتے ہی بالے کے اوسان خطا ہوگئے اور اس کی نگاہوں کے سامنے دھندسی اتر آئی۔ بہرحال اس نے اپنے آپ پر بمشکل قابو پایا اور بولا۔

''میں ضرور ٹرائی کروں گا.....''

''ٹرائی نہیں بال لانے ضروری ہیں ورنہ عمل نہ ہوگا۔'' بالا گھر پہنچا تو ماں جی نے اسے ایک اور رشتے کی نوید سنائی۔

''بیٹا..... رضیہ ہے نا تمہارے انکل کی بیٹی پڑھی لکھی اور سگھڑ ہے تم خوبصورتی کو چھوڑو کہو تو میں اس کا ہاتھ مانگ آتی ہوں۔''

''نہیں ماں..... میں بیوی لایا تو روشن چاند کی مانند لاؤں گا ورنہ..... کبھی شادی نہیں کروں گا۔'' اس نے اپنا فیصلہ سنایا اور گھر سے باہر نکل کھڑا ہوا۔

اس نے بکرے کا بچہ بھی خرید لیا اور مرغے والے سے بھی بات کرلی اب بالے کو اس لڑکی کے بالوں کی ضرورت تھی۔ اور بوہڑ والا پیر اپنا منتر یا ٹوٹکا ان بالوں پر ہی کرتا تبھی وہ ان کے قابو میں آتی۔ مگر..... اب بالا اس لڑکی کے بال کہاں سے لاتا..... مگر ماسٹر صاحب نے اسے یہ بھی ترکیب سمجھا دی۔۔

''اس دوشیزہ کے گھر کو دیکھو..... تم نے اکثر دیکھا ہوگا کہ عورتیں بالوں میں کنگھی کرتی ہیں۔ کنگھی میں بہت سے بال آجاتے ہیں جن کو ایک

طرف پھینک دیا جاتا ہے۔''

''اوہ یار..... میں بھلا خود کیسے اس کے پاس جا کر کہوں کہ مجھے وہ بال دے دو جو تم نے کنگھی کرتے وقت اتارے تھے۔''

''ارے بھائی..... میں یہ نہیں کہہ رہا دیکھو کچھ پانے کے لیے کچھ محنت اور قربانی تو دینی پڑتی ہے۔''

''کیسی قربانی؟ کیا بکرا ذبح کرنا پڑے گا۔''

''ارے بھائی..... تم بہت بھولے ہو اتنے بھولے بندے کو عشق کے چکر میں ہرگز نہیں پڑنا چاہیے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''گھروں میں عموماً ماسی پائی جاتی ہے جو ان لوگوں کے کام کاج کیا کرتی ہیں تم اسی عورت کو چند سو روپے کے عوض یہ کام کروا سکتے ہو اس سے کہنا کہ بالوں کا گچھا لا دے اس کے لیے یہ کام بہت آسان ہے۔ وہ لا کر دے گی تو پھر ہم سیدھے بوہڑ والے بابا کے پاس جائیں گے پھر دیکھنا ان کی کرامت..... چاند تیرے قدموں میں ہوگا۔''

''چلو یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں ماسٹر منیر.....'' بالے نے ہنکارا بھرا۔ یوں اس نے دوشیزہ کے گھر میں کام کرنے والی ماسی کو تلاش کیا وہ ایک ادھیڑ عمر عورت تھی جب وہ کام سے فارغ ہو کر گھر سے نکلی تو بالا اس کے سامنے آ گیا۔

''سنو جی..... مجھے تم سے ایک کام ہے۔''

''نا بھائی..... میرے پاس ٹائم نہیں ہے پانچ گھر پہلے ہی میرے پاس ہیں باری باری سب کا کام کرنا پڑتا ہے۔'' وہ نہایت روکھے پن سے بولی۔

''نہیں جی..... گھر میں کام نہیں کروانا..... ایک دوسرا کام ہے میری بات تو سنو۔'' بالا بولا۔

''وہ کیا ہے..... تم جس گھر میں کام کرتی ہو اس گھر میں ایک خوبصورت سی لڑکی رہتی ہے لانبا قد ہے بڑے بڑے بال ہیں اس کے۔'' بالا اس لڑکی کی منظر کشی کرنے لگا۔

''اوہ..... ہاں..... تم پری چہرہ رخسانہ کی بات تو نہیں کر رہے بھائی۔''

''ہاں..... ہاں وہی.....''

''ایسی خوبصورت تو پورے شہر میں نہیں۔'' وہ ہنس دی۔

''مگر..... کام کیا ہے؟'' اس نے معنی خیز نگاہوں سے پوچھا۔

''مجھے اس کے بال چاہئیں.....'' بالے نے بتایا تو وہ اچھل پڑی گویا۔

''نا جی نا..... میں ایسا کام نہیں کرتی..... یہ تو بہت بڑا گناہ ہے بھائی..... ایک تو میرا بچہ بیمار ہے ڈاکٹر نے پانچ سو روپے فیس مانگی ہے وہ تک دینے کے پیسے نہیں ہیں۔'' اس کی آواز گلوگیر سی ہو چلی۔

''تم اس کی فکر نہ کرو..... میں دے دیتا ہوں پانچ سو روپے.....''

''چلو ٹھیک ہے وہ تو..... تم نیک انسان معلوم ہوتے ہو لیکن دوائیں بھی تو ہزار روپے کی ہیں۔'' بالا سمجھ گیا کہ دولت سے سبھی کچھ ممکن ہے اس نے دو ہزار کے کرارے نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے جھٹ سے نوٹ اپنے گریبان میں ٹھونسے اور بولی۔

''فکر مت کرو..... میں کل ہی تمہیں بال لا دوں گی۔ بی بی روزانہ بالوں میں کنگھی کرتی ہے ان کے بال گر رہے ہیں سبھی روزانہ گچھا بھر نکل آتے ہیں مگر بابو..... کسی کو بتانا مت میری نوکری کا سوال ہے۔''

''فکر مت کرو..... بس تم یہ کام جلد کر دو۔'' یوں وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی اور بالا گھر چلا آیا۔

دوسرے دن ماسی کی بتائی جگہ مطلوبہ جگہ پر

اسے چاند چہرے کے بالوں کا خوبصورت ریشمی گچھا مل گیا۔ وہ عورت بال بالے کو تھما کر یوں دیکھنے لگی تھی جیسے اب بھی کوئی تشنگی یا ضرورت رہ گئی ہو۔ بالے نے اسے یوں بے بسی کی تصویر بنے دیکھا تو جیب سے سوسو کے پانچ کرارے نوٹ نکالے اور اسے تھماتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا جسے دیکھ کر اس کا چہرہ کھلنے لگا۔

پھر وہ اپنے عزیز دوست ماسٹر کے پاس پہنچا اور اسے بتایا کہ میں نے دو دیسی مرغے بکرے کا بچہ اور روپوں کا بندوبست کرلیا ہے آؤ چلیں..... بابا کے پاس۔''

وہ دونوں بوہڑ والے بابا کے پاس پہنچے جو گندے نالے کے پاس رہتا تھا۔ جیسی بدبو اور تعفن اس نالے سے نمودار ہو رہی تھی ویسی ہی اس کے گھر اور اس جھونپڑے سے آرہی تھی جہاں بیٹھ کر وہ چلا کرتا تھا اور پھر اسی صورت مراقبے میں چلا جایا کرتا تھا۔

وہ خود بھی ایسا تھا جیسے گندا نالا انسانی شکل میں سامنے آ گیا ہو۔ گندے پرانے کپڑے نجانے کب سے دھوئے ہوں بکھرے بال' کھلے کھلے لمبے نوکیلے دانت جن پر عمر بھر برش نہ کیا گیا تھا شاید..... بالے نے اتنا مکروہ انسانی چہرہ زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ اگر اس نے چاند جیسی بیوی حاصل نہ کرنا ہوتی تو وہ اس کی صورت بھی دیکھنا پسند نہ کرتا مگر مرتا کیا نہ کرتا..... وہ خاموش رہا۔

ماسٹر نے میرا تعارف کرواتے ہوئے بتایا۔

''بابا جی..... میرے اس دوست کو بھی چمتکار کی ضرورت ہوگئی ہے۔''

''ہوں.....'' اس نے ایک لمبا ہنکارا بھرا.....

''بکرا اور بانگے ککڑ دیسی کہاں ہیں؟''

''میں لے آیا ہوں جی۔'' بالا بول پڑا۔

''بکرا باہر بندھا ہے اور یہ ہیں دیسی مرغے اور فیس.....؟

''بابا جی بندہ نہایت غریب ہے فیس معاف فرما دیں۔'' ماسٹر جی نے عاجزی سے کہا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے بچہ..... غریب ہے تو چودھویں کے چاند کے خواب کیوں دیکھتا ہے کسی پینڈو لڑکی سے دو بول پڑھا لے ناں۔''

''نہیں جی آپ معاف کردیں..... پھر آیا تو روپے ضرور ساتھ لائے گا۔''

''تم چپ رہو ماسٹر..... وہ خود بولے اگر دو ہزار نہیں دے سکتا تو ہزار روپیہ ضرور دے میں بھلا موکلوں کو کیسے راضی کروں گا۔''

''ٹھ..... ٹھیک اے جی..... میں روپے دیتا ہوں۔'' بالا آہستگی سے بولا اور روپے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔

''اور بال.....''

''یہ لیں جی بالوں کا پیکٹ.....'' اس نے بال نکال کر بابا کی طرف بڑھا دیے۔

''ہاں..... جس دوشیزہ کے بال اس قدر ریشمی اور دلکش ہیں وہ خود بھلا کتنی سندر ہوگی۔'' اس نے ماسٹر کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ میچی تو ماسٹر ہنس کر رہ گیا۔

''ماسٹر جی..... اب تم جاسکتے ہو ایک ہفتے بعد تمہارا کام ہوجائے گا میں آج ہی چلا شروع کرتا ہوں اور صبح سویرے ہی موکل چھوڑ دوں گا۔''

''ٹھیک ہے جی.....''

''لے بھائی بالے تجھے مبارک ہو بابا نے میری وساطت سے کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اب تمہاری شادی علاقے کی سب سے خوبصورت دلنشین دوشیزہ سے ہونے والی ہے۔ جا کر بیشک شادی کی تیاریاں شروع کردو۔'' دونوں نے جیسے

کامیابی پر ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور اپنے اپنے گھر چلے آئے۔

بالا گھر پہنچا تو اماں پھر سے ایک دوسرا رشتہ لے کر بیٹھی تھیں۔

''ارے بیٹا سن..... وہ جو صغراں آنٹی ہیں نا..... ان کی لڑکی ہے رضیہ..... میں اس سے تیرا رشتہ جوڑنے لگی ہوں۔''

''اماں ..... اس عمر میں تمہاری عقل کہاں گئی۔ وہ اَن پڑھ اور عمر میں مجھ سے زیادہ ہو چلی ہے کل میں نے بغور اسے دیکھا ہے سر میں چاندی کے تار سے نکل رہے ہیں اور اتنی موٹی ناک خدا کی پناہ.....''

''بس اماں..... آپ رہنے دیں اُسے..... میں نے اپنا رشتہ خود ڈھونڈ لیا ہے۔''

''بیٹا..... کون ہے وہ لڑکی مجھے نہیں دکھائے گا۔''

''کیوں نہیں ماں..... ذرا صبر سے کام لو وہ اتنی خوبصورت ہے کہ تم ماسٹر کی دلہن کو بھول جاؤ گی۔'' بالا پھر بولنے لگا۔

''تم نے ماسٹر کی بیوی کو دیکھ کر کہا تھا محلے میں چاند اتر آیا ہے اس کو دیکھ کر کہو گی محلے میں سورج اتر آیا ہے۔''

''خدا بہتر کرے بیٹا.....'' ماں کی نگاہ اوپر اٹھ گئی۔

پھر بالا اسی روز سے دن گننے لگا بوہڑ والے بابا نے کہا تھا ایک ہفتے بعد تمہارا کام ہو جائے گا۔ یوں وہ روزانہ اسی جگہ پہنچ جایا کرتا تھا جہاں اس نے اس پری چہرہ کی جھلک دیکھی تھی۔ کئی روز تک تو وہ نظر نہ آئی بالآخر ایک روز وہ اسے دکھائی دے گئی۔ وہ اکیلی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ اس کی ماں تھی شاید..... وہ دونوں دکان سے سودا لے کر گھر جا رہی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے بالا جان بوجھ کر ایسی جگہ پر جا کھڑا ہوا جہاں سے وہ با آسانی اسے کھل کر دیکھ سکتا۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ لڑکی خود جس قدر خوبصورت اور حسین تھی اس کی ماں اتنی ہی بدصورت اور بھدی عورت تھی۔ کالی سیاہ توے کی پشت جیسی موٹی بھینس کی طرح.....

اوہ یار..... تم نے کیا لینا اس کی ماں سے بالے کے اندر سے آواز آئی تمہیں جس سے مطلب ہے وہ تو چاند چہرہ ہے نا..... اسے جھرجھری سی آ گئی۔

ان دونوں نے اسے دیکھ لیا تھا کہ اچانک اس عورت نے لڑکی سے کچھ کہا اور وہ چلتی ہوئی بالے کی طرف بڑھی۔ وہ بوکھلا سا گیا اس کے پورے وجود میں جلترنگ سے بجنے لگے۔ وہ اس کے قریب آ کر بولی۔

''جی بات سنیں۔''

''آپ اسی محلے میں رہتے ہیں۔'' وہ بولی تو جیسے بالے کے اردگرد جلترنگ سے بجنے لگے۔

''جی ہاں میں اسی محلے میں رہتا ہوں جی۔'' وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکا۔

''میں نے آپ کو کئی بار دیکھا ہے۔'' اب وہ موٹی بھدی عورت بولی۔

''جی ہاں آنٹی..... یہیں رہتا ہوں نا..... اسی لیے ضرور آپ نے دیکھا ہوگا۔''

''آپ مجھے آنٹی تو نا کہیں نا جی.....'' وہ گویا شرما کر بولی۔

''میں اتنی عمر کی نہیں ہوں یہ اور بات ہے کہ ایک جوان لڑکی کی ماں ہوں۔ میری شادی بہت چھوٹی عمر میں ہو گئی تھی۔ شوہر کی اچانک موت کے بعد میں نے خود پر دھیان دینا چھوڑ دیا۔'' بالا بوکھلا کر رہ گیا۔ اس کے اندر کے جلترنگ جیسے ماتم کناں ہوتے چلے گئے وہ کیسی باتیں کرنے لگی تھی۔ اس نے

اس دوشیزہ کی طرف دیکھا وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکی تھی۔ بالے کو ساری فضا سوگوار سی محسوس ہونے لگی۔

''آپ کبھی ہمارے گھر آئیں نا.....'' اس نے اٹھلا کر کہا تو بالے کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''آں..... ہاں..... جی ضرور آؤں گا۔'' اس نے چونک کر کہا۔

''دیکھیے میں انتظار کروں گی۔'' اس نے چہک کر ایک چپت بالے کے گال پر رسید کرتے ہوئے لہرا کر کہا۔ اس وقت وہ عورت اسے بہت ہی بے ڈھنگی لگی مگر وہ کچھ نہ بول پایا۔

''جانی..... آپ نے تو میرے خواب پورے کر دیے۔'' وہ پھر چہکی۔

''کیسے خواب؟'' بالے نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''یہی کہ میں اپنی بیٹی کو ایک باپ کا پیار دلا سکوں گی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''باپ..... باپ کا پیار..... مم..... میں سمجھا نہیں۔'' الفاظ اس کے حلق سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلنے لگے۔

''جی ہاں..... جب سے شوہر کا انتقال ہوا ہے اس مرجانی کی یہی ضد ہے کہ ماما تم دوسری شادی کر لو کب تک بیوہ رہو گی۔ لیکن مجھے زندگی کا ساتھی بنانے کے لیے کوئی ڈھنگ کا آدمی نہیں مل رہا تھا اب آپ میری زندگی میں آ رہے ہیں تبھی ہر شب تمہارے سپنے ستانے لگے ہیں۔''

اس کے بعد بالے کو کچھ کہنے اور سننے کی ہمت نہ رہی اس کے پاؤں بوجھل سے ہونے لگے۔ اور پورا وجود سناٹوں کی زد میں آنے لگا۔ آنکھیں ساکت سی ہو گئیں اور ہر شے اسے گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی وہ سر تھامے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

حواس ذرا بحال ہوئے تو وہ ماسٹر کے گھر کی طرف بڑھا۔ وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا اس نے لپک کر ماسٹر کا بازو پکڑ لیا۔

''ماسٹر جی..... یہ کیا بکواس ہے اس منحوس بابا نے مجھے کس کے ساتھ لگا دیا ہے۔''

''کیوں کیا ہوا بالے..... تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔'' ماسٹر مسکرا کر بولا۔ اس نے ساری رام کہانی ماسٹر جی کو سنا دی۔ وہ بہت دیر تک ہنستا رہا۔

''کمال کی سچویشن ہے یار.....''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی صورت حال پر خدا کے لیے میری اس بھینس سے جان چھڑاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

''چلتے ہیں بابا کے پاس وہی کچھ بتا سکتا ہے اس بارے میں۔''

''ابھی چلو.....'' بالا گرجا۔

''ورنہ وہ عورت میری جان کا عذاب بن جائے گی۔''

''تو پھر فیس اور مال نئے سرے سے لے آؤ۔''

''جہنم میں ڈالو مال اور فیس کو۔'' بالا بھنا کر بولا۔

''ایک تو میرا کام خراب ہو رہا ہے اوپر سے بکرا اور مرغے اور روپے بھی پھر سے لے دوں۔''

''یہ تو مجبوری ہے میرے بھائی۔ وہ بکرے، مرغوں کے بغیر تو بات بھی نہیں سنتا۔''

مرتا کیا نہ کرتا بالے نے کسی دوست سے روپے ادھار لیے اور بکرا اور مرغے لے کر بوہڑ والے خبیث بابا کے پاس پہنچے۔

''بابا یہ تم نے کیسا منتر پڑھا ہے۔'' بالا خاموش نہ رہ سکا۔

کامیابی پر ایک دوسرے سے ہاتھ ملائے اور اپنے اپنے گھر چلے آئے۔

بالا گھر پہنچا تو اماں پھر سے ایک دوسرا رشتہ لے کر بیٹھی تھیں۔

''ارے بیٹا سن..... وہ جو صغراں آنٹی ہیں نا..... ان کی لڑکی ہے رضیہ..... میں اس سے تیرا رشتہ جوڑنے لگی ہوں۔''

''اماں ..... اس عمر میں تمہاری عقل کہاں گئی۔ وہ اَن پڑھ اور عمر میں مجھ سے زیادہ ہو چلی ہے کل میں نے بغور اسے دیکھا ہے سر میں چاندی کے تار سے نکل رہے ہیں اور اتنی موٹی ناک خدا کی پناہ.....''

''بس اماں..... آپ رہنے دیں اُسے..... میں نے اپنا رشتہ خود ڈھونڈ لیا ہے۔''

''بیٹا..... کون ہے وہ لڑکی مجھے نہیں دکھائے گا۔''

''کیوں نہیں ماں..... ذرا صبر سے کام لو وہ اتنی خوبصورت ہے کہ تم ماسٹر کی دلہن کو بھول جاؤ گی۔'' بالا پھر بولنے لگا۔

''تم نے ماسٹر کی بیوی کو دیکھ کر کہا تھا محلے میں چاند اتر آیا ہے اس کو دیکھ کر کہو گی محلے میں سورج اتر آیا ہے۔''

''خدا بہتر کرے بیٹا.....'' ماں کی نگاہ اوپر اٹھ گئی۔

پھر بالا اسی روز سے دن گننے لگا بوہڑ والے بابا نے کہا تھا ایک ہفتے بعد تمہارا کام ہو جائے گا۔ یوں وہ روزانہ اسی جگہ پہنچ جایا کرتا تھا جہاں اس نے اس پری چہرہ کی جھلک دیکھی تھی۔ کئی روز تک تو وہ نظر نہ آئی بالآخر ایک روز وہ اسے دکھائی دے گئی۔ وہ اکیلی نہ تھی بلکہ اس کے ساتھ اس کی ماں تھی شاید..... وہ دونوں دکان سے سودا لے کر گھر جا رہی تھیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے بالا جان بوجھ کر ایسی جگہ پر جا کھڑا ہوا جہاں سے وہ با آسانی اسے کھل کر دیکھ سکتا۔

عجیب بات یہ تھی کہ وہ لڑکی خود جس قدر خوبصورت اور حسین تھی اس کی ماں اتنی ہی بدصورت اور بھدی عورت تھی۔ کالی سیاہ توے کی پشت جیسی موٹی بھینس کی طرح.....

اوہ یار..... تم نے کیا لینا اس کی ماں سے بالا کے اندر سے آواز آئی تمہیں جس سے مطلب ہے وہ تو چاند چہرہ ہے نا..... اسے جھرجھری سی آ گئی۔

ان دونوں نے اسے دیکھ لیا تھا کہ اچانک اس عورت نے لڑکی سے کچھ کہا اور وہ چلتی ہوئی بالے کی طرف بڑھی۔ وہ بوکھلا سا گیا اس کے پورے وجود میں جلترنگ سے بجنے لگے۔ وہ اس کے قریب آ کر بولی۔

''جی بات سنیں۔''

''آپ اسی محلے میں رہتے ہیں۔'' وہ بولی تو جیسے بالے کے اردگرد جلترنگ سے بجنے لگے۔

''جی ہاں میں اسی محلے میں رہتا ہوں جی۔'' وہ بمشکل اتنا ہی کہہ سکا۔

''میں نے آپ کو کئی بار دیکھا ہے۔'' اب وہ موٹی بھدی عورت بولی۔

''جی ہاں آنٹی..... یہیں رہتا ہوں نا..... اسی لیے ضرور آپ نے دیکھا ہوگا۔''

''آپ مجھے آنٹی تو نا کہیں نا جی.....'' وہ گویا شرما کر بولی۔

''میں اتنی عمر کی نہیں ہوں یہ اور بات ہے کہ ایک جوان لڑکی کی ماں ہوں۔ میری شادی بہت چھوٹی عمر میں ہوگئی تھی۔ شوہر کی اچانک موت کے بعد میں نے خود پر دھیان دینا چھوڑ دیا۔'' بالا بوکھلا کر رہ گیا۔ اس کے اندر کے جلترنگ جیسے ماتم کناں ہوتے چلے گئے وہ کیسی باتیں کرنے لگی تھی۔ اس نے

اس دوشیزہ کی طرف دیکھا وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہو چکی تھی۔ بالے کو ساری فضا سوگوار سی محسوس ہونے لگی۔

''آپ کبھی ہمارے گھر آئیں نا.....'' اس نے اٹھلا کر کہا تو بالے کو اس کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''آں..... ہاں..... جی ضرور آؤں گا'' اس نے چونک کر کہا۔

''دیکھیے میں انتظار کروں گی۔'' اس نے چہک کر ایک چپت بالے کے گال پر رسید کرتے ہوئے لہرا کر کہا۔ اس وقت وہ عورت اسے بہت ہی بے ڈھنگی لگی مگر وہ کچھ نہ بول پایا۔

''جانی..... آپ نے تو میرے خواب پورے کر دیے۔'' وہ پھر چہکی۔

''کیسے خواب؟'' بالے نے برا سا منہ بنا کر پوچھا۔

''یہی کہ میں اپنی بیٹی کو ایک باپ کا پیار دلا سکوں گی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔

''باپ..... باپ کا پیار..... مم..... میں سمجھا نہیں۔'' الفاظ اس کے حلق سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلنے لگے۔

''جی ہاں..... جب سے شوہر کا انتقال ہوا ہے اس مرجانی کی یہی ضد ہے کہ ماما تم دوسری شادی کر لو کب تک بیوہ رہو گی۔ لیکن مجھے زندگی کا ساتھی بنانے کے لیے کوئی ڈھنگ کا آدمی نہیں مل رہا تھا اب آپ میری زندگی میں آ رہے ہیں تبھی ہر شب تمہارے سپنے ستانے لگے ہیں۔''

اس کے بعد بالے کو کچھ کہنے اور سننے کی ہمت نہ رہی اس کے پاؤں بوجھل سے ہونے لگے۔ اور پورا جودسناٹوں کی زد میں آنے لگا۔ آنکھیں ساکت سی ہو گئیں اور ہر شے اسے گھومتی ہوئی محسوس ہونے لگی اور سر تھامے نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

حواس ذرا بحال ہوئے تو وہ ماسٹر کے گھر کی طرف بڑھا۔ وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا اس نے لپک کر ماسٹر کا بازو پکڑ لیا۔

''ماسٹر جی..... یہ کیا بکواس ہے اس منحوس بابا نے مجھے کس کے ساتھ لگا دیا ہے۔''

''کیوں کیا ہوا بالے..... تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔'' ماسٹر مسکرا کر بولا۔ اس نے ساری رام کہانی ماسٹر جی کو سنا دی۔ وہ بہت دیر تک ہنستا رہا۔

''کمال کی سچویشن ہے یار.....''

''میں لعنت بھیجتا ہوں ایسی صورت حال پر خدا کے لیے میری اس بھینس سے جان چھڑاؤ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔

''چلتے ہیں بابا کے پاس وہی کچھ بتا سکتا ہے اس بارے میں۔''

''ابھی چلو.....'' بالا گرجا۔

''ورنہ وہ عورت میری جان کا عذاب بن جائے گی۔''

''تو پھر فیس اور مال نئے سرے سے لے آؤ۔''

''جہنم میں ڈالو مال اور فیس کو۔'' بالا بھنا کر بولا۔

''ایک تو میرا کام خراب ہو رہا ہے اوپر سے بکرا اور مرغے اور روپے بھی پھر سے لے دوں۔''

''یہ تو مجبوری ہے میرے بھائی۔ وہ بکرے، مرغوں کے بغیر تو بات بھی نہیں سنتا۔''

مرتا کیا نہ کرتا بالے نے کسی دوست سے روپے ادھار لیے اور بکرا اور مرغے لے کر بوہڑ والے خبیث بابا کے پاس پہنچے۔

''بابا یہ تم نے کیسا منتر پڑھا ہے۔'' بالا خاموش نہ رہ سکا۔

''اس کی کالی کلوٹی ماں میرے پیچھے پڑگئی ہے۔''

''دیکھو بالے میاں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ میرا جنتر کام نہ کرے میں نے دس سال چھانگا مانگا کے جنگل میں تپسیا کی ہے اور کسی کا کام آج تک نامکمل نہیں رہا۔ میں اپنے فن کا ماہر ہوں۔''

''تو پھر یہ سبھی کچھ کیا ہے۔'' ماسٹر بھی حیران ہوکر بولا۔

''مورکھ..... یہ بتا..... کیا تجھے یقین ہے کہ بال اسی لڑکی کے تھے جسے تو چاہتا تھا۔''

''ک..... کیا مطلب؟'' بالا حیران سا ہوا۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ بال اسی عورت یعنی اس کی ماں کے ہوں۔'' بابا بوہڑ والا جیرانگی سے بولا۔

بالا سناٹوں کی زد میں آ گیا اس نے اس انداز سے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کم بخت ماسی نے دھوکا دیا تھا۔ وہ لبوں ہی لبوں میں بڑبڑانے لگا۔

''بابا..... اگر میں اس لڑکی کے بال لاکر دوں تو.....؟'' بالا گلوگیر آواز میں بولا۔

''نہیں مورکھ..... اب سبھی کچھ بیکار ہے۔'' بابا گرج کر بولا۔

''میرا منتر ایک گھر میں ایک ہی مرتبہ ایک ہی کنیا کے کام آسکتا ہے۔ اب تم کسی اور جادوٹونے والے بابا کو دیکھو۔''

بالا اس پر لعنت بھیجتا ہوا واپس چلنے لگا۔

''ماسٹر میری فیس.....'' اس نے گرج دار آواز میں ماسٹر کو پکارا۔ ماسٹر نے کچھ نوٹ بابا کی طرف بڑھائے۔

''بس یہی ہیں جی کام تو میرے دوست کا ہوا نہیں۔'' بالا بہت غصے میں تھا اس نے ماسٹر سے پوچھا۔

''یار..... تم یہ بتاؤ تم نے بابا کو پیسے کس بات کے دیے ہیں جبکہ تمہیں پتہ ہے کہ کام نہیں ہوا۔''

''کچھ حساب کتاب تھا۔'' وہ بولا۔

''کیسا حساب کتاب۔'' بالا حیران ہوا۔

''بھائی اب تم سے کیا چھپانا۔'' وہ بولا۔

''بابا کے پاس جتنے بکرے اور مرغے آتے ہیں میں نے ان کا ٹھیکا لے رکھا ہے۔ سبھی مال میں آگے سپلائی کرتا ہوں۔''

''کیا..... یہ تمہارا بزنس ہے؟'' بالا حیران سا ہوا۔

''ہاں بھئی یہی کام ہے اپنا دال روٹی اسی سے چلتی ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے بولا۔

اب بالے کا وہاں ایک منٹ بھی رکنا فضول تھا۔ وہ خاموشی اور بے بسی سے گھر چلا آیا۔ اس کی ماں اس وقت کچن میں تھی۔ وہ سیدھا اس کے پاس پہنچا۔

''اماں تم کیا بتا رہی تھیں صغراں کی لڑکی رضیہ.....!''

''ہاں میں نے تم سے اس کی بات کی تھی بیٹا.....''

''تو پھر چلی جا ماں ان کے گھر میں اس رشتے کے لیے تیار ہوں۔'' بالا ہنس کر بولا۔

''لیکن..... اب کیا فائدہ بیٹا.....'' ماں نے بغور بالے کی طرف جھانکا۔

''وہ کیوں؟'' وہ حیران سا ہوا۔

''اس لیے کہ اس کا رشتہ ہو چکا ہے چاند کی چودھویں کو شادی ہے اس کی۔'' ماں بتا رہی تھی اور وہ ہوش وحواس کی دنیا سے بیگانہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔

یوں چودھویں کے چاند کی سی بیوی کا خواب اماوس کی سیاہ رات میں کہیں جا کر گم ہوگیا۔

(معلوماتی سفرنامہ)

ہرن مینار سے ٹیکسلا تک کا سفر

قرآن کریم میں لکھا ہے کہ ''ملکوں کی سیر کرو' پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت پکڑو' ان کے عروج و زوال کے حالات کا کھوج لگاؤ' خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو' جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں.....

شاہین رضوی

آخری آسمانی کتاب علم و حکمت والے صحیفے قرآن کریم میں لکھا ہے کہ ''ملکوں کی سیر کرو' پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت پکڑو' ان کے عروج و زوال کے حالات کا کھوج لگاؤ' خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو' جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔''

میں سفرنامے بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور ان مسافروں کے ساتھ طائر فکر کی اونچی اڑان جو بے تخیل و تصورات کو مہمیز کرتی ہے۔

مجھے زمانہ حال سے زمانہ ماضی بعید تک لیکر جاتی ہے' میری فکر کو تازگی گیرائی اور گہرائی عطا کرتی ہے۔ قدیم وقتوں میں بنائے گیے فن تعمیر کے شاہکار گئے وقتوں کے عظیم لوگ جو کاشتکاری' سازی' اھن سازی' کاغذ سازی' مجسمہ سازی' کشتی سازی' جہاز سازی میں بہت ماہر تھے۔

مجھے قدیم تاریخی عمارتیں بہت حیران کرتی ہیں۔ ان کے آثار آج بھی دنیا کو تحیر میں مبتلا کرتی ہیں۔

40 سال بعد' جب پاکستان مستقل طور پر واپس آئی تو ترجیحات میں پاکستان کے تمام بڑے شہروں اور اہم تاریخی مقامات کی سیر شامل تھی

اپنے عزیز دستوں ڈاکٹر نگہت نسیم اور لندن سے تشریف لائے میرے استاد محترم جناب صفدر ہمدانی صاحب اور بہترین سفری رفیق، کی ہمراہی میں ہم لاہور سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہرن مینار کو دیکھنے گئے۔

ہم بے کتابوں میں ہرن مینار کے بارے میں پڑھا، تھا کہ یہ مینار 1619ء میں جہانگیر بادشاہ نے شکارگاہ کے طور پر بنای تھی اور جہانگیر کے بہت عزیز ہرن منسا راج کی یاد میں تعمیر کیا گیا۔ شیخوپورہ کی وجہ شہرت ہرن مینار اور اپنے وقتوں کی بہت نامور شخصیات گرونانک اور وارث شاہ کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہے۔ 1766ء میں وارث شاہ نے ہیر لکھی' تھوڑی سی معلومات کا

دفتر سمیٹ کر ہم لاہور سے تقریباً چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہرن مینار پہنچے۔ ہماری خاص درخواست پر ہرن مینار کی مرکزی عمارت کو کھلوایا گیا تھا، ورنہ وہ اب عوام الناس کے لیے بند کر دیا ہے ہرن مینار کے نیچے بنی جھیل میں کشتی چلتی ہیں اور بچے اور خواتین کشتی پر بیٹھ کر جھیل کی سیر کرتے ہیں۔

ہرن مینار دراصل ایک بہت بڑے سرسبز و شاداب تین منزلہ شکارگاہ اور سیرگاہ پر مشتمل

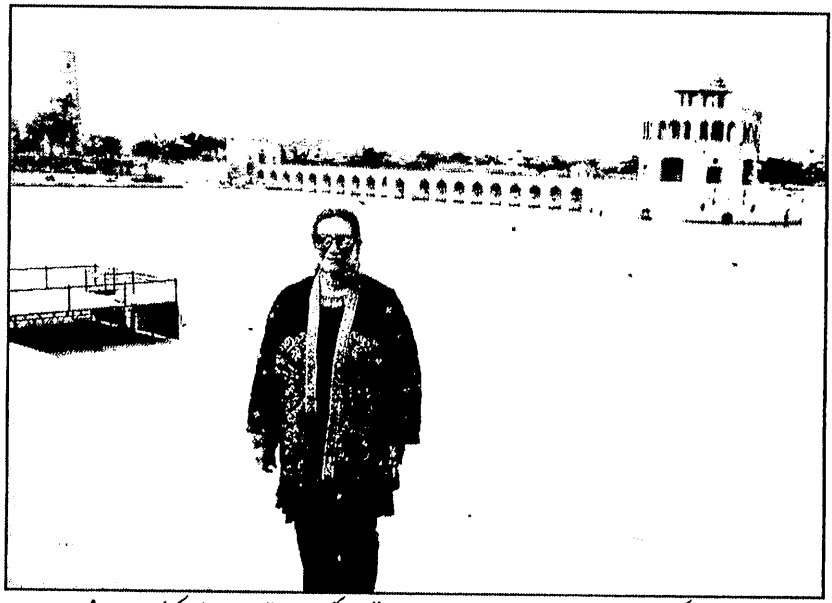

ہے۔ ہرن مینار کی 99 سیڑھیاں ہیں جب ہم سیڑھیاں طے کر کے بلندی پر پہنچے تو انتہائی خوب صورت اور دلکش مناظر دیکھنے کو ملے۔

آنکھوں کے سامنے وسیع و عریض سرسبز کھیت جگہ جگہ لگے اشجار دیکھ کر آنکھوں کو تازگی اور فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ جب ہم اس تین سو سال پرانی یادگار سے باہر آ رہے تھے تو دل میں اس بادشاہ کے لیے بہت عقیدت محسوس کی جس، نے اپنے بہت عزیز پالتو ہرن کی یاد میں یہ بہت مضبوط اور بہت خوبصورت یادگار قائم کر کے محبت کی ایک مثال قائم کی تھی ورنہ

برصغیر کے بادشاہ تو صرف اپنے محبوب کے مرنے پر یادگار قائم کرتے تھے۔

پرانی کہانی پڑھتے ہوئے خیال آتا ہے کبھی بادشاہ بہت ظالم اور کبھی بادشاہ بہت رحم دل ہوتے تھے۔ رعایا کا خیال اور خطر گیری رکھتے تھے۔ سنتے ہیں شاہی درباروں میں ایک وزیر باتدبیر بھی ہوتا تھا جو بادشاہ کو بہترین مشورے دیتا تھا۔ کاش ہمارے حکمرانوں کو بھی کوئی وزیر باتدبیر میسر ہوتا' جو غریب عوام کے مسائل اور مشکلات سے بادشاہ سلامت کو آگاہ کرتا رہتا اور شہروں کو پانی سے ڈوبنے سے محفوظ رکھنے کی تدبیر بتاتا' ہم اسی سوچ میں مبتلا اب ٹیکسلا کی جانب رواں دواں تھے۔

ٹکشاشلا یعنی ٹیکسلا ایک قدیم شہر کی داستان

پاکستان میں سیر و سیاحت کے لیے بہت سارے مشہور و معروف بہت پر فضا خوبصورت مقامات ہیں' فلک بوس برف پوش پہاڑی سلسلے.....ان کی خوبصورتی اور دلکشی دیکھ کر انسان فطرت کے ان حسین مناظر کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے۔

صحرا ہیں' سمندر ہیں' سرسبز شاداب جنگلات ہیں' عجائبات عالم ہیں' قدیم عمارات ہیں' مذہبی مقامات ہیں' مشہور عالم شہر ہیں۔

عموماً لوگ گرمیوں میں سیر و تفریح کے پروگرام بناتے ہیں' مراعات یافتہ طبقہ عموماً ہوائی جہاز سے سفر کرتا ہے۔ مجھے ہمیشہ سے ریل گاڑی سے سفر کرنا اچھا لگتا ہے۔ میں طویل سفر میں بہت کم سوتی ہوں۔ برق رفتار ٹرین میں تیزی سے گزرتے منظروں کو دیکھنا بھی مجھے بچوں جیسی خوشی سے ہمکنار کرتا ہے' اگرچہ پاکستان میں ریلوے کا نظام بھی دیگر نظاموں کی طرح درست نہیں ہے۔ اکثر اوقات ریل گاڑی گھنٹوں کی تاخیر سے چلتی ہے مگر ہم تو ہر مشکل اور مشقت کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو کر سفر کی نیت کرتے ہیں۔ عجائبات اور خاص طور پر میوزیم دیکھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔

قدیم زمانے کے انسانوں نے کتنی ترقی کی تھی۔ کیسے کیسے خوب صورت عجائبات تعمیر کیے۔ پاکستان میں موہنجوڈارو' ہڑپہ' مکلی کا قبرستان' سوات' کراچی' عمرکوٹ تھرپارکر' لاہور کا' قلعہ دیکھنے کے بعد ہم نے ٹیکسلا جانے کا پروگرام بنایا۔ دیگر اسفار کی طرح اس سفر میں بھی ہمارے ساتھ ہمارے بہت عزیز دونوں دوست ہمارے ساتھ تھے یا یوں کہہ لیں کہ ہم ان کے ساتھ تھے۔ ٹیکسلا میں میری اور ڈاکٹر نگہت نسیم کی کتابوں کی رسم اجرا کی تقریب تھی۔

ہم اسلام آباد سے ٹیکسلا کے لیے روانہ ہوئے راستہ بہت خوشگوار تھا پھر دوسروں کی ہمراہی میں سفر ویسے بھی بہت راحت و مسرت کا باعث بن جاتا ہے' ٹیکسلا گندھارہ تہذیب کا صدر مقام تھا' ٹیکسلا کی تاریخ اور وجہ شہرت یہ بھی ہے وہاں گوتم بدھ کی راکھ دفن ہے۔ یہ قدیم شہر کسی زمانے میں ایک بہت بڑا روحانی مرکز بھی رہا ہے۔ ہم نے ٹیکسلا میوزیم میں اس قدیمی دور کے

ظروف، سکے، زیورات، مجسمہ اور کھدائی میں برآمد ہونے والی اشیاء کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔ میوزیم میں فوٹو گرافی منع تھی اس لیے ہم گائیڈ کی اجازت سے صرف ایک آدھ تصاویر ہی بنا سکے۔ عموماً میوزیم میں جا کر ایسا لگتا ہے کہ ہم کسی اور زمانے میں آ گئے ہیں۔

وہاں گزرے وقتوں کی نشانی ہوتی ہے وہاں رکھے نوادرات میں گذرے وقتوں کی تہذیب ثقافت انسانی محنت اور مہارت کی یادگاریں ہوتی ہیں۔ پہلے قدیمی ادوار میں شہر بسانے کے لیے باقاعدہ تعمیری نقشے بنائے جاتے تھے۔

شہر میں مندر، خانقاہ بلندی پر بنائے جاتے تھے اور مسافروں طالب علموں کا خصوصی خیال رکھا جاتا تھا آج بھی ٹیکسلا کے عالی شان کھنڈرات کو دیکھنے دور دور سے بدھ مت کے ماننے والے آتے ہیں یہاں عجیب سا سکون اور سناٹا ہے۔

ایک بہت قدیم اور بوڑھے درخت کے پاس ایک نئے دور کا مقامی ہنرمند مورتی بنا کر بیچ رہا تھا کیونکہ یہ شہر اس لیے بھی بہت شہرت رکھتا ہے کہ بدھا نے اس شہر کو عبادت کے لیے منتخب کیا تھا ابھی بھی ٹیکسلا میں عجائب گھر اور اس سے ملحق قدیمی کھنڈرات ہزاروں افراد کے لیے باعث تجسس ہیں۔ جس منظم طریقے سے اس شہر کو بسایا گیا تھا، جہاں دور دور سے بدھ مت کے لوگ آتے تھے، یہ لوگ جین مت کی طرح خاموشی کو پسند کرتے تھے۔

میں نے ان کھنڈرات کے اندر بسا ایک زندہ اور آباد شہر دیکھا میں نے اس کھنڈرات میں موجود بہت قدیم درختوں سے اور دیواروں سے وہ کہانی سنی جس کے لیے میں نے اتنا طویل سفر کیا تھا

اپنے کھنڈرات سے آباد شہر لگتا ہے
کیسا ویرانہ ہے مجھ کو تو یہ گھر لگتا ہے
خاک دہلیز کی قدموں سے لپٹ جاتی ہے
بند دروازوں سے اکثر مجھے ڈر لگتا ہے

اسی شام کو ٹیکسلا یونیورسٹی کے ہال میں پڑھ رہی تھی اور اگلے سفر کی تیاری بھی مقصد ملتان کا سفر.....

❑❑.....❁.....❑❑

1250/=
Monthly Dosheeza
88-C II
021-35893121 - 35893122 P.O Box # 3129 P.E.C.H.S Karachi-75400.

روشن راستے

منزہ سہام

''سعید صاحب کتنے دن ہو گئے ہیں ثمرہ نے ہمارے ساتھ بیٹھ کر نہ تو کھانا کھایا ہے نہ ہی کوئی بات کی ہے۔'' مسز سعید نے افسردگی سے شوہر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ سعید صاحب نے کافی کا کپ میز پر رکھتے ہوئے پُرسوچ نظروں سے بیوی کی جانب دیکھا اور اٹھ کر ان کے برابر آ کر بیٹھ گئے۔

''ریحانہ اس کو کچھ وقت دو وہ بہت بڑے شاک سے گزری ہے 3 سال کی منگنی کا یوں اچانک ختم ہو جانا معمولی بات نہیں...... بس تم ہمت رکھو اور اس کو بھی ہمت دلاؤ' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ متانت سے بولے۔

''ہوں......'' ریحانہ نے ایک لمبی سرد آہ بھری۔

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر مجھ سے بیٹی کا دکھ برداشت نہیں ہو رہا اور پھر وہ بات بھی تو نہیں کر رہی۔''

''بات بھی کرے گی لیکن ابھی وہ جیسے ہے ویسے ہی رہنے دو۔'' سعید صاحب نے بیوی کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

ثمرہ ریحانہ اور سعید کی اکلوتی بیٹی تھی اور حد سے زیادہ لاڈلی...... پروفیشن کے اعتبار سے بینکر تھی۔ 3 سال قبل اس کی منگنی اس کی پسند سے اس کے کولیگ فیصل سے طے پائی تھی۔ دونوں خاندان خوش تھے جلد شادی کی تیاری شروع ہونے والی تھیں کہ اچانک فیصل بنا کچھ بتائے U.S.A چلا گیا اور وہاں پہنچ کر بذریعہ فون ثمرہ کو بتا دیا کہ وہ اب اس کا انتظار نہ کرے کیونکہ وہ اب واپس نہیں آئے گا گرین گارڈ کے حصول کے لیے اس کو وہیں شادی بھی کرنی ہوگی۔ فیصل کے گھر والے جہاں شرمندہ تھے بیٹے کی اس حرکت پر وہاں انہیں بہت دکھ بھی تھا کہ ثمرہ جیسی اچھی لڑکی اب ان کی بہو نہیں بنے گی ثمرہ کے والدین کے لیے بھی یہ خبر کسی بم دھماکے سے کم نہ تھی لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کے لیے مسئلہ ثمرہ کی خاموشی تھی۔ جاب سے اس نے ریزائن

کر دیا تھا اور سارا سارا دن کمرے میں بند رہتی کھانا تو پہلے بھی کم کھاتی تھی مگر اب تو سارا دن کافی کے مگ اور ایک سلائس یا دو بسکٹ پر گزارا ہو رہا تھا۔ ریحانہ نے کئی بار بیٹی سے اس کے دل کا حال جاننے کی کوشش کی مگر وہ کسی بھی موضوع پر ماں باپ سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سارے گھر میں مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ سعید صاحب صبح اپنے آفس چلے جاتے اور رات 9 بجے واپس آتے۔ ثمرہ اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی یوں ریحانہ پورے گھر میں بولائی بولائی پھرتیں۔

''صوفیہ مجھے چائے کا ایک کپ دے دو اور پھر کچن کی اچھی طرح صفائی کر لو۔'' ریحانہ نے لاؤنج سے ملازمہ کو آواز دے کر کہا۔

صوفیہ نے کچھ دیر بعد چائے کا کپ اور اخبار میز پر رکھا اور جیسے ہی پلٹی اس کے چہرے پر خوشگوار حیرت در آئی۔

''ثمرہ باجی آپ کے لیے بھی چائے بنا دوں؟'' صوفیہ کی آواز پر ریحانہ نے پلٹ کر دیکھا تو ثمرہ دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دباتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی۔

''کیا ہوا ثمرہ سر میں درد ہے؟'' ریحانہ نے پیار سے ثمرہ کا ہاتھ تھام کر اس کو اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''امی سر پھٹا جا رہا ہے درد اتنا شدید ہے کہ مجھے کچھ نظر بھی نہیں آ رہا۔''

''صوفیہ جاؤ میرے کمرے سے ڈابر آملہ ہیئر آئل کی بوتل لے آؤ۔'' ریحانہ نے صوفیہ کو جلدی جانے کا اشارہ کیا۔

''امی تیل نہیں لگواؤں گی۔'' ثمرہ نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ جانتی تو ہیں تیل کے چپچپے پن سے مجھے اُلجھن ہوتی ہے۔''

''بیٹی ڈابر آملہ ہیئر آئل کوئی عام تیل نہیں تم آج میری بات مان لو دیکھو کیسا آرام آئے گا۔'' اتنی دیر میں صوفیہ ڈابر آملہ ہیئر آئل کی بوتل لے آئی۔

''ثمرہ تم نیچے کشن پر بیٹھ جاؤ۔'' ریحانہ نے ثمرہ سے کہا۔ تو وہ بادل نخواستہ صوفے سے اٹھ کر منہ بسورتی نیچے کشن پر بیٹھ گئی۔ ریحانہ نے ڈابر آملہ ہیئر آئل کی بوتل کو اپنی ہتھیلی پر الٹا اور ثمرہ کے سر پر لگانا شروع کر دیا۔

''امی یہ خوشبو کس چیز کی ہے؟'' ثمرہ نے آنکھیں بند کیے کیے ماں سے پوچھا۔

''بچے یہ ڈابر آملہ ہیئر آئل کی خوشبو ہے..... دیکھنا تمہاری آدھی تکلیف تو اس خوشبو سے ہی ختم ہو جائے گی۔'' وہ مسکرائیں۔ ثمرہ کے بال بالکل خشک اور روکھے ہو رہے تھے اور بری طرح اُلجھ رہے تھے۔ ریحانہ اب ثمرہ کے سر پر باقاعدہ چمپی کر رہی تھیں اور وہ محسوس کر رہی تھیں کہ ثمرہ کے تنے ہوئے تاثرات اب ڈھیلے پڑتے جا رہے تھے۔

''تمہیں پتہ ہے ثمرہ اماں بھی ہمیشہ ڈابر آملہ ہیئر آئل ہی ہم بہنوں کے سر پر لگایا کرتی تھیں اور جیسے تمہیں اس کی خوشبو اچھی لگی مجھے بھی یہ خوشبو بے حد پسند ہے آخر اماں کی بھی تو یاد دلاتی ہے۔'' ریحانہ نے بیٹی کے بالوں کی نوکوں پر پیار سے آئل لگاتے ہوئے کہا۔

ثمرہ نے اپنے پاؤں پسار کر ان پر تکیہ رکھتے ہوئے ماں سے کہا۔

''امی صوفیہ سے کہیں مجھے کافی بنا دے۔''

ثمرہ کی آواز سن کر ہی صوفیہ کسی جن کی طرح حاضر ہوگئی۔

''جی باجی ابھی لائی.....'' کہتی وہ کچن میں گھس گئی۔

''ثمرہ کچھ کھا بھی لو بیٹے کب تک بھوکی رہوگی۔'' ماں تھیں نہ بیٹی کے دکھ پر اس سے زیادہ دکھی تھیں۔

''امی زور سے چمپی کیجیے بہت آرام مل رہا ہے۔'' ثمرہ نے ماں کی بات سنی اَن سنی کر کے کہا۔

''تمہیں پتہ ہے ثمرہ تمہارے ابو سے شادی پہلے میری بات میرے تایازاد سے طے تھی۔''

''کیا.....؟'' ثمرہ نے حیرت سے سر گھما کر ماں کو دیکھا۔

''ہاں بیٹے 6 سال ہماری بات پکی رہی پھر انہیں اپنی پڑوسن سے عشق ہوگیا اور تمہارے نانا نے میری منگنی توڑ کر تمہارے ابو سے نکاح کر دیا۔ کچھ دن میں افسردہ رہی پھر اماں کے سمجھانے پر عقل میں یہ بات آ گئی کہ جو آپ کا تھا ہی نہیں اس کے لیے کیا رونا..... اس زمانے میں میرے بھی سر میں بہت درد رہتا تھا آنکھیں جلتی رہتی تھیں۔''

''تمہاری نانی روز میرے سر پر ڈابر آملہ ہیئر آئل لگاتی تھیں میں تو اتنی اچھی چمپی کرتی نہیں جو وہ کرتی تھیں۔ بس سر درد بھی بھاگ گیا اور پھر کبھی نہیں ہوا۔'' ریحانہ کھل کر مسکرائیں۔

''امی ابو نے کبھی آپ سے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے آپ کے سر میں درد ہو۔'' ثمرہ نے ہنس کر ماں کو دیکھا اور بیٹی کو کتنے دنوں کے بعد یوں کھل کر ہنستا دیکھ کر ریحانہ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''میری جان یہ بتاؤ گھر میں ڈابر آملہ ہیئر آئل کی چمپی زیادہ کون کرواتا ہے؟''

''ابو.....'' ثمرہ نے مسکراتی نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور دونوں ماں بیٹی کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

''امی سر درد بالکل ختم ہوگیا آپ میرے لیے اچھا سا ناشتہ بنوائیں آج میں پیٹ بھر کر کھاؤں گی۔'' اور ریحانہ نے پیار سے ثمرہ کے سر پر چپت لگائی اور ڈابر آملہ ہیئر آئل کی بوتل کو چوم کر دھیرے سے کہا۔

''تمہی تو ہو میرے گھر کی خوشبوؤں کے ضامن.....''

❑❑.....❁.....❑❑

دنیا میں کس جگہ

دوشیزہ

سچی کہانیاں

کے چرچے نہیں

آپ دوشیزہ کے خریدار بن کر ملک کو

زرِ مبادلہ بھیجیے

اندرون ملک =/1250 روپے

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زرسالانہ

کویت	75امریکی ڈالرز	ایران	75امریکی ڈالرز
سعودی عرب	75امریکی ڈالرز	سری لنکا	75امریکی ڈالرز
یو اے ای	75امریکی ڈالرز	جاپان	75امریکی ڈالرز
مصر	75امریکی ڈالرز	لیبیا	75امریکی ڈالرز
یونان	75امریکی ڈالرز	ڈنمارک	75امریکی ڈالرز
فرانس	75امریکی ڈالرز	جرمنی	75امریکی ڈالرز
برطانیہ	75امریکی ڈالرز	ہالینڈ	75امریکی ڈالرز
ناروے	75امریکی ڈالرز	پولینڈ	75امریکی ڈالرز
امریکہ	85امریکی ڈالرز	کینیڈا	85امریکی ڈالرز
افریقہ	85امریکی ڈالرز	آسٹریلیا	85امریکی ڈالرز

اگر آپ پاکستانی کرنسی میں پاکستان کے کسی بینک کے ذریعے ادائیگی کرنا چاہیں تو 75امریکی ڈالر کے حساب سے مندرجہ بالا شرح کے مطابق بینک ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔ مطلوبہ رقم کا ڈرافٹ **Monthly Dosheeza** کے نام بھیجیں۔ آپ کو ایک سال تک آپ کا پسندیدہ رسالہ ہوائی ڈاک سے بذریعہ رجسٹری ملتا رہے گا۔

آج ہی رابطہ کیجیے 88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

021-35893121 - 35893122 :فون نمبر P.O Box # 3129 P.E.C.H.S Karachi-75400.

کراچی سے ارسال کردہ شوخ تحریر

وہ میری ہستی کا ساماں ہو گئے

لڑکیوں کو بہت شوق ہوتا ہے کسی بھی محبت میں مبتلا ہونے کا بالکل ایسے ہی جیسے آتی سردیاں اکثر لوگ نزلے زکام میں مبتلا ہو جاتے ہیں.....

ثمینہ مشتاق

''عظیم منزل.....'' شفیق صاحب نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پرچی سے سامنے بنی عمارت کا پتہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ملایا۔

''ہاں ہاں یہی ہے یہیں روک دو۔'' شفیق صاحب نے ٹیکسی رکوائی اور پیچھے آنے والے سامان سے بھرے ٹرک کو بھی روکنے کا اشارہ کیا۔ شفیق صاحب کی دونوں بیٹیاں صباحت اور فرحت ٹیکسی سے اتر کر زبیدہ بیگم کے ساتھ اس تین منزلہ گلابی عمارت کا تنقیدی جائزہ لینے لگیں۔

یہ عمارت مختلف حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر منزل پر دو دو کمروں کے حصے بنا کر کرائے پر اٹھا دیے گئے تھے۔ شفیق صاحب اور ان کی فیملی تیسری منزل پر دو کمروں کے کرائے دار تھے۔ ان کی مختصر سی فیملی آج اپنے نئے غریب خانے میں شفٹ ہو رہی تھی۔ ٹرک سے سامان اتار کر تیسری منزل پر پہنچایا جانے لگا۔ صباحت اور فرحت زبیدہ بیگم کے ساتھ اردگرد کا جائزہ لیتی ہوئی نئے گھر میں داخل ہوئیں۔

''کس قدر تنگ گلی ہے۔'' زبیدہ بیگم نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

''یہ عمارت تو بالکل بھی ہوا دار نہیں ہے۔'' ان کا موڈ شدید خراب تھا۔

''عجیب اجڑا چمن' بے رونق محلہ ہے۔ میں کہتی ہوں اس دو کمروں کے ڈربے میں آپ کو آخر پسند کیا آیا؟''

''تو اب تم کو آٹھ ہزار کرائے میں جنت کی ہوائیں چاہئیں۔'' شفیق صاحب 20 سال سے اس گولہ باری کے عادی ہو چکے تھے اور اب اپنا دفاع کرنا خوب جانتے تھے۔

''اُف..... یہ گرمی یہاں تو میرا دم ہی گھٹ جائے گا۔'' زبیدہ بیگم نے خود پر آنچل سے پنکھا کیا۔

''پرانا گھر ہی ٹھیک تھا کم از کم وہاں ہوا تو آتی تھی۔ مالک مکان چاہے اچھے نہ تھے نلوں میں پانی نہیں تھا گیس نہیں تھی کم بخت اوپر والی کی ساس کی گالیوں کی آوازیں بھی آتی تھیں۔ لیکن

چلو مفت کا نیٹ تو بجیاں استعمال کر ہی لیتی تھیں۔ یہاں تو میں گرمی سے ہی جل کر بھسم ہو جاؤں گی۔'' زبیدہ بیگم کی باتیں سن کر شفیق صاحب مسکرا دیے۔

''کہیں نہ کہیں تو سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ گھر شہر کے بیچ میں ہے بچیوں کا اسکول اور کالج بھی قریب ہے' تم اگر جل کر بھسم بھی ہو جاؤ تو پروا نہیں پہلے ہی جل کر کباب ہوئی رہتی ہو' میں نے آج تک کسی معاملے میں تم کو خوش ہوتے نہیں دیکھا' شکر کرو میری اس قلیل آمدنی میں سر چھپانے کا آسرا مل جاتا ہے ورنہ سامنے کھلی سڑک ہے اور ہوا بھی چاروں جانب سے خوب آ رہی ہے۔'' شفیق صاحب کے نشتر ٹھیک نشانے پر لگے اور زبیدہ بیگم نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

صباحت اور فرحت والدین کی اس نوک جھونک کی عادی تھیں وہ ہر بات سے بے نیاز گیلری میں کھڑی چہک رہی تھی اچانک صباحت کی نظر سامنے والے حصے میں کرسی پر براجمان لڑکے پر پڑی جس کی بے باک نظریں صباحت پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہونٹوں کی ہنسی غائب ہو گئی۔

''ہونہہ چھچھورا کہیں کا.....'' صباحت نے زیر لب کہا اور منہ پھیر لیا۔ فرحت ہر بات سے انجان اس کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ لیکن صباحت کا ذہن نہ چاہتے ہوئے بھی سامنے والے لڑکے کی نگاہوں میں اُلجھ گیا تھا۔

''فرحت کس قدر بدتمیز ہیں یہ سامنے والے ذرا دیکھو تو کیسے ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھے جا رہا ہے۔'' فرحت جو محو گفتگو تھی سامنے بیٹھے انجان لڑکے کو دیکھ کر بولی۔

''چھوڑ آپی پاگل لگتا ہے ہم اندر چلتے ہیں۔'' فرحت نے صباحت کا ہاتھ پکڑا اور گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ رواں ہفتہ گھر کی صفائی و ترتیب میں گزر گیا۔ صباحت اور فرحت سارا دن گھر میں ہی گزارتیں مگر زبیدہ بیگم محلے کی سُن گُن

لینے کے لیے بے تاب رہتیں خاص کر ان کے واحد پڑوسی جوان کے گھر کے بالکل سامنے والے حصے میں بحیثیت کرائے دار رہ رہے تھے۔ اُن کی نظر بھی باہر آتے جاتے کئی بار کرسی پر بیٹھے اُس لڑکے پر پڑ چکی تھی اور زبیدہ بیگم کو بھی اس لڑکے کے بارے میں شدید تشویش تھی۔

''یہ سامنے والا لڑکا کوئی کام کاج نہیں کرتا کیا اکثر باہر کرسی پر بیٹھا نظر آتا ہے۔'' زبیدہ بیگم نے برتن دھوتی صباحت سے پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ اماں.....'' صباحت نے چڑ کر کہا۔

''مجھے تو کوئی لفنگا لگتا ہے۔''

''شکل سے تو پڑھا لکھا لگتا ہے۔'' زبیدہ بیگم نے رائے دی۔

''چائے کا شوقین بھی ہے اکثر ہاتھ میں چائے کا کپ ہوتا ہے بڑا لہک لہک کر چائے پیتا ہے۔'' صباحت ان کے تبصرے سے بے زار تھی۔ وہ پھر بولیں۔

''کوئی اور دکھائی نہیں دیتا گھر کے باہر شاید بے چارہ اکیلا ہی رہتا ہے دیکھنے میں تو خوش شکل ہے نہ جانے شادی شدہ بھی ہوگا لیکن شاید بچے نہیں ہیں اور بیوی میکے گئی ہوگی' ان دو کمرے کی گرمی سے اُکتا کر بے چارہ گھر سے باہر کرسی ڈالے بیوی کی یاد میں چائے پیتا رہتا ہے۔'' زبیدہ بیگم کی باقاعدہ آنکھیں نم ہوگئیں۔ صباحت کی برداشت کی حد اب پار ہو چکی تھی۔ وہ غصے سے بولی۔

''اگر بیوی کے غم میں بیٹھا ہے تو دوسری لڑکیوں کو دیکھ کر اپنا غم غلط کیوں کر رہا ہے' جا کے بیوی کو منا کیوں نہیں لیتا۔''

''ارے ویسے ہی نظر پڑ جاتی ہوگی' ورنہ شکل سے تو شریف النفس لگتا ہے۔'' زبیدہ بیگم نے بات بدلی۔

''ہم کون ہوتے ہیں کسی کو شرافت یا بدمعاشی کا تمغہ دینے والے.....'' صباحت تولیے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''کل سے میں کالج جاؤں گی بہت ہوگئیں چھٹیاں میں نے صبح کی تیاری کر لی ہے فرحت کو بولیں وہ بھی کل سے اسکول جانے کی تیاری کرے بہت عیش ہوگئے۔'' زبیدہ بیگم نے سر ہلا کر اس کی تائید کی ان کا دماغ ابھی بھی پڑوس میں اٹکا ہوا تھا۔ اگلی صبح نہایت خوبصورت تھی رات بھر ہلکی بارش نے کراچی کا موسم خوشگوار کر دیا تھا۔ ہلکے بادل ابھی بھی آسمان پر تنے ہوئے تھے۔

''اُف کیا غضب کا موسم ہے آپی.....'' فرحت نے صباحت کے گلے میں بانہیں ڈال دیں جو آئینے کے سامنے کھڑی اپنے لمبے کالے بال سنوارنے میں مصروف تھی۔

''میرا تو دل کر رہا ہے آج بھی اسکول کی چھٹی کر کے بارش کا مزہ لوں۔ پکوڑے بنواؤں اور سامنے والے لڑکے کی طرح گھر سے باہر چائے کا کپ لے کر بیٹھی رہوں۔''

''بالکل بھی نہیں..... مجھے تو اب اس لڑکے کے ذکر سے وحشت ہونے لگی ہے۔ میں چلی کار تم شیخ چلی بنی رہو۔'' صباحت کالج بیگ کاندھے پر ڈالے گھر سے باہر نکلی تو غیر ارادی طور پر اس کی نظر سامنے والے حصے کی جانب اٹھ گئیں۔ اس بار بھی اس کی توقع کے عین مطابق وہ لڑکا سامنے موجود تھا۔ آج فرق صرف اتنا تھا کہ وہ کرسی پر بیٹھنے کے بجائے بانہیں پھیلائے بارش کی ننھی ننھی بوندوں کو انگلیوں کی پوروں میں جذب کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر دلفریب

مسکراہٹ مچل رہی تھی۔
لیکن آنکھیں..... آنکھیں صباحت پر ہی مرکوز تھیں۔
''اُف توبہ بے شرم بے حیا.....'' صباحت نے نخوت سے گردن جھٹکی اور سیڑھیاں اتر گئی۔
آج کالج میں سارا وقت اس لڑکے کی آنکھیں صباحت کے ذہن سے محو نہ ہوئیں۔ گھر آ کر بھی اس کا موڈ بلاوجہ خراب تھا۔ فرحت مزے سے اس کے سامنے پکوڑوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔
''تم آج بھی اسکول نہیں گئیں؟'' صباحت نے غصے سے پوچھا۔
''اتنے اچھے موسم میں اسکول کون جاتا میرا تو خیال ہے کہ جس دن کراچی میں بارش ہو اسکول والوں کو خود ہی تعطیل کا اعلان کر دینا چاہیے۔ میں نے تو مزے سے پکوڑے بنائے اور چائے لے کر سامنے والے لڑکے کی طرح باہر کرسی ڈالے بیٹھی رہی اور بارش سے لطف اندوز ہوئی۔''
''اُف ..... پھر وہی سامنے والا لڑکا.....''
فرحت صباحت کی بے بسی پر ہنس پڑی۔
''ارے آپی' تم کیوں اس کے پیچھے دیوانی ہو رہی ہو۔''
''تم نہیں جانتیں فرحت کتنی گہری نظروں سے دیکھتا ہے وہ مجھے قسم سے میرا تو دل ہی بیٹھ جاتا ہے۔ عجیب سی وحشت ہے اس کی نگاہوں میں۔'' صباحت نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔
''کہیں تم سے محبت تو نہیں کر بیٹھا وہ۔''
فرحت نے پکوڑوں کی پلیٹ خالی کر کے ہاتھ جھاڑے' صباحت میٹھی میٹھی آنکھوں سے اس کا منہ تکنے لگی۔
''محبت.....'' اُس نے زیرلب دہرایا۔
''اُسے کیسے ہو جائے گی محبت وہ تو مجھے جانتا ہی نہیں۔''
''بھئی اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہو سکتا ہے پہلی نظر کی محبت ہو گئی ہو اُسے تم سے۔ جب ہی تو نظریں تمہارے چہرے سے ہٹاتا نہیں ہے۔'' فرحت شرارت سے بولی۔ لیکن صباحت مزید اُلجھ گئی۔
''ہاں آج تو کم بخت مجھے دیکھ کر مسکرا بھی رہا تھا۔ ہائے اللہ کیسا بے باک ہے۔'' فرحت اس کی اُلجھن پر ہنس پڑی۔
''چلو اچھا ہے اماں کو گھر کے سامنے ہی داماد مل جائے گا زیادہ دور ڈھونڈنا نہیں پڑے گا' ویسے آپس کی بات ہے دیکھنے میں برا نہیں ہے مجھے تو اچھا خاصا پڑھا لکھا لگتا ہے۔'' صباحت کی زبان کو تالے لگے ہوئے تھے اور دماغ میں گھنٹیاں بج رہی تھیں فرحت اسے ایسے ہی گم صم چھوڑ کر چائے بنانے چلی گئی۔ رات بھر صباحت اس لڑکے کے بارے میں سوچتی رہی جب وہ صبح کالج جانے کے لیے نکلی تو اس لڑکے کو اپنا منتظر پایا وہ آنکھیں اس کے وجود کا طواف کر رہی تھیں اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی اس لڑکے نے بنا پلکیں جھپکائے چائے کی چسکی لی اور صباحت پر نظریں گاڑھے کھڑا رہا صباحت کے پاؤں برف ہو گئے ایسا لگ رہا تھا اس کی نظروں نے اسے سر سے پاؤں تک جکڑ لیا ہو۔ صباحت کا گلہ خشک ہونے لگا۔
''آخر یہ چاہتا کیا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔ صباحت کی نگاہیں اس لڑکے کی نظروں میں جذب ہو گئیں تھیں۔ اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔ اس نے تیزی سے گھر کا دروازہ کھولا اور اندر گھس گئی۔ اب تو اسے باہر نکلتے ہوئے بھی خوف آنے لگا تھا۔ اگلی صبح اس کی خاص کلاس تھی۔ کالج جانا ضروری تھا۔ وہ بوجھل دل سے

تیار ہوئی اور دل میں عہد کیا آج وہ ایک بار بھی نظر اٹھا کر اسے نہیں دیکھے گی۔ لیکن جیسے ہی وہ گھر سے باہر نکلی اس نے مذکورہ نگاہوں کو مجسم انتظار پایا۔ صباحت کے لیے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ ان نظروں کو نظر انداز کیا جا سکے۔

''میرے خدا.....! کتنا مستقل مزاج ہے لفنگا' کتنا بولتی ہیں اس کی نگاہیں' توبہ ہے ایکسرے مشین فٹ ہے۔ ہر بات آنکھوں سے کہہ دیتا ہے یہ لڑکا اُس کو تو ہونٹ ہلانے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔'' وہ پگھلنے لگی۔ آج اس لڑکے کی مسکراہٹ کے جواب میں صباحت کے ہونٹ بھی کھل اٹھے دل نے ہار مان لی۔ دماغ نے اس لڑکے کی فتح قبول کر لی اور وہ مسکراتی ہوئی کالج کے لیے سیڑھیاں اتر گئی۔ اب یہ روز کا معمول تھا جب تک دونوں کی نظریں چار نہ ہوتیں۔

صباحت کو چین نہ آتا اور ایسا ہی معاملہ کچھ دوسری جانب بھی لگتا تھا کیونکہ صبح و شام اس لڑکے کی نظریں صباحت کے گھر کا طواف کیا کرتیں۔ اب تو صباحت نے اشارے سے اسے سلام کرنا بھی شروع کر دیا تھا۔ وہ لڑکا مسکراتا رہتا ہاتھ میں چائے کا کپ اور کانوں میں ہینڈ فری لگی ہوتی۔ ہونٹوں پر محبت کے نغمے بکھیرتا وہ لڑکا اپنی آواز کا جادو جگایا کرتا۔ یہ نغمے صباحت کی سماعتوں میں رس گھولتے اور یہ انوکھا پیغام محبت اسے نہال کیے رکھتا۔ آج کالج سے واپسی پر اس نے چند خواتین کو اپنا منتظر پایا۔

''جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔'' زبیدہ بیگم نے اس کے کان میں سرگوشی کی اپنے کمرے میں آنے کے بعد فرحت نے صباحت پر انکشاف کیا کہ یہ خواتین صباحت کے رشتے کے سلسلے میں آئی ہیں فرحت کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں اس لڑکے کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس نے ڈرائنگ روم پریڈ سے صاف انکار کر دیا۔ گھر میں صباحت کا واویلا سن کر رشتے دار خواتین چائے اور بسکٹ کھا کر رخصت ہو گئیں۔ زبیدہ بیگم نے سر پیٹ لیا۔

''ارے اگر وہ شادی شدہ ہوا تو کیا اس کی طلاق کروائیں گے؟ کیا جانتی ہو اس کے بارے میں نام تک تو معلوم نہیں ہے بے غیرت کا۔''

''لو جی.....اب وہ بے غیرت ہو گیا کل تک تو شریف النفس تھا۔'' صباحت چڑ کر بولی۔

''مسکرا مسکرا کر میری بچی پھنسالی تو کیا اسے تمغہ شجاعت سے نوازوں۔ نہ جانے کیسے لوگ ہیں کبھی ہم ان سے ملے بھی نہیں' آگ لگے اس کلموئی محبت کو چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔''

''میں کہوں گی اس سے کہ وہ رشتہ بھیجے اب یہ پاگلوں کی طرح مسکرانا بند کر دے' یہ تو میں جانتی ہوں جیسے وہ مجھے تاڑتا ہے میرے لیے کچھ بھی کر گزرے گا' وہ مجھے دل و جان سے چاہنے لگا ہے۔'' صباحت کی باتیں سن کر زبیدہ بیگم کے ہوش اڑ گئے بیٹی کے لچھن دیکھ کر وہ بولیں۔

''ہم کل ان کے گھر چلتے ہیں مناسب لوگ ہوئے تو تمہارے باپ سے بات کروں گی۔ اب تمہاری آواز گھر سے باہر نہ جائے۔'' انہوں نے صباحت کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

اگلی صبح کالج جاتے ہوئے صباحت نے ایک رقعہ اس لڑکے کی جانب اچھال دیا جس میں اس نے لکھ دیا تھا۔

''اپنی امی سے اس کے بارے میں بات

کرلے آج زبیدہ بیگم اس کے گھر آئیں گی۔''
صباحت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خط پڑھنے کو کہا اور کالج چلی گئی۔

شام میں صباحت بڑی چاہ سے تیار ہوئی لمبے بال سلیقے سے سنوارے سر پر دوپٹہ لیا اور زبیدہ بیگم کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی لڑکا اپنے گھر کے باہر منتظر تھا۔ لڑکے نے مسکرا کر زبیدہ بیگم کو دیکھا۔

''توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے آج کل کے لڑکے لڑکیوں کی آنکھوں سے شرم و غیرت تو بالکل ہی رخصت ہوگئی ہے۔ کم بخت کو میرا بھی لحاظ نہیں کیسے دیدے پھاڑے کھڑا مسکرا رہا ہے۔'' زبیدہ بیگم نے سخت ناگواری کا اظہار کیا اور منہ بنا کر لڑکے سے پوچھا۔

''امی گھر پر ہیں؟'' لڑکا اس سوال پر اٹھ کھڑا ہوا۔

''جی آپ کون؟'' اس نے دھوپ کا چشمہ آنکھوں پر چڑھالیا۔

''بھئی ہم تمہارے سامنے والے پڑوسی ہیں اور کون..... کتنی بار تو دیکھا ہے تم نے ہمیں.....'' زبیدہ بیگم نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ صباحت مسکرادی۔

''اچھا مذاق کرلیتے ہو..... شریر کہیں کے.....'' اس نے دل میں سوچا۔

''میرے سامنے کالا چشمہ لگا کر اسٹائل مار رہے ہو اس کی کیا ضرورت ہے تم تو ویسے ہی مجھے پسند ہو۔''

''جی..... بالکل امی گھر پر ہی ہوتی ہیں۔'' اس لڑکے نے ہاتھ بڑھا کر گھر کا دروازہ کھول دیا اور گھر میں داخل ہوکر امی کو پکارنے لگا۔ اندر کمرے سے ایک نفیس خاتون برآمد ہوئیں۔

''جی فرمائیں.....'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے زبیدہ بیگم اور صباحت کو دیکھا۔

''ہم آپ کے پڑوسی ہیں..... ابھی چند دن ہوئے سامنے شفٹ ہوئے ہیں سوچا آج آپ سے مل آئیں میرا نام زبیدہ ہے۔'' زبیدہ بیگم نے اپنا تعارف کروایا۔

''جی بہت خوشی ہوئی میرا نام مریم ہے۔ آپ تشریف لائیں۔'' اس لڑکے کی والدہ نے خوش دلی کا اظہار کیا اور زبیدہ بیگم صباحت کے ساتھ قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

''معاف کیجیے گا جب سے میرے جمال کی بینائی گئی ہے۔ میں کہیں آتی جاتی نہیں ہوں۔''

''جمال کون؟'' زبیدہ بیگم نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''جمال یہی میرا بیٹا جو باہر کرسی پر بیٹھا ہے۔ نابینا ہے۔ گھر میں بس ہم دو ماں بیٹا ہی ہوتے ہیں۔ مجھے اس کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہے۔ آپ تو سمجھ سکتی ہیں بے چارہ خود بھی کہیں نہیں جاتا اب تو اس کا واحد شغل گھر سے باہر بیٹھنا ہی رہ گیا ہے۔''

زبیدہ بیگم حیرت سے مریم کا منہ تک رہی تھیں اور صباحت کی سماعتوں میں دھماکے ہو رہے تھے۔ 'نابینا' کا لفظ بھوت بن کر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ یعنی وہ مجھے نہیں دیکھتا تھا اس کی شکل رونے والی ہوگئی۔ وہ تو دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کے دماغ نے کام کرنا بند کردیا۔ مریم زبیدہ بیگم کو کیا داستانِ غم سنا رہی تھیں اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ وہ تو یک ٹک باہر بیٹھے جمال کو دیکھ رہی تھی۔ جو ابھی بھی کانوں میں ہینڈ فری لگائے محبت کے نغمے ہونٹوں پر بکھیر رہا تھا۔ اب صباحت کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ دونوں میں سے نابینا کون تھا؟

□□.....❁.....□□

گجرانوالہ سے بھیجی گئی چلبلی تحریر

بڑ بولے میاں

بڑ کیاں مارنے والوں کے لیے سبق آموز کہانی

افتخار چوہدری

فتح خان کی پُلی والے ..... فتح خان کی پُلی والے میرے ڈوبتے ابھرتے ذہن میں نجانے کیوں ایک دم سے سرائیکی زبان میں فتح خان کی پُلی والے جملے کی مسلسل گردان ہونے لگی تھی' حالانکہ سرائیکی نہ تو میری مادری زبان تھی اور نہ ہی علاقائی۔ لیکن پھر بھی یہ سرائیکی لب و لہجے کا جملہ کسی خودکش بمبار کی طرح میرے ذہن کے دریچے میں زبردستی گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں نے اس فضول سے جملے کو ذہن سے جھٹک کر دور پھینکا اور پہلو بدل کر ایک بار پھر نیند کے تیسرے درجے میں جانے کی کوشش کرنے لگا

'میں نے سن رکھا تھا کہ اس درجے میں جنت خوبصورت باغیچہ اور اس میں اٹھکیلیاں کرتی پھر پریاں نظر آتی ہیں اب بندے نے سونا تو ہوتا ہے اگر وہ تھوڑی سی کوشش کر کے تیسرے در تک پہنچ جائے جہاں سے یہ نظارے دیکھنے کو ملیں ہوں تو کیا مضائقہ ہے یہ تو ایک ٹکٹ میں ڈبل مزے جیسا ہے۔

میری تیسرے درجے تک پہنچنے کی مخلص کوشش ثمر آور ثابت ہو رہی تھی۔ اس وقت مجھے ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کسی اڑن طشتری میں سوار ہوں اور وہ روشنی کی رفتار سے سیدھا جنت

طرف جارہی ہے' اڑن طشتری کے ہلکے ہلکے ہلکورے مجھ پر کیف وسُرور کی سی کیفیت وارد کیے ہوئے تھے اب مجھے یقین ہو چلا تھا کہ آج میری برسوں پرانی من کی مراد پوری ہونے والی ہے یہ سواری مجھے لیجا کر سیدھا اسی باغیچے میں لینڈ کرے گی اور وہاں حسین ترین پریاں پھولوں کے ہار میرے گلے میں ڈال کر استقبال کریں گی۔

ابھی اڑن طشتری جنت سے کچھ ادھر ہی تھی کہ ایک بار پھر فتح خان کی پُلی والا منحوس جملہ میرے کانوں کے پردے پھاڑتا ہوا اندر گھس آیا 'اور میرا پریاں دیکھنے کا خواب' خیال ہی رہ گیا 'زبردستی اندر گھس آنے والا یہ جملہ اس بار مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگا' تو میری آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئی۔

میں کسی اڑن طشتری کی بجائے ایک کھٹارا لاری کی تنگ سی سیٹ پر گھٹنے دوہرے کیے اونگھ رہا تھا' یہ لمبوترے منہ والی لاری دہائیوں پہلے ٹرک رہا ہوگا جس کے پیچھے' پہاڑوں کا شہزادہ' جیسی کوئی تحریر بھی یقیناً لکھی گئی ہوگی۔

مگر اب اس کے مالکوں نے ڈبل فائدہ اٹھانے کے لیے کسی ماہر کاریگر سے اس کی باڈی کٹوا کر اندر چھوٹے سائز کی کرسیاں نصب کروالی تھی جس پر میرے جیسے جوان کو ٹانگیں دوہری کر کے بیٹھنا پڑتا تھا' ٹرک سے لاری والی اس جنس کی تبدیلی کو مستند بنانے کے لیے ونڈ سکرین پر' گلگت کی شہزادی پنجاب کی گود میں' لکھ دیا گیا تھا' تاکہ سند رہے۔

یہ لمبوترے منہ والی شہزادی اس وقت سرگودھا شہر سے فرو کہ جانے والے زوڈ پر اپنی مستانی چال سے رواں دواں تھی۔ اس چھکڑا نما لاری کی چھت پر سبزی منڈی سے سبزیاں اور پھلوں کے کریٹ لوڈ کیے گئے تھے جبکہ لاری کے اندر دو حصے بنائے گے تھے آگے والا حصہ اشرف المخلوق کے لیے مختص تھا جہاں مجھ شہری بابو کے علاوہ باقی تمام سواریاں روائتی قسم کے پینڈو لوگ تھے' جن میں عورت مرد کی تخصیص کیے بغیر سب دھوتی اور تریزوں والے کُرتوں میں ملبوس تھے' البتہ مردوں کے سروں پر بڑی پگڑیاں ایک جیسی تھی۔

خواتین کا دھوتی جیسے فری لباس میں ملبوس ہونا مجھ جیسے شہری بابو کو کن اکھیوں سے دیکھنے پر مجبور کرنے کے لیے کافی تھا لاری کے پچھلے حصے میں مختلف اقسام کی بھیڑ بکریاں ٹھونسی گئی تھی ان کی مشک اور پیشاب کی بدبو نے فضا کو مکدر کیا ہوا تھا رہی سہی کسر ان کی بھدی آوازیں پوری کر رہی تھی۔

میں نے آنکھیں ملتے ہوئے کھڑکی سے باہر کا جائزہ لیا تو مجھے میری منزل فتح خان کی پُلی پیچھے گزرتی ہوئی نظر آئی۔

روکو.....روکو.....روکو'' میں سیٹ سے اٹھتا ہوا حلق کے بل چیخا تو ڈرائیور نے گھبرا کر اپنا گُرز جیسا بھاری پاؤں بریک پیڈل پر دے مارا' اچانک لگنے والی بریک کا جھٹکا اتنا زوردار تھا کہ میں دو رویہ سیٹوں کے درمیان قلابازیاں کھاتا ہوا دروازے کے عین سامنے کسی بے بس پنچھی کی طرح جا گرا۔

جانگلی انسان یہ کیا بدتمیزی ہے تمہیں ڈرائیور کی سیٹ پر کس اُلو کے پٹھے نے بٹھایا ہے' میں نے غصے سے دھاڑتے ہوئے گردن کو سہلایا' منکا ٹوٹنے سے بال بال بچا تھا۔

پانگلی انسان یہ ٹائم کی لاری ہے تمہارے باپ کا بیڈ روم نہیں ہے کہ جب تک چاہو گے منہ کھول کر خراٹے مارتے رہو گے' میں کب سے فتح

خان کی پگلی والے مسافروں کو آوازیں دے رہا ہوں تم کیا افیم کھا کر سو رہے تھے' ڈرائیور کی بجائے کنڈکٹر نے سرائیکی زبان اور درشت لہجے میں جواب دیا۔

ہائیں ..... یہ پانگلی کیا ہوتا ہے میں نے اپنی تکلیف بھول کر حیرانی سے پوچھا۔

کیونکہ ایم' سی' ایس کا سٹوڈنٹ ہونے کو باوجود میں اس لفظ سے نا صرف ناآشنا تھا بلکہ سن ہی زندگی میں پہلی بار رہا تھا۔

جانگلی کے سالے کو کہتے ہیں' چلو اترو نیچے ورنہ لات مار کر باہر پھینک دوں گا' اس ڈونگی راجہ نے صرف زبان سے ہی دھمکی نہیں دی' بلکہ مجھے مارنے کے لیے ایک ٹانگ بھی فضا میں بلند کر لی اس سے پہلے کہ اس کی ٹانگ میرا مزاج پوچھتی میں نے یہ جنگ پھر کسی مناسب وقت پر لڑنے کے خیال سے اسے ایک موٹی سی گالی سے نوازتے ہوئے خود ہی باہر چھلانگ لگا دی۔ اسی لمحے ڈرائیور نے گیئر بدل کر ریس دبائی تو لاری جنگ عظیم دوئم کے فوکر کی طرح دھواں اگل کر آگے بڑھ گئی۔

لاری سے سڑک پر چھلانگ لگانے جیسے ایڈونچر کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور ایک بار پھر میری قلابازیاں لگ گئی' تھوڑی سی دیر میں دو مرتبہ جمناسٹک کا مظاہرہ کرنے سے میرے جسمانی ڈھانچے کی تمام ہڈیاں تکلیف سے جھنجھنا اٹھی تھیں' تارکول کے بغیر محض پتھروں اور گراک سے سیدھی کی گئی سڑک نے میرے بازوں اور گھٹنے چھیل کر رکھ دیے تھے' سڑک بنانے کے لیے حکومتِ وقت نے جو پوری گرانٹ جاری کی ہوگی مگر منسٹر اور ٹھیکیدار کی ملی بھگت نے اس وقت سڑک کو کسی بیوہ کی اجڑی ہوئی مانگ جیسا بنا رکھا تھا۔

ان کٹی پٹی سڑکوں پر سفر کرنے والی عوام کا تو مقدر ہی دھول اور مٹی سے لکھا ہوتا ہے' اسی دھول میں پیدا ہوتے ہیں اور بغیر کسی احتجاج کے اسی میں رُل کر مر جاتے ہیں۔

سڑک سے اٹھنے کے بعد میں ابھی اپنے بازوں پر آئی خراشوں کا معائنہ کرنے ہی والا تھا کہ لاری تھوڑی دور جا کر رک گئی' اسے رکتے دیکھ کر میرے اندر اندیشوں نے سر اٹھا لیا' کہیں میری بکی ہوئی گالی نے ان جانگلیوں کی سوئی ہوئی غیرت کو جگا کر ایموشنل تو نہیں کر دیا' وہ اب لاری سے نکلیں گے اور مجھ سے بدلہ لیں گے۔

بھاگ ..... شہزاد ..... بھاگ میرے اندر کے دفاعی نظام نے خطرہ محسوس کر کے گھنٹی بجانے کے ساتھ مجھے بھاگ جانے کا مفت مشورہ بھی دے دیا' اس سے پہلے کہ میں اپنے انجن کو چوتھے گیئر میں ڈال کر بھاگتا' لاری میں سے میرا بیگ باہر اچھالا گیا اور پھر کنڈیکٹر نے سر باہر نکال کر مجھے ایک گندا اشارہ کیا اور لاری ایک بار پھر دھوئیں اور دُھول کے بادل اڑاتی اس میں گم ہوگئی۔

اوہ میرے خُدا میں اتنا اہم بیگ بھول کیسے گیا' اس بیگ میں میرے کپڑوں کے علاوہ کچھ قیمتی ترین چیزیں موجود تھی' اگر لاری کا کنڈیکٹر میری بدتمیزی کو نظر انداز کر کے میرا بیگ واپس نہ دیتا تو میرے لیے بہت مسئلہ بن سکتا تھا' میں نے بیگ چیک کیا تو تمام چیزیں موجود تھی میں سکون کا ایک گہرا سانس لیکر رہ گیا۔

تھینک یو' لاری والے بھیا' میں نے اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر کنڈیکٹر کا شکریہ ادا کرنا مناسب سمجھا' کیونکہ مجھے اب اپنے رویئے پر شرمندگی ہو رہی تھی۔

میں نے بیگ کو کندھے پر لٹکایا' اور آہستہ روی سے واپس فتح خان کی پلی کی طرف چل دیا۔
لاہور سے سرگودھا تک کا سفر تو ٹھیک رہا تھا' مگر اس اگلے لوکل سفر نے تو میری مت مار کے رکھ دی تھی' میں اس وقت کو کوسنے لگا' جب میں نے یہاں آنے کی ہامی بھری تھی۔
فتح خان کی پلی پر پہنچ کر میں نے اطراف کا جائزہ لیا حد نگاہ تک کوئی بندہ بشر نظر نہیں آ رہا تھا 'ہر طرف سرسبز دھان کی فصل لگی ہوئی تھی' یہ ایک چھوٹی سی نہر تھی' جس پر انگریز' دور کا پل بنا ہوا تھا ' جو اس علاقے کے ایک وڈیرے کے نام سے منسوب تھا۔

یہاں کے لوگ اس اچھے خاصے پل کو 'پلی کیوں کہتے تھے' یہ بات میری سمجھ سے باہر تھی' پلی سے شمال کی جانب پندرہ کلومیٹر دور سکندری نامی گاؤں تھا اس نام کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی تھی کہ سکندر اعظم کے لشکر نے اس علاقے سے گزرتے ہوئے چند دن یہاں قیام کیا تھا' اس گاؤں میں میرے تایا کاظم چچا اسلم اور پھوپھو شریفن کے علاوہ کافی رشتے دار رہتے تھے میرے یہاں آنے کی وجہ پھوپھو شریفن کی بڑی بیٹی غزالہ کی شادی میں شرکت کرنا تھا۔
ابو سرکاری دورے پر چائنہ گئے ہوئے تھے جبکہ امی ہارٹ پیشنٹ ہونے کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتی تھی' آ جا کہ میں ہی رہ گیا تھا جس کے نام یہاں آنے کا قرعہ نکلا تھا۔
امی ابو کا خیال تھا کہ اسی بہانے میں غزالہ کی چھوٹی سمعیہ سے مل لوں گا اگر وہ مجھے پسند آئے تو بات آگے بڑھائی جا سکے۔
امی کی بیماری کی وجہ سے ابو مجھے شادی کے لیے فورس کر رہے تھے' جبکہ میں پہلے پڑھائی مکمل کرنا چاہتا تھا' میں ابو کا دل رکھنے کے لیے یہاں آ تو گیا تھا' مگر لاہور سے اتنی دور شادی کا فیصلہ 'میرے حلق سے اتر نہیں رہا تھا' ویسے بھی سمعیہ مڈل پاس تھی جبکہ میں پنجاب یونیورسٹی میں ایم سی ایس کا لائق فائق سٹوڈنٹ تھا۔ دراصل ابو کی ایک ہی بہن تھی' اور وہ چاہتے تھے کہ یہ رشتہ مزید مضبوط ہو جائے تاکہ آنے جانے کا بہانہ بنا رہے۔

اب میں بھی ابو کا اکلوتا بیٹا تھا' اسی لیے ان کی تان مجھ پر ہی آ کر ٹوٹتی تھی' اگر میرا کوئی اور بھائی ہوتا تو شاید انہیں آسانی ہو جاتی۔ میٹرک تک ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں میں یہیں آ کر گزارتا تھا۔

یہاں ہر فیملی کے آدھی درجن سے زائد بچے تھے سب کے سب اتنے شرارتی تھے کہ شیطان بھی ان کے سامنے کانوں کو ہاتھ لگاتا تھا' چھٹیاں کیسے گزر جاتی تھی پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔
میٹرک کے بعد کچھ خاندانی تنازعات کی وجہ سے میرا یہاں آنا بند ہو گیا تھا' مگر میرے کزن وقتاً فوقتاً لاہور آتے رہتے تھے' میں انہیں ہمیشہ پینڈو ہونے کے طعنے دیا کرتا تھا' اور انہیں شہر کی ایسی ایسی محیر العقل داستانیں سنایا کرتا تھا کہ حیرت ان کے چہروں پر ثبت ہو کر رہ جایا کرتی تھی۔
بدلے میں وہ مجھے کسی نہ کسی مصیبت میں پھنسا کر خوب ہنسا کرتے تھے' وہ بچپن کی باتیں تھی 'میں کئی سال بعد آیا تھا' اب تو سب سیانے ہو گئے ہوں گے۔
میں نے سرگودھا پہنچ کر پھوپھو کو اپنے آنے کی اطلاع دی تھی' انہوں نے بتایا تھا کہ فہد مجھے لینے یہاں پلی پر آئے گا' فہد تایا کاظم کا بڑا بیٹا تھا 'بچپن سے ہم دونوں کی گاڑھی چھنتی تھی' وہ ابھی

یہاں نہیں پہنچا تھا' میں نے کال کرنے کے لیے سیل فون نکالا' مگر یہاں تو سگنل ہی نہیں رہے تھے۔

دن ڈھلنے کو تھا' فضا میں خنکی بتدریج بڑھتی جا رہی تھی' میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے حالانکہ دوپہر تک مطلع صاف تھا' اب اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں پیدل ہی گاؤں کی طرف چل پڑتا اگر گاؤں سے کوئی مجھے لینے کو آتا تو راستے میں ہی مل جاتا' میں نے اللہ کا نام لیکر سفر شروع کر دیا۔

اتنی گہری خاموشی سکون اور ویرانی مجھ جیسے شہری کے لیے وحشت کا باعث بن رہی تھی' نہر کا پانی دھیمی رفتار سے میرے مخالف سمت میں بہہ رہا تھا' لاری سے اترنے کے بعد ابھی تک مجھے کوئی ذی نفس نظر نہیں آیا تھا۔

ابھی میں نے تین چار کلو میٹر کے لگ بھگ سفر طے کیا ہو گا جب بوندا باندی شروع ہو گئی' مزید ایک کلو میٹر کے بعد بارش تیز ہو گئی اور ہوا طوفانی صورت اختیار کرتی چلی گئی۔

لگتا ہے آج قدرت میرا امتحان لینے پر تلی ہوئی ہے میں نے بڑبڑاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا تو نہر سے ہٹ کر کھیتوں میں ایک پرانی حویلی کی عمارت دکھائی دی' میں نے اس طوفان سے بچنے کے لیے' بلا سوچے سمجھے اس حویلی کی طرف دوڑ لگا دی' وہاں پہنچتے پہنچتے میں بری طرح بھیگ چکا تھا۔

یہ کوئی پرانی حویلی تھی' جس کی بیرونی چار دیواری مکمل طور پر گر چکی تھی' جبکہ بیشتر کمروں پر چھتیں بھی نہیں تھیں' مجموعی طور پر یہ حویلی کسی کھنڈر کے جیسی لگ رہی تھی' ایک بڑے کمرے کی آدھی چھت ابھی سلامت تھی' جس کے نیچے میں نے پناہ لی۔

یہاں تعفن سا پھیلا ہوا تھا' جسے میں نے نظر انداز کر دیا' اتنے شدید موسم میں یہ چھت بھی غنیمت تھی بادلوں نے ابھی سے گہری رات کا سماں باندھ دیا تھا۔

تیز ہوائیں طوفان کی صورت اختیار کر چکی تھیں ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ہزاروں بلائیں بیک وقت مل کر رو رہی ہوں۔

بچپن میں میرے کزن اس پراسرار حویلی کے بارے میں بہت سی ڈراؤنی باتیں سنایا کرتے تھے' تب میں بہت شوق اور تجسس سے ان کی باتیں سنا کرتا تھا' مگر سن بلوغت تک پہنچنے کے بعد اب میرا ان چیزوں پر کوئی یقین نہیں تھا۔

اندھیرا گہرا ہونے کی وجہ سے میں نے سیل فون کی ٹارچ روشن کر لی' یہاں ہر طرف جانوروں کے بول براز کا گند پھیلا ہوا تھا' فضا میں پھیلا ہوا تعفن اسی گند کا تھا۔

ایک دیوار کے قریب جوتوں کے نشان دیکھ کر میں چونک گیا' قریب جا کر دیکھا تو گہری دھول پر کسی جوان شخص کے قدموں کے نشان بنے ہوئے تھے' ساتھ ہی موٹر بائیک کے ٹائروں کے تازہ نشان بھی واضح نظر آ رہے تھے' شاید یہاں قریب موجود فصلوں کو دیکھنے کوئی شخص ادھر آیا ہو گا تو اپنی بائیک کو حفاظت کے لیے یہاں کھڑی کر گیا ہو گا' میں نے اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے جواز تراشا۔ اسی دوران بارش کے ساتھ اولے بھی گرنے لگے۔

یا اللہ رحم کر' کسانوں کی محنت فصل کی صورت میں تیار ہونے کے قریب ہے اس ژالہ باری سے تو یہ تباہ ہو جائیں گی' بے اختیار میرے ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے۔

ابھی میری دعا پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک
ئی ڈراونی غیر انسانی آواز میں بین کرنے کی
ز آنے لگی۔ طوفانی ہواؤں کی آوازیں ہی کم
ونی نہیں تھی مگر اس آواز نے تو میرے رونگٹے
ے کردیئے۔
کیا بچپن میں سنی ہوئی باتیں سچ تھی' میرے
ں میں پہلا سوال ابھرا' رونے کی آواز کہیں
ب سے ہی آرہی تھی جس کا والیوم اور سوز
تا چلا جارہا تھا' پہلے تو میں نے چاروں قل پڑھ
خود پر دم کیا اور پھر بلا مبالغہ ایک ایک سانس
پوری پوری آیت الکرسی تلاوت کرنے لگا
ں دوران میں نے سیل فون کی ٹارچ بند کر کے
اٹھالیا تھا۔
میں ان چیزوں پر بالکل بھی یقین نہیں رکھتا
مگر نجانے کیوں موجودہ سچوئشن میں ڈر میری
رگ میں سرایت کر گیا تھا۔
اب یہاں رکنا کسی حادثے کا سبب بن سکتا
یہ چیزیں مجھے کوئی نقصان پہنچاتی یا نہ پہنچاتی
مجھے خوف سے ہی اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہو
فا۔
اگر مجھے یہاں کچھ ہو جاتا تو صبح تک جنگلی
ر مجھے اپنی خوراک بنا لیتے اور کسی کو کانوں
خبر بھی نہیں ہونی تھی کہ میں کہاں گیا ہوں۔
ابھی میں یہاں سے نکلنے کے لیے اپنی ہمت
ھ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک کافی بڑا پتھر
ے قریب آن گرا' اب معلوم نہیں کہ یہ پتھر
انی ہواؤں کی وجہ سے گرا تھا' یا کسی ماورائی
ل نے مجھے نشانہ بنانے کی کوشش کی تھی۔
اب مزید رُکنا موت کو دعوت دینے کے
ف تھا' میں حقیقی معنوں میں سر پر پیر رکھ کر
ا' میرے بھاگتے ہی بین کی آواز قہقہوں میں
بدل گئی۔
پھر مجھے ایسا لگا' جیسے چھت پر سے کسی نے
عین میرے پیچھے چھلانگ لگائی ہو' آیت الکرسی
بھول کر میں ہذیانی انداز میں چیخنے لگا۔
مجھے یقین ہے اگر میں دوڑ کے عالمی مقابلوں
میں اس رفتار سے دوڑتا تو گولڈ میڈل میرے ہی
نام ہوتا' بیگ بھی کہیں گر گیا' جان کسے پیاری نہیں
ہوتی میں اپنے وجود کی تمام توانائیوں کو ٹانگوں
میں سمیٹ کر دوڑا' اس دوران چیخیں لاشعوری طور
پر میری منہ سے نکل رہی تھیں' میرے پیچھے آنے
والی بلا کے قدموں کی دھمک اور قہقہوں سے
اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ مجھ سے چند قدم ہی پیچھے تھی
۔
مجھے اپنی چیخوں کے درمیان ایسے لگا جیسے
پیچھے آنے والی بلا مجھے رکنے کا کہہ رہی ہو ایسے میں
رکنا موت کو خالہ کہنے جیسا تھا' ابھی میں روتا پیٹتا
چیختا ہوا نہر کی پٹڑی کے قریب ہی پہنچا تھا جب بلا
میرے قریب پہنچ گئی۔
اس نے ہاتھ بڑھا کر مجھ پر جھپٹا مارا تو میں
منہ کے بل لڑھکنیاں کھاتا ہوا کیچڑ میں لت پت
ہو گیا' رہی سہی کسر تب نکلی جب بھاری بھرکم بلا مجھ
پر آن گری۔
بری طرح چیخنے سے میرا گلا تو پہلے ہی بیٹھ چکا
تھا اب سوائے آنکھیں بند کر کے خود کو تقدیر کے
حوالے کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا' اس
وقت خوف سے میری آنکھیں بندھی ہوئی تھی اور جسم
تشنج کی سی کیفیت میں جھٹکے کھا رہا تھا۔
او.....الو کی دم یہ میں ہوں فہد۔
مجھ پر گری ہوئی بلا نے نیچے اترتے ہوئے کہا
تو میں نے بے یقینی سے آنکھیں کھول دیں۔
واقعی وہ فہد ہی تھا' شیطانوں کا آئی جی

'میرے بچپن کا لنگوٹیا' وہ بے تحاشا قہقہے لگا رہا تھا۔

سناؤ کیسا رہا تمہارا استقبال اس نے پیٹ پکڑ کر دوہرا ہوتے ہوئے پوچھا' ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑ رہے تھے۔

میرا جسم خوف سے پہلے ہی کانپ رہا تھا' اب اس میں غصے کا عنصر بھی شامل ہو گیا' اگر میرے اعضاء شل نہ ہو چکے ہوتے تو یقیناً میں اس خبیث کا ٹیٹوا دبا دیتا' اس قدر بھیانک مذاق نے میرے دماغ کو مفلوج کر کے رکھ دیا' میں شدید غصے سے ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

آئی ایم سوری یار' کچھ زیادہ ہی ہو گیا' اس نے باقاعدہ کان پکڑ کر معافی مانگی۔

تم لوگ گھر آئے مہمان سے ایسا سلوک کرتے ہو' اوسان بحال ہونے پر میں نے غراتے ہوئے پوچھا۔

یار تم مہمان کہاں سے ہو گئے' تم تو اپنے جان جگر ہو کیا بھول گئے بچپن میں تم کیسے کیسے بھیانک مذاق کرتے تھے کہ جان ہی نکل جایا کرتی تھی' میں سمجھا اب بھی تم ویسے ہو' مگر لگتا ہے مجھ سے کچھ زیادہ ہی ہو گیا' پلیز یار معافی دے دو' جو جرمانہ کہو گے میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔

اس نے ایک بار پھر کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

بھاڑ میں جاؤ میں باز آیا ایسی مہمان نوازی سے' میں نے غصے سے کہا اور واپس مین روڈ کی طرف چل دیا۔

ارے ارے گاؤں تو اس طرف ہے تم کہاں چل دیئے میری جان سرگودھا یہاں سے ستر کلو میٹر دور ہے اور یہ لوکل روٹ ہونے کی وجہ سے صبح تک تمہیں کوئی گاڑی بھی نہیں ملے گی' اس نے میرے پیچھے لپکتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سن کر میں سکتے میں رہ گیا اتنے خطرناک موسم میں ایسا رسک لینا واقعی عقلمندی نہیں تھی' تھکن سے پہلے ہی میرا بُرا حال تھا' مگر گاؤں پہنچ کر اس شیطان نے ہیرو بننے کے چکر میں اس واقعے کو خوب مرچ مصالحے لگا کر تشہیر کرنی تھی' اب میں اس شرمندگی سے ڈر رہا تھا۔

پلیز یار غصہ تھوک دو' اس نے میری ٹھوڑی کو ہاتھ لگاتے ہوئے التجا کی۔

گاؤں جا کر تم مجھے سب کے سامنے شرمندہ کرو گے' اس سے بہتر ہے' میں جیسے تیسے واپس چلا جاؤں' میں نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

میری توبہ' بلکہ میرے باپ کی بھی توبہ جو میں اس بات کا ذکر کسی سے کروں' پکا وعدہ' اس نے فوراً وعدہ کرتے ہوئے کہا۔

کیا پیدل ہی گاؤں جائیں گے' اور ہاں میرا بیگ راستے میں کہیں گر گیا تھا میں نے نرم پڑتے ہوئے کہا۔

میرے پاس بائیک ہے تم رکو میں بیگ اور بائیک لیکر آتا ہوں' اس نے مجھے وہیں رکنے کا کہا اور نہر کی پٹڑی سے اتر کر حویلی کی طرف بڑھ گیا۔

برستی بارش میں جب کسی وقت بجلی چمکتی تو نیلی روشنی میں حویلی کے کھنڈر کی پُرسراریت میں کئی گُنا اضافہ ہو جاتا تھا' کچھ دیر بعد وہ بائیک اور بیگ لیے واپس آ گیا۔

میں نے بیگ کا معائنہ کیا تو اس میں موجود تمام چیزوں کا حشر ہو چکا تھا۔

تمہیں پہلے سے کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں اس حویلی کی طرف آؤں گا' میں نے اس کے پیچھے سوار ہوتے ہوئے پوچھا۔

بس اسے اتفاق سمجھ لو' پھوپھو نے تمہیں فتح

خان کی پلی سے لانے کی ڈیوٹی مجھے سونپی تھی' مگر ایک ضروری کام کی وجہ سے میں وقت پر نہ پہنچ سکا' اب جب میں تمہیں لینے کے لیے آرہا تھا تو یہاں مجھے بارش نے گھیر لیا' اس لیے میں بارش سے بچنے کے لیے حویلی میں چلا گیا' ابھی مجھے وہاں پہنچے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ تم بھی ادھر آتے دیکھائی دیئے تو مجھے شرارت سوجھی' تمہارے وہاں پہنچے سے پہلے میں بائیک کو چھپا کر خود چھت پر چڑھ گیا۔

ویسے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنے زیادہ ڈر جاؤ گے۔ بچپن میں تو تم ہم سب سے زیادہ بہادر ہوا کرتے تھے اس نے ہنستے ہوئے تفصیل بتائی تو میں ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا گھر پہنچنے تک میں کسی بھیگے ہوئے پرندے کی مانند قابل رحم حالت کو پہنچ چکا تھا' سب گھر والے گرمجوشی سے ملے۔

پھوپھو امی ابو کے نہ آنے کا گلہ کرنے کے ساتھ ساتھ میرے صدقے واری جارہی تھیں۔

فہد تھوڑی دیر تک آنے کا کہہ کر اپنے گھر چلا گیا۔

میرے لیے فوری گرم پانی کا انتظام کیا گیا' نہانے کے بعد پہننے کے لیے بھائی سعید کی قمیض اور دھوتی دی گئی' دھوتی دیکھ کر میں تذبذب میں پڑ گیا۔

زندگی میں پہلے کبھی میں نے دھوتی استعمال نہیں کی تھی' مگر اب مجبوری تھی' سو الٹی سیدھی باندھ لی۔

کھانے کے بعد گرم دودھ نے میرے کھوئے ہوئے اوسان بحال کر دیئے' شادی میں شرکت کے لیے آنے والا میں پہلا مہمان تھا' دو دن بعد تیل مہندی کی رسم تھی' اس سے اگلے دن بارات آنی تھی۔

تھوڑی دیر میں سب کزن اکٹھے ہو گئے' فہد بھی کپڑے بدل کر آ گیا تھا' میں کافی عرصے بعد آیا تھا' اس لیے اگلے کئی گھنٹے گپیں ہانکنے میں گزر گئے۔

دھان پان سی سمعیہ درمیانے قد اور گندمی رنگت کی قبول صورت لڑکی تھی جو بات بات پر شرما تی تھی' میں تو خواب میں بھی پریاں دیکھنے کا عادی تھا اس لیے مجھے ابو کی سمعیہ کو بہو بنانے کی خواہش پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔

باتوں باتوں میں فہد میری طرف دیکھ کر ذو معنی انداز میں مسکراتا تو رہا' مگر خیر گزری کہ اس نے حویلی والی کوئی بات نہیں کی۔

اللہ اللہ کر کے رات کے تین بجے محفل برخاست ہوئی تو سمعیہ نے مجھے ایک کمرے میں بستر لگا دیا تھکاوٹ سے چور جسم کا کوئی جوڑ ایسا نہیں تھا جو درد نہ کر رہا ہو' بستر پر لیٹتے ہی نیند کی دیوی نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

اگلا دن آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا جب میری آنکھ کھلی' کافی دیر کسلمندی سے پڑا رہا ابھی میں اٹھنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ سمعیہ کمرے میں داخل ہوئی۔

اٹھ جاؤ شہزاد کب تک سوتے رہو گے ؟ تھوڑی دیر تک ہم سب کزن کھیتوں میں جارہے ہیں' امی کہہ رہی ہیں کہ تمہیں بھی گھما لاؤں۔

کیا تمہارے ہاں مہمان کو بھوکے پیٹ سیر کروانے کا رواج ہے' پہلے کچھ پیٹ پوجا کا بند وبست کرو پھر چلتے ہیں۔ میں نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

مجھے پتہ ہے تمہیں مکھن کے پیڑے والی لسی بہت پسند ہے' اس لیے میں نے وہ تو بنا دی ہے'

اب تم جلدی سے اٹھ جاؤ تب تک میں پراٹھے ...... سمعیہ بات کرتے کرتے اچانک رُک گئی اس کا چہرہ ایک دم شرم کے مارے آتشی گلابی سا ہو گیا ' اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے پلٹی اور دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسے اچانک کیا ہوا میں سوچتے ہوئے لحاف سے باہر نکلنے لگا تو بھک سے میرا دماغ اڑ گیا' میں نے ٹانگیں فوراً لحاف کے اندر کر لیں۔

مم میری دھوتی کہاں گئی' میں نے دھڑکتے دل سے سوچا فہد یا کسی دوسرے کزن نے شرارت کی ہے میں نے شرم اور غصے کے ملے جلے اثرات سے سوچا۔

یا پھر کہیں سوتے میں کھل تو نہیں گئی' اسی خیال کے تحت میں نے لحاف کے اندر ہی ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا' مگر وہ وہاں ہوتی تو ملتی۔

اتنی بے عزتی تو میں نے خواب میں بھی نہیں سوچی تھی کجا یہاں آ کر حقیقت میں بار بار ذلت میرا مقدر بن رہی تھی' اسی لمحے میرے ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا اور مجھے پتہ چل گیا کہ سمعیہ ایسے اچانک کیوں بھاگی تھی۔

میں نے چارپائی کے نیچے دیکھا تو دھوتی فرش پر پڑی تھی' میں نے زندگی میں پہلی بار اس لباس کو استعمال کیا تھا' شاید ٹھیک سے نہ باندھنے کی وجہ سے کھل گئی تھی' وہ تو شکر ہے کہ مجھے کمرا علیحدہ دیا گیا تھا' اور سردیوں کی وجہ سے لحاف نے بالکل بے آبرو ہونے سے بچا لیا' ورنہ میرا وہ مخول بنتا تھا کہ مجھے منہ چھپانے کو جگہ نہیں ملنی تھی۔

فرش پر پڑی دھوتی دیکھ کر ہی سمعیہ شرمائی تھی وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی کہ میں کتنا بیہودہ انسان ہوں۔

یہی سوچ سوچ کر میں شرم سے پانی پانی ہوتا رہا' میں نے ایک بار پھر سے دھوتی کو الٹا سیدھا باندھا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

اٹھ گیا میرا سوہنا پتر' پھوپھو نے میری بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

پھوپھو پلیز میرے کپڑے سوکھ گئے ہیں تو ایک سوٹ تو پریس کروا دیں' اس دھوتی کو قابو کرنا میرے بس سے باہر ہے' میں نے کن اکھیوں سے سمعیہ کو دیکھتے ہوئے کہا' وہ دودھ کاڑھنے کے لیے ہارے میں اوپلے سلگا رہی تھی۔

میں کسی سے کہتی ہوں تم تب تک نہا لو' پھوپھو نے میرے بال بکھیرتے ہوئے کہا تو میں باتھ روم میں گھس گیا۔

میرے ناشتے سے فارغ ہونے تک تقریباً تمام کزن کھیتوں میں جانے کے لیے تیار تھے۔

غزالہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو' میں نے غزالہ سے کہا' وہ سمعیہ سے بڑی تھی اور اسی کی شادی ہونے جا رہی تھی' میری بات سن کر وہ پھوپھو کی طرف دیکھنے لگی جیسے جانے کی اجازت مانگ رہی ہو۔

نہیں بیٹا اس کا گھر سے نکلنا مناسب نہیں نئے لوگ ہو آؤ' پھوپھو نے انکار کیا تو اس کا منہ لٹک گیا۔

ہم ڈیڑھ درجن کے لگ بھگ کزنوں کا ریوڑ ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھیتوں کی طرف چل دیئے' اس گروپ میں آدھی سے زائد لڑکیاں تھیں ' یہاں لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ کام کرتی تھی چارہ کاٹنا بھینسوں کا دودھ دھونا کئی کئی چاٹیاں لسی بلو کر مکھن نکالنے جیسے کام آسانی سے کر لیتی تھیں

لڑکوں میں فہد سعید اور ارشد سب سے زیادہ شرارتی تھے جبکہ لڑکیوں میں غزالہ رفعت اور مسلمہ

ان کے جوڑ کی تھی' اب غزالہ کو تو آنے کی اجازت نہیں ملی تھی' وہی سب سے زیادہ خوش مزاج مانی جاتی تھی۔

کھیتوں میں سے ہری مرچیں ٹماٹر دھنیا اور لیموں وغیرہ توڑ کر لائے گئے۔

رسم مہندی اور بارات کے لیے پکائی جانے والی دیگوں میں ڈالنے کے لیے ان چیزوں کی ضرورت تھی۔

کھیتوں سے واپس آنے کے بعد گپیں لگانے کی ایسی محفل جمی کہ رات کا ایک بج گیا' اس دوران کھانا بھی وہیں کھایا گیا۔

شہزاد تمہیں معلوم ہے گاؤں سے باہر جو لڑکیوں کا سرکاری اسکول ہے' وہ آسیب زدہ ہے' باتوں کے دوران رفعت نے اچانک مجھے مخاطب کر کے کہا تو سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

تمہارے اس گاؤں میں ہوتے ہوئے کس آسیب کی جرأت ہے جو یہاں آئے' میں نے فوراً جواب دیا تو کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

یہ ٹھیک کہہ رہی ہے' ابھی چند دن پہلے حاجن بی بی کی بکری اسکول میں گئی تو غائب ہو گئی' اس سے پہلے بھی کئی جانور غائب ہو چکے ہیں' وہاں پڑھنے والی لڑکیاں شہادت دیتی ہیں کہ انہیں اکثر چلتے پھرتے ہیولے نظر آتے ہیں' اور رات کے وقت اگر کوئی غلطی سے بھی اسکول میں داخل ہو جائے تو آسیب مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیتے ہیں۔ اسکول کے صحن میں موجود برگد کا پیڑ ان ہوائی چیزوں کا مسکن ہے۔ غزالہ نے رفعت کی تصدیق کی۔

سب بکواس ہے تمہارے جیسے کسی دوسرے گروپ کی کارستانی ہوگی' اور نام غیر مرئی مخلوق کا لگ جاتا ہے۔ میں نے منہ بناتے ہوئے کسی آسیب کی کاروائی ماننے سے انکار کر دیا۔

مجھ سے شرط لگا لو' وہاں آسیب ہے رفعت نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

کچھ ہی دیر میں وہاں دو گروپ بن گئے' رفعت والا گروپ' اسکول آسیب زدہ ہونے کی دلیلیں دے رہا تھا جبکہ میرے والے گروپ میں صرف فہد اور مسلمہ تھے جو کسی ایسی چیز سے انکاری تھے۔

ہاں تو شہزاد ڈن ہوئی پھر شرط رفعت نے ایک بار پھر مجھے اکسایا۔

شرط کا تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے کے ایف سی کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر تمہارے گھر کے بغل میں ہے کہ شرط ہارنے پر تم مجھے وہاں سے چکن دابو کھلاؤ گی۔

میں نے جان چھڑوانے کی غرض سے کہا' دراصل میں ابھی حویلی والے واقعے کے اثر سے ہی باہر نہیں آیا تھا' اس لیے مزید کسی ایڈونچر کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا' ورنہ اسکول لائف میں ایسے کاموں کے لیے تو میں خود انہیں اکسایا کرتا تھا۔

لو جی تم شہری لوگ اس مریل سی فارمی برائلر کا چکن دابو کھا کر اتراتے ہو تمہیں کیا معلوم گھر کے دیسی مرغے کا دابو کیسا شاندار ذائقے والا ہوتا ہے' اگر تم دونوں ابھی بغیر روشنی کا سہارا لیے اسکول کے صحن میں موجود برگد کے نیچے لکڑی کا کھونٹا گاڑ آؤ تو کل میں اپنے ہاتھ سے تمہیں دیسی دابو بنا کر کھلاؤں گی' رفعت نے کھلا چیلنج دیا تو اس کے ساتھیوں نے سیٹیاں اور تالیاں بجا کر اسے داد دی۔

نا بابا نا' میں باز آیا ایسی شرطوں سے میں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے انکار کر دیا۔

یار کیوں سب کے سامنے ناک کٹوا رہے ہو لگتا ہے حویلی والے واقعے سے کچھ زیادہ ہی ڈر گئے ہو حالانکہ تمہیں علم ہے وہاں کچھ بھی نہیں تھا جب کہ پورا گاؤں اسے آسیب زدہ سمجھتا ہے' وہ تو ہے بھی ویرانے میں جبکہ اسکول تو یہ گاؤں کی بغل میں ہے' ایسے کرو تم یہ چیلنج قبول کرلو' بس تم میرے ساتھ رہنا کھونٹا وغیرہ میں خود گاڑ لوں گا۔

رفعت واقعی بہت کمال کا دابو بناتی ہے تم انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے' فہد نے میرے کان میں سرگوشی کی مگر میں نے انکار میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

تو پھر ٹھیک ہے میں انہیں بتا دیتا ہوں کہ تم اسکول میں کیوں نہیں جاسکتے' فہد نے ایک بار پھر سرگوشی کرتے ہوئے دھمکی دی تو میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

تم نے وعدہ کیا تھا میرے ساتھ' میں نے دانت پیستے ہوئے آنکھیں نکالیں۔

میں ابھی بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں اگر تم یہ شرط قبول کرلو تو!! ورنہ یاد رکھو' اب اگر تم نے انکار کیا تو پھر میں بھی تمہاری بزدلی کی داستان خوب مرچ مصالحے کے ساتھ سب کو سناؤں گا۔

اس نے بھی میرے انداز میں ہی مجھے جواب دیا تو میرے لیے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن والی صورتحال بن گئی۔

میں نے مریل سے انداز میں شرط قبول کرلی

۔

اسی دوران ارشد بھاگ کر کہیں سے ہتھوڑا اور ایک تین فٹ لکڑی کا ٹکڑا لے آیا لکڑی ایک سائیڈ سے نوکیلی تھی مقامی زبان میں اسے قِلاّ کہتے ہیں جو زمین میں گاڑ کر بھینسیں وغیرہ باندھنے کے کام آتا ہے۔

رات کے دو بجنے والے تھے اور اسکول گاؤں سے فرلانگ ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر تھا' میرے ذہن میں حویلی کے خوفناک سین گھوم رہے تھے' مگر فہد کی خود اعتمادی مجھے اس کا ساتھ دینے پر مجبور بھی کررہی تھی۔

ہم سب گھر سے باہر آ گئے' یہاں سے اسکول اور اس سے پرے نہر کے کنارے پر لگے ہوئے درخت مدہم ہیولوں کی صورت میں نظر آرہے تھے۔

لو رفعت ہم یوں گئے اور یوں آئے' مگر تم اپنی شرط سے مکرو گی تو نہیں' فہد نے ارشد کے ہاتھ سے ہتھوڑا اور کھونٹا لیتے ہوئے کہا۔

یہ سب لوگ ہماری شرط کے گواہ ہیں' میں انکار کر ہی نہیں سکتی' رفعت نے ہامی بھری' تو ہم وہاں سے روانہ ہوئے' باقی سب لوگ وہیں رک کر ہمارا انتظار کرنے لگے۔

میں مختلف آیات کا ورد کرتے ہوئے فہد کے ساتھ قدم ملا رہا تھا گاؤں سے اسکول اور وہاں سے نہر تک سڑک کے دونوں اطراف میں گندم کی فصل ساکت کھڑی تھی۔

کتنی بے وقوف لڑکی ہے کل جب اتنے لوگوں کے لیے چکن دابو بنائے گی تو عقل ٹھکانے آجائے گی' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

یار تم تو یہاں کے رہائشی ہو تمہیں تو سچ جھوٹ کا علم ہوگا یہاں آسیب ہے کہ نہیں' میرا مطلب ہے کہ جب اتنے لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہے تو کچھ نہ کچھ تو سچائی ہوگی نہ' میں نے اس سے پوچھا تو وہ قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

بنا چاند کے گہرے سناٹے میں اس کے قہقہے کی بازگشت دور تک سنائی دی تھی۔

تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ یہاں

ے جو گروپ جانور غائب کر کے پارٹیاں اڑاتا
ہے' تمہارا' یار اس گروپ کا باس ہے' اگر تمہیں
یادہ ڈرلگ رہا ہے تو تم اسکول کے باہر ہی رُک
ؤ' یہ معمولی کام میں دو منٹ میں کر کے آیا
یسے بچپن میں تو تم بڑے بہادر ہوا کرتے تھے
ب کیا ہوگیا ہے۔

نہیں اب میں اتنا بھی ڈرپوک نہیں کہ تمہارا
تھ نہ دوں' میں نے جی کڑا کرتے ہوئے کہا اور
ں کے ساتھ ہی اسکول میں داخل ہوگیا۔

اسکول پانچ کمروں پر مشتمل تھا' کمروں کے
منے برآمدہ اس سے آگے کافی بڑا پارک بنا ہوا
برگد کا درخت اس پارک کے عین درمیان میں
حیرت کی بات یہ تھی کہ کمروں کے دروازے
لے ہوئے تھے۔

یہ دروازے کیوں کھلے ہوئے ہیں' ایسے تو
یچر وغیرہ چوری ہونے کا ڈر رہتا ہوگا میں نے
وانی سے پوچھا۔

یہ شہر کا اسکول تھوڑی ہے جو چوری چکاری کا
ہو یہاں دروازوں کو تالے نہیں لگائے جاتے
ں نے فخریہ لہجے میں کہا۔

ہاں ہمارے مذہب میں اسکول کا فرنیچر چرانا
ت بڑا گناہ ہے' جبکہ کسی غریب کے بکرے وغیرا
کر کھا جانا ثواب کا کام ہے' میں نے طنزیہ لہجے
ا کہا تو وہ اندھیرے میں مجھے گھور کر رہ گیا۔

برگد کے گھنے درخت کے نیچے ہاتھ کو ہاتھ
جھائی نہیں دے رہا تھا' اس کی بھی شاخوں نے
ل کو پراسرار بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی
۔ فہد تنے کے قریب بیٹھ کر کھونٹا گاڑنے لگا
ں اس نے چند ضربیں ہی لگائی تھی کہ اچانک
کی دل خراش چیخ رات کے سناٹے کو چیرتی
ں چاروں اطراف میں پھیل گئی' میں ایسی کسی
صورت حال کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں تھا
' میں بغیر کچھ سوچے سمجھے بدحواس ہو کر گیٹ کی
طرف دوڑا' مجھے فرار ہوتے دیکھ کر فہد نے بھی
میرے ساتھ بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر اسے کسی
نے اٹھا کر زمین پر پٹخا تو خوف سے مجھے اپنا خون
رگوں میں منجمند ہوتا ہوا محسوس ہوا' مگر میرے
دوڑنے کی رفتار کم نہیں ہوئی اور میں چند سیکنڈ میں
ہی میں اسکول سے باہر تھا۔

اوہ' میرے خدایا یہ میں کیا کر آیا فہد کو مصیبت
میں اکیلا چھوڑ آیا گیٹ سے نکلتے ہی میرے ضمیر
نے مجھے جھنجوڑا تو وہیں رک گیا' اگلے ہی لمحے میں
واپس دوڑا اس دوران میں نے سیل فون کی
ٹارچ روشن کر لی تھی فہد درخت کے نیچے غیر فطری
انداز میں آڑا ترچھا پڑا تھا' اسے اس حالت میں
دیکھ کر میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس کے
ماتھے پر اچھی خاصی چوٹ لگی ہوئی تھی' جبکہ بائیں
ہاتھ کے انگوٹھے سے خون بہہ رہا تھا' میں نے سیل
فون کی روشنی اطراف میں ڈالی مگر وہاں ہمارے
سوا کوئی نہیں تھا۔

میں نے بے اختیار اس کی نبض ٹٹولی جو بے
حد مدھم تھی' وہ صرف بے ہوش تھا میں نے اس
کے منہ اور ناک پر ہاتھ رکھ دیا سانس رُکنے سے
اس کے جسم میں حرکت کے آثار پیدا ہوئے تو
ہاتھ ہٹالیا' چند لمحوں کے بعد وہ ہوش میں آ گیا' مم
مم مجھے کیا ہوا تھا' اس نے بے ربط لہجے میں پوچھا۔

کچھ نہیں ہوا تھا چلو جلدی نکلو یہاں سے میں
نے اسے اٹھنے میں مدد دی وہ جیسے ہی اٹھ کر کھڑا
ہوا اس کی دھوتی کے ایک پہلو میں کھنچاؤ سا پیدا ہو
گیا' جیسے دھوتی کو کوئی پکڑ کر کھینچ رہا ہو سنسنی میری
ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی۔

میں نے ڈرتے ہوئے روشنی اس طرف ڈالی

تو دھوتی کا ایک کنارہ زمین میں گڑے ہوئے کھونٹے کے نیچے دبا ہوا تھا۔

دھت تیرے کی' فہد نے اندھیرے میں کھونٹا اپنی ہی دھوتی کے اوپر رکھ کر گاڑ دیا تھا' اور پھر ہتھوڑے کی غلط ضرب اپنے ہی انگوٹھے پر مار کر جب چیخا تھا تو میں اس کی چیخ سن کر بھاگا تھا' اس نے بھی بھاگنے کی کوشش کی تھی مگر دھوتی کا کنارہ کھونٹے کے نیچے دبا ہونے کی وجہ سے وہ بری طرح گرا تھا' جبکہ مجھے ایسا لگا تھا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر پٹخا ہو۔

میں نے ایک طرف پڑے ہوئے ہتھوڑے کو اٹھا کر کھونٹے کو اکھاڑ کر دھوتی کو آزاد کروایا' اور پھر اس کے بعد اپنی جیب سے رومال نکال کر اس کے انگوٹھے پر باندھ دیا تاکہ بہتے ہوئے خون کو روکا جا سکے' اسی اثنا میں سب کزن وہاں پہنچ گئے۔

انہوں نے فہد کی چیخ سن لی تھی' جب انہیں ساری حقیقت کا علم ہوا تو اسکول قہقہوں سے گونج اٹھا' جبکہ ہماری پاس سوائے کھسیانی ہنسی ہنسنے کے کوئی آپشن نہیں تھا۔

گھر واپس پہنچ کر اس کے ہاتھ اور ماتھے پر باقاعدہ بینڈیج کی گئی۔

لو بھائی دیسی دابو تو آپ کی قسمت میں نہیں تھا اس پر ہی گزارا کر لو رفعت نے ہلدی ملا دودھ فہد کو دیتے ہوئے کہا تو محفل ایک بار پھر کشت زعفران بن گئی۔

باقی کی رات سب نے ہم دونوں کی درگت بناتے ہوئے گزار دی' ان کا موقف تھا کہ فہد کے ہاتھ پر چوٹ اور دھوتی کو کھونٹے کے ساتھ گاڑنے کا کام آسیب کا ہی تھا' وہ اپنے عقیدے میں مزید پختہ ہو چکے تھے۔

مسلمہ جو پہلے ہماری طرف دار تھی وہ بھی مخالف پارٹی سے مل چکی تھی' میں اور فہد ان کی ہر جگت پر ہونقوں کی طرح ایک دوسرے کی طرف دیکھتے تھے۔

اگلا سارا دن بہت مصروف گزرا شام کو مہندی تھی ہم ساتھ والے قصبے سے دیگیں ٹینٹ اور کراکری وغیرہ کا سامان ٹرالی میں لوڈ کر کے لائے ٹینٹ لگانے اور گھر پر چراغاں کرنے کے لیے لائٹس بھی ہم نے خود نصب کی۔

مہندی کا کھانا مہمانوں کو کھلاتے رات کے دس بج گئے اس کے بعد مہندی کی رسم ادا کرتے کرتے ایک بج گیا صبح بارات آنی تھی' بارات کو جو کھانا کھلانا تھا اس کے لیے گھر کا پلا ہوا بچھڑا ذبح کیا جانا تھا۔

اور یہ سارا کام ہم سب کزنوں نے خود کرنا تھا' اسی لیے طے پایا کہ ابھی کام شروع کیا جائے تاکہ صبح راجہ کو گوشت بروقت دیا جا سکے۔

لڑکیاں تو غزالہ کو گھیرے بیٹھی تھیں' ہم سب لڑکے گھر سے ملحقہ باڑے میں آ گئے' اور کام میں جت گئے مجھے تو ان کاموں کا کوئی تجربہ نہیں تھا' اسی لیے ان کا ہیلپر بنا ہوا تھا' ویسے مجھے یہ سب کام کرنے میں بہت مزا آ رہا تھا۔

گھر کا پلا ہوا انتہائی صحت مند بچھڑا ذبح کرنے میں سب کو دانتوں پسینہ آ گیا۔ کھال اتارنے کے بعد پارچے بنائے گئے' پھر سب چھریاں بغدے سنبھال کر پارچوں کی بوٹیاں بنانے لگے' اس سارے کام کے ساتھ بڑی بڑی ڈینگیں مارنے کا مقابلہ بھی ہو رہا تھا میں شہری بابو ان پینڈو لوگوں سے پیچھے کیسے رہ سکتا تھا' وہ جو بھی بڑی سے بڑی بات کرتے میرے پاس بنی بنائی ریڈی میڈ اس سے بھی بڑی حکایت پہلے سے موجود ہوتی تھی۔

میرے جتنی کچی نیند کسی کی نہیں ہوسکتی جب کبھی رات کے وقت گاؤں میں کتے بھونکتے ہیں تو میری آنکھ فوراً کھل جاتی ہے' ارشد نے ایک ہڈی پر بغدا مار کر اسے توڑتے ہوئے نئی بات شروع کی۔

ہاں کچھ لوگوں کی نیند واقعی ایسی ہوتی ہے کہ چھوٹی موٹی آواز سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے' اس کے سامنے بیٹھے ہوئے سعید نے تائید کی۔

شہزادے تمہاری نیند کیسی ہے فہد نے جو اس وقت تھرماس سے چائے کپوں میں ڈال کر سب کو سرو کر رہا تھا مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا جب سے اس کے ہاتھ پر چوٹ لگی تھی' اس سے ایسے ہی چھوٹے موٹے کام لیے جا رہے تھے۔

تم نے اچھا سوال پوچھا ہے جب کوئی آواز یا کھڑکا ہو تو سب کی نیند اکھڑ جاتی ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں نیند تو میری طرح ہونی چاہیے کہ اگر چارپائی کے پاس سے بلی بھی دبے پاؤں گزر جائے تو میری آنکھ کھل جاتی ہے' میں نے دل کھول کر لمبی چھوڑی' اور فخریہ انداز میں سب کی طرف ایسے دیکھا جیسے چیلنج دے رہا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اس سے بھی لمبی ہو تو چھوڑ کر دکھاؤ'۔

سب میری اس خداداد صلاحیت پر معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

سلام ہے جی آپ کی صلاحیتوں کو ہم میں سے تو کسی کے پاس اس جیسی حیران کن صلاحیت نہیں ہے۔

تایا کاظم کے بیٹے مبشر نے ہتھیار ڈالتے ہوئے میری فتح کا اعلان کر دیا۔

شہزاد بھائی آپ کل رات بھی نہیں سوئے اور آج سارا دن بھی مصروفیت بھرا رہا' صبح پھر بارات کی وجہ سے بہت زیادہ مصروفیت رہے گی' بہتر ہے کہ آپ کچھ دیر آرام کر لیں تاکہ کل دن میں راجہ سے دیگیں وغیرہ اپنی نگرانی میں بنوائی جا سکیں' سعید بھائی نے مجھ سے ہمدردی کرتے ہوئے کہا۔

تھکاوٹ تو میں بھی بہت محسوس کر رہا تھا مگر شرم کی وجہ سے کہہ نہیں پا رہا تھا کہ سب تو کام کر رہے ہیں اور میں اٹھ کر چلا جاؤں۔

ہاں یہ ٹھیک رہے گا میں چند گھنٹے نیند لے لوں پھر سارا دن چاک و چوبند رہوں گا' میں نے ان کی بات مانتے ہوئے کام چھوڑا اور سونے کے لیے گھر آ گیا۔

گاؤں کا سب سے بڑا گھر ہونے کے باوجود مہمانوں کی کثرت سے تنگ پڑا ہوا تھا' حالانکہ پھوپھی کے دیور جیٹھ یا پھر تایا کاظم اور چچا کے رشتے داروں میں سے جتنے بھی مہمان آئے تھے ان سب کے ٹھہرنے کا انتظام انہیں کے گھروں میں کیا گیا تھا پھر بھی یہاں جگہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی' پورے صحن میں قناعتیں لگا کر ان کے نیچے چالیس پچاس چارپائیاں بچھا کر مہمانوں کے سونے کا انتظام کیا گیا تھا۔

دو جن بھر کمروں پر تو پہلے سے ہی خواتین کا قبضہ تھا' تلاش بسیار کے بعد ایک چارپائی خالی مل ہی گئی' میں فوراً بستر میں گھس گیا' صبح بارات آنی تھی میں نے اس کے اگلے دن یہاں سے جانے کا پروگرام فائنل کر لیا تھا' اگر سمیعہ مجھے پسند آ جاتی تو اسے قریب سے جاننے کے لیے مزید ایک دو دن رکا جا سکتا تھا مگر اب تو ایسا کوئی سین ہی نہیں تھا اس لیے شادی کے بعد یہاں رکنا فضول تھا۔

ایسی باتیں سوچتے سوچتے مجھے واش روم کی

حاجت ہوئی تو میں چارپائی سے اٹھ کر واش روم میں چلا گیا جب واپس آیا تو میری چارپائی پر قبضہ ہو چکا تھا' مجھے پہلے ہی مشکل سے جگہ ملی تھی ۔لحاف کو ذرا سا اٹھا کر دیکھا تو وہ خانیوال سے آئے ہوئے بزرگ فہد کے ماموں تھے' اب میں انہیں تو وہاں سے اٹھا نہیں سکتا تھا اس لیے کوئی اور بستر ہی ڈھونڈنا تھا جو اس وقت مشکل لگ رہا تھا 'خالی چارپائی کی تلاش کرتے ہوئے ایک جگہ پھوپھی لیٹی ہوئی نظر آ گئیں' میں ان کے ساتھ ہی بستر میں گھس گیا' نیند تو جیسے میرے لیٹنے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔

وہ شور کی آواز تھی جسے سن کر میری نیند خراب ہوئی تھی' میں بیزاری سے آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا 'اس وقت تک صبح کا اجالا پھیل چکا تھا۔

فہد کے ماموں جہانگیر جنہوں نے رات میرے بستر پر قبضہ کیا تھا شدید غصے کے عالم میں جو منہ میں آ رہا تھا بولے چلے جا رہے تھے' فہد اس کے امی ابو میرے پھوپھا پھوپھی کے علاوہ تایا چچا سب انہیں رام کرنے کی کوشش کر رہے تھے' مگر ان کا غصہ کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

ان کا بیٹا بہو بھی غصے سے بیگ اٹھائے واپس جانے کے لیے تیار کھڑے تھے۔

مہمانوں کی توہین کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے' اگر مجھے علم ہوتا کہ یہاں میرے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے گا' تو میں کبھی بھی اِدھر کا رخ نہ کرتا' اب مجھے جانے سے کوئی نہ روکے' انہوں نے باچھوں سے کف اڑاتے ہوئے اپنی مہاجری زبان میں صلواتیں سنائی۔

ماموں جی آخر ہوا کیا ہے' کچھ پتہ بھی تو چلے ' میں نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

بیٹا یہ پوچھو انہوں نے میرے ساتھ کیا ظلم نہیں کیا' میں رات یہاں صحن میں سویا تھا' اب ز جب آنکھ کھلی تو میری چارپائی گنے کے کھیت میں تھی' تم ہی بتاؤ اس بڑھاپے میں میرے ساتھ ال کا ایسا مذاق بنتا ہے ان کنجروں کے منہ پر تھوکو نہیں تو اور کیا کروں' اگر وہاں مجھ بوڑھے کو جنگلی جانور چیر پھاڑ دیتے تو ان کا کیا جاتا یتیم ہو کر رُل تو میرے بچے جاتے' ماموں جہانگیر نے باقاعدہ روتے ہوئے اپنے ساتھ ہوئی زیادتی بتائی میری آنکھیں جو پچھی نیند کی وجہ سے کھل نہیں رہ تھیں ایک دم کسی کارٹون کی طرح کھل کر حلقوں سے باہر آ گئیں۔

اوہ میرے خدا ٹارگٹ تو میں تھا' میں نے یہ ڈینگ ماری تھی کہ اگر بلی بھی میری چارپائی کے قریب سے گزرے تو میری آنکھ کھل جاتی ہے' تو اتفاقاً' مجھے واش روم جانا پڑ گیا اور ماموں وہاں آ کر لیٹ گئے' اس کا مطلب تھا کہ جب میں سونے کے لیے گھر آیا تھا تو ان شیطانوں میں سے کوئی میرے پیچھے آ کر دیکھ گیا تھا کہ میں کس چارپائی پر لیٹا ہوں' جب انہیں میرے سونے کا یقین ہو گیا تو وہ چارپائی کو اتنی مہارت سے اٹھا لے گئے کہ ماموں جیسے بزرگ کو بھی پتہ نہیں چ سکا' حالانکہ بوڑھے لوگوں کی نیند تو بہت کچی ہو ہے ذرا سی آہٹ سے جاگ جاتے ہیں۔

میں نے اطراف میں نظر دوڑا کر ا شیطانوں کو فوکس کیا تو وہ منہ چھپاتے پھر رہے تھے' میں دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگا اللہ نے میری عزت بچالی' ورنہ اس باران خبیثو نے میری وہ واٹ لگانی تھی کہ عمر بھر کی شرمسا میرا مقدر بن جاتی۔

توبہ..... دروازہ ہر لمحہ کھلا ہے

مجید احمد جائی

حضرت ابراہیم ادہم رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا، کیا سبب ہے اللہ تعالیٰ مدعاؤں کو قبول نہیں کرتا؟ آپؒ نے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہو لیکن اس کی اطاعت نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے، قرآن مجید پڑھتے ہو مگر اِس پر عمل نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے۔ جانتے ہو دوزخ گہنگاروں کے لیے ہے مگر اس سے ذرا نہیں ڈرتے، شیطان کو دُشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے، موت کو برحق سمجھتے ہو مگر کوئی سامان نہیں کرتے۔ خویش و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرتے ہو لیکن عبرت نہیں پکڑتے بھلا جو شخص اس طرح کا ہو اُس کی دُعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے۔

درج بالا اقتباس ''توبہ۔۔۔ دروازہ ہر لمحہ کھلا ہے'' سے لیا گیا ہے۔ توبہ کا دروازہ قیامت کی آخری گھڑی یعنی جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا تک کھلا ہے۔ سچی توبہ اللہ تعالیٰ سے دوستی کی پہلی منزل ہے پھر ہم اللہ تعالیٰ سے دوستی کیوں نہیں کرتے۔ یہ کتاب علامہ عبدالستار عاصم نے تالیف کی ہے۔ اس کتاب کے اندر قرآنی آیات مبارکہ بمعہ ترجمہ اور احادیث کے حوالوں سے توبہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے اندر توبہ کے ثمرات اور تقاضے، توبہ کا مطلب، توبہ کی جامع تعریف اور توبہ کی روایات و حکایات بیان کی گئیں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ بزرگان دین کے اقوال توبہ بھی دیئے گئے ہیں۔

علامہ عبدالستار عاصم کو میں ایک ناشر کی حیثیت سے جانتا تھا لیکن آپ نامور ادیب اور قلم کار بھی ہیں۔ آپ کے قلم میں جولانی ہے جس کا اندازہ آپ کی کتاب ''انسائیکلو پیڈیا رحمت اللعامین، قصہ ایک صدی کا، سکون قلب سے باخوبی ہو جاتا ہے۔ آپ کا قلم حق اور سچ کے ساتھ رواں رہتا ہے۔ یہ سعادت ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے اپنے پیاروں کے بارے لکھواتا ہے اور لکھنے کی طاقت بھی عطا کرتا ہے۔

علامہ عبدالستار عاصم، قلم فاؤنڈیشن کے روح رواں ہیں۔ اس ادارے سے کئی کتب شائع ہو چکی ہیں جو شہرت حاصل کر رہی ہیں۔ آپ ناشر کے ساتھ ساتھ کتاب دوست شخصیت کے مالک ہیں۔ صاحب کتاب ہیں اور صاحب کتاب دوست کا وسیع حلقہ احباب رکھتے ہیں۔ کتاب کی خوشبوؤں میں رہتے ہیں اور پوری دُنیا میں کتب کی خوشبو پھیلانے میں ہمہ تن کوشاں ہیں۔

''توبہ۔۔۔دروازہ ہر لحہ کھلا ہے'' 200 صفحات پر مشتمل معیاری کتاب ہے۔جس کا انتساب نامور شخصیات کے نام کیا گیا ہے۔پیش لفظ میں لکھتے ہیں دین و دُنیا میں فلاح اور آخرت میں حصول نجات کا پہلا قدم اور آخری سہارا توبہ ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ انسان اللہ کے حضور اپنی غلطیوں اور گناہوں پر معافی مانگتا رہے۔گناہ اور نافرمانی انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتے ہیں جو سراسر خسارہ کا سودا ہے ،اس کے برعکس اطاعت اور ترکِ گناہ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔توبہ اطاعت کی طرف مائل کرتی ہے اور ترک گناہ کی طرف ترغیب دیتی ہے۔

''توبہ۔۔۔دروازہ ہر لحہ کھلا ہے'' میں توبہ کے واقعات کے ساتھ ساتھ طالبوں کے لئے اہم فتاویٰ دیئے گئے ہیں۔ان سوالوں کے جوابات پڑھ کر یقیناً آپ سکون پا سکتے ہیں اور ترکِ گناہ کر کے سچی توبہ کر کے احکام دین پر مکمل پیرا ہو سکتے ہیں۔یہ کتاب دُعاؤں کے خزانوں کا مجموعہ ہے۔اس میں عاجزی وانکساری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ایک گناہ گار کی توبہ کی التجا میں عاجزی سے دعا کی گئی ہے۔

یاالٰہی !یہ اولادِ آدم بھی بڑی عجیب ہے جب تیری اطاعت پر آتی ہے تو فرشتے بھی ہیچ ہو جاتے ہیں۔قدم قدم پر تیرے نام پر جان فدا کرتی ہے۔تیرے عشق میں گھر بار، مال و دولت گویا کہ سب کچھ لٹا دیتی ہے مگر جب تیری نافرمانی اور سرکشی پر آتی ہے تو ایسے ایسے گناہ کرتی ہے جو تقاضائے بشریت کو روند ڈالتے ہیں۔ہر سو بُرائیوں کی ہنگامہ آرائی سے اور اس سے بچنے کا ایک ہی ذریعہ ہے۔توبہ صرف اور صرف توبہ۔

نفس،توبہ کے راستے میں بھی ایک بڑی رکاوٹ ہے جو انسان کو نیکی کی طرف نہیں آنے دیتا انسانی نفس خواہشات کی آماجگاہ ہے اور اس کی وجہ سے انسان کے دل میں طرح طرح کی بے شمار جائز اور ناجائز تمنائیں اور آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔نفس مادی جسم کو زیادہ سے زیادہ سہولت اور تن آسانی پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اور جب نفس کو دینوی سہولتیں میسر آجاتی ہیں، مادی دولت کی ریل پیل ہوتی ہے دنیاوی سکون خوب حاصل ہوتا ہے۔دنیاوی لذتیں اس طرح انسان پر سوار ہیں کہ انسان کے دل میں اللہ کا خوف ہی نہیں رہا اور یہی خواہشات انسان کو دُنیا کے حصول کی طرف اتنا محو کر دیتی ہے کہ انسان اللہ اور اس کے دین کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔اے حضرت انسان گناہوں کو چھوڑ کر اللہ کے حضور کہہ دے اللہ! میری توبہ۔اللہ میری توبہ۔سو بار توبہ۔وہ ذات حمید بھی ہے مجید بھی۔ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالنے والی بھی ہے۔اے اللہ! جب میری زندگی کا ہر طرح کا رساز تو ہے تو پھر میں ہر طرح تجھ ہی سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔میرے اللہ! معاف فرما۔۔معاف فرما۔

''توبہ۔۔دروازہ ہر لحہ کھلا ہے'' پڑھ کر بھٹکتے ہوؤں کو توبہ کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔آیئے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم والی زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔علامہ عبدالستار عاصم کے علم وعمل میں برکت فرمائے۔آمین ثم آمین!۔

یہ کتاب ہر اچھے بک سنٹر پر دستیاب ہے۔ایسی کتاب کو ہر گھر کی زینت بننا چاہیے۔خود مطالعہ کا معمول رکھیں اور اپنے بچوں کو مطالعہ کا عادی بنائیں تاکہ نسل نو خود کو سنوارے اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کر سکے۔دُنیا کے ساتھ ساتھ آخرت کو سنوار سکے۔

❑❑.....❁.....❑❑

رباظ

(قسط نمبر 10)

وہ انسانوں کی دنیا میں چلا آیا تھا پھر اس کے ساتھ کیا ہوا.....

لمحہ لمحہ پُراسراریت بڑھاتی تحریر

کاوش صدیقی

شاید وہ لوگ سامان لے کر فارغ ہو چکے تھے..... پھر اس کی ماں نے آگے بڑھ کر ایک رکشہ روکا تھا..... سامان اس میں رکھا گیا اور پھر رکشہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا..... میں بھی بے ساختہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ہولیا تھا..... یہ سفر زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا تھا..... جلد ہی ایک چھوٹے سے علاقے میں ایک پرانے سے مکان میں دونوں اندر داخل ہو گئے.....

ان لوگوں کے حالات کچھ زیادہ بہتر نہیں تھے..... باپ مزدوری کرتا تھا اور یوں گھر کا گزارا ہوتا تھا..... لڑکی کا نام شازیہ تھا..... وہ اپنی ماں کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتی تھی.....!!

گو کہ میں ایک جن زاد تھا..... لیکن اس کے باوجود میری خصلت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میں اس شریف زادی پر کوئی بری نظر ڈال سکوں.....

□□ □□

ویسے مجھے خود بھی احساس نہیں تھا کہ میں کس بناء پر اس کے ساتھ چلا آیا ہوں.....

لیکن پھر اس گھر کے حالات کے بارے میں مجھے علم ہوا تو مجھے کافی افسوس ہوا..... شازیہ کی طبیعت ابھی کچھ دنوں قبل ہی کچھ بہتری کی طرف آئی تھی..... وگرنہ اس کی حالت کافی دگرگوں تھی.....!! اس کے باپ نے اس کے علاج کے لیے کہیں سے رقم بھی قرض لی تھی..... جن کی ادائیگی قسطوں میں ہو رہی تھی.....

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ کسی اچھے گھرانے سے شازیہ کے لیے رشتہ بھی آنے والا تھا..... لیکن فی الحال معاملہ التواء کا شکار تھا..... شام ہوئی تو ایک موٹی سی عورت گھر میں داخل ہوئی..... مجھے وہ کچھ اچھی نہیں لگی تھی..... اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے وہ بے حد خوش اخلاق اور نرم طبیعت کی مالک ہو..... اس کے ساتھ ایک شازیہ

کی ہم عمر لڑکی بھی تھی..... جو زیادہ خوبصورت تو ہرگز نہیں تھی..... البتہ اس کا انداز و اطوار بتا رہا تھا کہ وہ خود کو کسی ریاست کی شہزادی سے ہرگز کم نہیں سمجھتی.....!!

شازیہ اور اس کے گھر والے تو کافی خوش دلی سے ملے تھے..... البتہ صنوبر نامی وہ لڑکی کافی کھنچی کھنچی سی تھی..... اس نے شازیہ سے بھی زیادہ گھل مل کر بات نہیں کی تھی.....

البتہ موٹی عورت جو کہ شازیہ کی پھوپھی تھی..... وہ تو گویا شازیہ کے آگے بچھی جا رہی تھی..... لیکن یہ سب کچھ مجھے مصنوعی لگ رہا تھا..... محض دکھاوا.....!!

بس اس وقت چونکا، جب سارے لوگ بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے..... اور پھوپھی اس وقت بھی شازیہ سے بالکل لگ کر بیٹھی ہوئی تھی..... پھر اس نے سب کی نظر بچا کر نہایت صفائی سے کوئی چیز شازیہ کے کپ میں انڈیل دی..... اس وقت پھوپھی نے شازیہ کا دھیان اپنی طرف ہی لگایا ہوا تھا.....

''ارے پڑھائی بھی جاری رکھو بھئی.....!'' اس وقت پھوپھی نے ہنس کر کہا۔ ''انٹر کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پڑھائی مکمل ہو گئی..... اب صنوبر کو ہی دیکھ لو..... میرا پکا ارادہ ہے کہ اسے ماسٹرز ضرور کرواؤں گی.....!!''

''جی پھپھو.....!'' وہ مسکرائی۔ ''بس حالات ہی آڑے آ جاتے ہیں..... اور پھر آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں ابھی کچھ دنوں پہلے تو بیماری سے اٹھی ہوں..... ابو ابھی اسی کے قرضے میں ڈوبے ہوئے ہیں..... میں آگے ضرور پڑھوں گی..... لیکن کچھ عرصہ گیپ ہی کروں گی.....!!

''ارے بھائی جان نے تو ہمیں ہمیشہ ہی غیر سمجھا ہے.....!'' پھوپھی نے کہا۔ ''ورنہ یہ سب کچھ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے..... وہ ہر مشکل اور ہر پریشانی کو بس اپنی ہی حد تک رکھتے ہیں.....!! کبھی بتاتے بھی نہیں ہیں.....!''

''یہ تو اچھی بات ہے نا پھپھو.....!'' یہ کہہ کر شازیہ نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

اس وقت اس موٹی پھوپھی کی آنکھوں میں ایک تیز چمک لہرائی تھی..... بس فوراً میں آگے بڑھا اور شازیہ کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپ پر ہاتھ مار دیا..... کپ لڑھکا اور نیچے جا پڑا..... ساری چائے فرش پر بہہ گئی۔

پھوپھی فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ تاریک ہو چکا تھا.....

☆.....☆.....☆

شازیہ بھی اٹھی تھی..... اور فرش کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ..... یہ کیسے گر گئی.....!''

''ارے..... تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے.....؟'' ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''لاؤ..... میں صاف کر دیتی ہوں..... تم ہٹو.....!!''

''نہیں امی..... صاف تو میں کر دوں گی..... بس یوں لگا جیسے.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

پھر اس نے خود ہی ایک کپڑے سے فرش صاف کر دیا۔ ماں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ باتیں کرو..... میں دوسری چائے لا دیتی ہوں.....!''

اس کے جاتے ہی پھوپھی نے عجیب سی نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا..... صنوبر نے بھی صرف کندھے ہی اچکا دیے تھے..... شازیہ کے لیے دوسری چائے آ گئی تھی..... تھوڑی دیر بعد

بیس کے مجھے بھجوا دینا..... ثاقب ہے نا.....؟''

''ہاں..... باجی..... چبوترے پر بیٹھا ہے.....! بس ذرا جلدی سے اس کے ہاتھ بھجوا دینا.....!!''

یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کرلیا..... عجیب قسم کے رنگ بکھر گئے تھے اس کے چہرے پر..... تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازہ ایک بار پھر بج اٹھا..... لیکن اس بار گڈو کے مقابلے میں کافی بڑا لڑکا دروازے پر موجود تھا۔

وہ جھپاک سے اندر آ گیا..... اس کے ہاتھ میں ایک ڈبہ تھا، اس نے ڈبہ صنوبر کے ہاتھ میں تھمایا اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''زیبا خالہ نہیں ہیں.....؟''

''نہیں.....!'' صنوبر مسکرائی۔ ''جب ہی تو تمہیں بلایا ہے..... بہت دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کا.....!!''

''دل تو کافی دنوں سے میرا بھی چاہ رہا تھا..... تم نے اشارہ ہی نہیں دیا.....!''

''امی اب دوپہر کو گھر سے نکلتی ہی کہاں ہیں.....!'' صنوبر بولی۔ ''آج وہ صبوری آپا کے یہاں گئیں تو میں نے تمہیں بلا لیا..... وہ گھنٹے دو گھنٹے سے پہلے تو واپس نہیں آئیں گی.....!!''

''واہ..... پھر تو مزا آ گیا.....!'' ثاقب نامی لڑکے نے کہا اور جھٹ سے اس کے گرد اپنے بازو حائل کر دیے.....

صنوبر نے کوئی اعتراض نہیں کیا.....

اور پھر پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان صنوبر نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

''بس..... اب جاؤ..... امی آنے والی ہوں گی.....!!''

''اتنی جلدی..... ابھی تو.....''

''نہیں..... بس اتنا ہی کافی ہے..... جاؤ..... اب مجھے فنگر چپس کھانے ہیں.....!!''

یہ کہہ کر اس نے زبردستی ثاقب کو باہر نکال دیا..... پھر اس نے ڈبہ کھولا اور مزے سے کھانے لگی..... تھوڑی دیر بعد اس نے کمرے کا رخ کیا تھا..... الماری میں سے کپڑے نکالے اور پھر انہیں پلنگ پر ڈال کر غسل خانے میں گھس گئی.....

مجھے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا..... بڑی مشکل سے میں نے خود کو آگے بڑھنے سے روکا..... پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی تو مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وجود میں یہ اپنی آگ لگا رہا ہو.....

تھوڑی دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور صنوبر اپنے تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ باہر نکل آئی..... اس کے گیلے جسم پر کپڑوں کی ایک دھجی بھی موجود نہ تھی..... وہ ترنگ میں چلتی ہوئی پلنگ کی طرف گئی..... اب میرے لیے برداشت کرنا ممکن نہیں رہا تھا..... میں نے فوراً ہی اس کے حواس معطل کیے اور پھر عقب سے ہی اس کی طرف جھپٹا۔

اگلے ہی لمحے وہ میرے حصار میں تھی.....

☆.....☆.....☆

موٹی زیبا کی واپسی کافی دیر بعد ہوئی تھی.....

اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ دوسرے دن کسی بابا جی کے پاس جانے کا پروگرام سیٹ کے آئی تھی..... یقیناً صبوری خالہ بھی اس کے ساتھ ہوتی.....!!

اب سعدیہ کی بربادی کا کوئی نیا سامان کرنا تھا..... اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ موٹی زیبا اپنی بیٹی کے آگے سعدیہ کی جانی دشمن بنی ہوئی ہے..... اور جو رشتہ سعدیہ کے لیے آنے والا ہے..... وہ اس کے لیے صنوبر کی خواہش

ہے.....!! اور چاہتی ہے کہ اس کی شادی سعدیہ کے بجائے صنوبر سے ہو..... یہ سراسر ناانصافی تھی..... بے ایمانی تھی اور چالاکی تھی..... مجھے بھی معلوم ہوئی کہ وہ کچھ عرصے قبل پہلے بھی سعدیہ کے لیے کوئی حربہ اس بابا جی سے لے کر آئی تھی.....

دوسرے دن دوپہر میں یہ لوگ بابا جی کی طرف روانہ ہو گئے..... اتفاق سے کسی وجہ کے تحت موٹی زیبا نے صنوبر کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا..... حالانکہ صنوبر نے صاف انکار کر دیا تھا..... لیکن اس کے باوجود موٹی زیبا اسے ساتھ لے جانے پر مصر تھی..... میرا خیال ہے کہ شاید اسے اپنی بیٹی کے اکیلے پن کے ''کرتوت'' کے بارے میں کوئی سن گن مل گئی تھی.....!!

خیر..... یہ موقع میرے لیے اچھا تھا..... میں نے صنوبر کے جسم پر قبضہ کر لیا اور چپ چاپ ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گیا..... اس وقت بھی مجھے بری طرح سے قالان کی یاد آئی تھی..... اگر وہ اس وقت میرے ساتھ ہوتا، تو یقیناً اس بابا جی کی شامت آنے میں کوئی کسر نہ رہتی.....

اس بابا جی کا گھر ایک قبرستان کے قریب تھا..... دیکھنے میں وہ جعلی عامل کافی تنک منک سا تھا..... لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ شیطانی چالوں کا ماہر تھا..... اور اس نے ایسے ایسے عمل کر رکھے تھے کہ جن کی بدولت اسے کئی جادو منتر آتے ہوں گے..... اس نے بڑے غرور سے سر ہلا کر ان دونوں عورتوں کے سلام کا جواب دیا تھا۔

وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں آلتی پالتی مار کر بیٹھا ہوا تھا..... اس کمرے میں مجھے کافی عجیب و غریب چیزیں رکھی ہوئی دکھائی دیں..... کئی جانوروں کے ٹوٹے ہوئے سینگ، ان کی کھالیں اور بوتلوں میں بھرے ہوئے لال سرخ سیال کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ ان میں بھی حرام جانوروں کا خون ہوگا.....!!

نہ جانے کیوں اس نے مجھے اپنی سانپ جیسی چمک دار آنکھوں سے دیکھا تھا اور پھر موٹی زیبا کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''میں نے تمہیں سفوف دیا تھا..... وہ پلا دیا لڑکی کو.....؟''

''نہیں بابا جی.....!'' وہ تاسف سے بولی۔ ''یہی تو رونا ہے.....! میں اسے وہ سفوف نہیں پلا سکی.....!''

''کیوں.....؟ کیا ہوا.....؟''

جواباً موٹی زیبا نے معصوم سی صورت بنا کر اسے چائے والے ''حادثے'' سے آگاہ کیا۔ بابا غور سے سن رہا تھا..... اور کسی سوچ میں گم تھا..... پھر اس نے کہا۔

''ہوں..... یہ تو ضرور کوئی رکاوٹ ہے.....!!''

''کیسی رکاوٹ بابا جی.....؟''

''چائے کا گر جانا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کسی اور کے موکل بھی درمیان میں آ کودے ہیں.....!!'' بابا جی نے بتایا۔ ''اور اب پہلے مجھے یہ معاملہ دیکھنا ہوگا..... ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ اس گھر میں داخل ہو جانے کے بعد وہ سفوف خاص ضائع ہو جائے..... خیر.....! اب تم ایک ہفتے بعد میرے پاس آنا..... میں ایک اور چیز تیار کر کے دوں گا..... جس سے وہ لڑکی چھ ماہ کے اندر ہی اندر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے گی..... اور پھر تمہارے لیے راستہ صاف ہوگا..... اچھا مجھے یہ بتاؤ کہ لڑکی کون ہے.....!''

یہ کہہ کر اس بدبخت نے میری طرف اشارہ کیا..... کیونکہ میں ہی صنوبر کے روپ میں وہاں

موجود تھا اور اس بابا جی کی نحوست بھری باتیں سن رہا تھا.....

''یہ..... ارے یہ تو میری بیٹی ہے صنوبر.....!!'' موٹی زیبا ہنس کر بولی..... پھر اس نے بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا تھا..... بڈھے نے پھر میری طرف غور سے دیکھا اور بولا۔

''یہاں بھی مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔''

اس نے سر ہلایا تھا۔ ''لیکن ابھی میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے کہ میں کسی اور طرف دھیان دے سکوں..... کیونکہ ابھی میں نے قبرستان میں ایک جن کو الٹا لٹکایا ہوا ہے..... مجھے اس کو قابو میں کرنا ہے..... تاکہ پھر وہ میرے کام آسکے.....''

یہ سن کر دونوں عورتیں اس سے کافی مرعوب دکھائی دینے لگیں..... البتہ میرا حال ان کے برعکس تھا..... اس کے منہ سے اپنے قبیل کی مخلوق کا نام سن کر میں چونک اٹھا تھا..... اس کے چہرے سے تو واقعی خباثت چھلک رہی تھی..... ہوسکتا ہے کہ وہ ان لوگوں پر اپنا رعب جمانا چاہ رہا ہو..... لیکن کچھ بعید بھی نہیں تھا..... ہوسکتا ہے کہ واقعی اس فرعون کی شکل والے بڈھے نے کسی جن کو پھانس لیا ہو..... ایسے ہتھکنڈے کرنے والے عاملوں کے بارے میں نے کافی کچھ سن رکھا تھا..... یہ لوگ اپنی شیطانی قوتوں کو بڑھانے کے لیے اس قسم کے کام کرتے رہتے ہیں..... مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ ایک دفعہ بابا خاشاب نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔

''اے قوم جن.....! تمہیں انسانوں کی آبادیوں میں گھسنے کا بہت شوق ہے، تمہیں خوب صورت آدم زادیاں بہت اچھی لگتی ہیں، تم لوگ ان کے حسن پر فریفتہ ہو جاتے ہو..... لیکن ان کے عشق میں گرفتار ہونے کے بعد تمہاری بہت سی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں..... انہیں زنگ لگ جاتا ہے، اور نتیجہ یہ کہ تم کمزور ہو جاتے ہو..... ایسی حالت میں اگر کوئی عمل کرنے والا آدم زاد تمہارے مقابل آ جائے تو تم اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے..... اور پھر وہ یا تو تم پر قابو کر کے تمہیں اپنا غلام بنالیتا ہے، یا پھر جلا کر بھسم کر دیتا ہے..... اس لیے حسن اور خوب صورتی کے دھوکے میں مت آؤ..... پہلے اپنا بچاؤ کرو اور پھر کوئی قدم اٹھاؤ..... یوں تو یہ مخلوق تم سے الگ ہے، مختلف ہے..... لیکن جب تم اپنی ضد پر اڑتے ہو، تو پھر اس مخلوق کو بھی کئی خصوصیات سے نوازا گیا ہے..... تم اسے خود سے کم تر سمجھو گے تو خود ہی نقصان اٹھاؤ گے.....!!''

اور یہ بڈھا کھوسٹ شاید ایسے بس آدم زادوں میں سے تھا کہ جن سے ہمیں دور ہی رہنے کی نصیحت کی گئی تھی..... اس لیے میرا بھی اب فرض تھا کہ تھوڑی سی احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر میں اس جن کا سراغ لگانے کی کوشش کروں کہ جسے کسی درخت سے باندھ کر الٹا لٹکا دیا تھا..... اگر یہ واقعی حقیقت تھی، تو پھر اس بڈھے کو اگر میں کوئی سبق نہ سکھاتا تو شاید میں کچھ بھی نہ کر پاتا.....

چنانچہ جب یہ لوگ وہاں سے رخصت ہوئے تو تھوڑی دور آگے جا کر میں صنوبر کے جسم سے باہر نکل آیا..... اس وقت صنوبر کو جھٹکا سا لگا تھا..... اگر موٹی زیبا نے اسے آگے بڑھ کر تھام نہ لیا ہوتا تو شاید وہ زمین بوس ہوگئی ہوتی۔

''کیا ہوا صنوبر.....؟'' وہ گھبرا کر بولی تھی۔

''کک..... کچھ نہیں مما.....!'' وہ بولی۔

''چکر سا آ گیا تھا.....!''

"ارے میری بچی......!" اس نے آگے بڑھ کر اس کی بلائیں لے ڈالیں۔ "میں ابھی تجھے کسی دکان سے جوس دلواتی ہوں......"

میں نے موٹی زیبا کو گھور کر دیکھا...... دوسرے کی بیٹی کے لیے اس کے دل میں کس قدر مہلک جذبات تھے......اور اپنی بیٹی اسے کس قدر عزیز تھی......کیا فطرت تھی اس عورت کی......! وہ جس کی موت کا سامان کر رہی تھی، وہ بھی تو گوشت پوست کا وجود تھا......اس میں بھی تو جان تھی، اس کی بھی تو زندگی تھی......اب اگر وہ اسے برباد کر کے اپنی بیٹی کا گھر آباد کرنا چاہتی تھی، تو یہ باعث فخر نہیں بلکہ باعث شرم اور قابل مذمت عمل تھا......

لیکن فی الحال تو یہ منصوبہ مؤخر ہو چکا تھا...... البتہ میرے لیے یہاں ایک کام ضرور نکل آیا تھا...... میں اب اس جن کو دیکھنے کا متمنی تھا، جو بقول بڈھے کے، اس کی قید میں تھا......!!

چنانچہ میں وقت گزاری کی خاطر اس مکان کے آس پاس ہی پھرتا رہا...... پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں خود ہی قبرستان میں داخل ہو کر اس "مقید ہستی" کو تلاش کرلوں......لیکن پھر میں نے بڈھے پر ہی اکتفا کرنا مناسب سمجھا......

چنانچہ اس کے گھر کے آس پاس ہی ٹہلتا رہا...... اس دوران بہت سی باتیں مجھے بتا رہی تھیں......سب سے پہلے تو قالان تھا...... جو مجھے شدت سے یاد آ رہا تھا...... دوسری بات یہ تھی کہ آج غیاث شاہ نے بھی مجھے اپنے پاس بلایا تھا...... اور میں اس وقت یہاں ٹہل رہا تھا...... یوں بھی میں اس عالم کے معاملے میں ذرا الجھن کا شکار تھا...... نہ جانے ان کے پاس میرا جانا ٹھیک تھا یا نہیں...... اب اگر قالان موجود ہوتا، تو میں اس سے مشورہ کرتا......!! لیکن وہ تو اس وقت اس طرح غائب تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ......!! اسی وقت اچانک ہی مجھے بابا خاشاب کی کہی ہوئی ایک بات یاد آ گئی...... انہوں نے ایک عمل بتایا ہوا تھا، جسے پڑھنے کے بعد اگر کسی کو یاد کر کے اس کا نام پکارا جائے تو وہ فوری طور پر حاضر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ میں نے وہ عمل پڑھا، اس کے بعد بلند آواز میں قالان کا نام لیا...... اتفاق سے اس وقت ایک آدمی قریب سے گزر رہا تھا...... میری آواز گونجی، تو اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا...... پھر کسی کو اپنے گرد نہ پا کر وہ گھبرا سا گیا...... حالانکہ وہ کافی سہولت سے قدم اٹھا رہا تھا...... لیکن اس "واقعے" کے بعد گویا اس کے پیروں میں پہیے لگ گئے تھے...... وہ اتنی جلدی اس گلی سے غائب ہوا کہ جیسے ہوا کا جھونکا......

اور میں قسمت کی اس ستم ظریفی پر بے ساختہ ہنس پڑا...... یہ واقعی ستم ہی تو تھا...... میں جو دکھائی نہیں دے رہا تھا، محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا...... لیکن اس کے باوجود میں ان ہی کی وجہ سے آج یہاں موجود تھا...... مجھے زہرہ نامی آدم زادی کی مدد کرنے کے جرم میں قبیلے سے نکال دیا گیا تھا...... اور فی الوقت میری واپسی کی بھی کوئی صورت نہیں تھی......!! اب مجھے یہیں رہنا تھا...... اور یہ طویل دورانیہ کب اختتام پذیر ہوگا، اس کے بارے میں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں تھا......!!

ویسے میں نے ایک فیصلہ اور بھی کیا تھا، وہ یہ کہ میں اب ان انسانوں کی بستیوں میں رہنے والے جنوں سے رابطہ قائم کروں گا...... ذرا ان کے بارے میں بھی تو معلوم ہو کہ وہ کس طرح اپنی زندگیاں گزارتے ہیں......!!

میں ابھی ان ہی سوچوں میں تھا کہ بابا گھر سے نکلتا ہوا دکھائی دیا..... رات کافی گزر چکی تھی اور چاروں طرف سناٹے کا راج تھا..... میں نے احتیاطاً بابا خاشاب کا بتایا ہوا عمل پڑھا اور اپنے گرد حفاظت کا حصار کھینچ لیا..... بابا جی دبے قدموں سے گلی سے گزرنے کے بعد قبرستان میں داخل ہو گیا..... یہاں بھی اندھیرے کا راج تھا..... صرف چاندنی کی روشنی ملتی جس کے دودھیا رنگ میں یہ ماحول کافی پر ہیبت دکھائی دے رہا تھا.....

میں بابا جی سے قدرے فاصلے پر آگے ہی چل رہا تھا..... نہ جانے وہ کیسا انسان تھا.....! اس کے چہرے پر مجھے اس ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا..... وہ پرسکون انداز میں آگے بڑھ رہا تھا.....!! اس کا رخ اس قبرستان کے بائیں جانب والے احاطے کی طرف تھا..... جس کی دیوار کی سمت قطار میں درخت لگے ہوئے تھے.....

پھر وہ ایک درخت کے قریب جا کر رکا..... اس نے گردن اوپر کی..... پھر وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہا تھا..... اس کی آنکھیں بند تھیں..... لیکن جب تھوڑی دیر بعد اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا تو ان کی سرخی اور چمک مجھے دور سے ہی محسوس ہو رہی تھی..... اف.....! کس قدر خوفناک چہرہ تھا اس کا..... مجھے شیطانوں کا وہ ٹولہ یاد آ گیا، جس کا نام عفریت تھا..... اس کا کام ہی جنوں کو مختلف طور سے پریشان کرنا اور ہراساں کرنا تھا.....!!

اس وقت یہ بوڑھا مجھے عفریت ہی دکھائی دے رہا تھا..... اس نے ایک بار پھر گردن اوپر کی تھی..... اس کے ہونٹوں پر اس وقت ایک مسکراہٹ عود کر آئی تھی..... نہ جانے وہ اس درخت میں کیا ڈھونڈ رہا تھا۔

''اوہ.....'' میرے ذہن میں کوندا سا لپکا۔'' اس نے بتایا تھا کہ کسی جن کو اس نے لٹکایا ہوا ہے..... تو کیا..... اس نے اسی درخت سے کسی کو لٹکا رکھا ہے.....؟''

اور پھر اس سوال کا جواب بھی مجھے خود ہی مل گیا۔ کیونکہ اس وقت بابا جی نے با آواز بلند کہا تھا۔

''بول ناہنجار.....! اب بھی تیری عقل ٹھکانے آئی کہ نہیں.....!!''

دوسری طرف سے کوئی سرگوشی سی ابھری تھی..... جسے میں دور ہونے کی وجہ سے سن نہیں سکا تھا..... اب بابا جی نے سر ہلا کر کہا تھا۔

''ٹھیک ہے..... پھر اسی طرح لٹکا رہ.....!! میں بھی تیری اس سزا میں اضافہ کر رہا ہوں اور اب پرسوں آؤں گا..... سوچ لے..... اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کر لے.....! تو اسی طرح لٹکے رہنا پسند کرے گا یا پھر تجھے میری خدمت کرنا منظور ہے.....!! میں جا رہا ہوں.....!!''

یہ کہہ کر بوڑھا بابا جی واپسی کے لیے مڑ گیا..... میں فوری طور پر پیچھے ہٹ گیا تھا..... حالانکہ میں انسانی آنکھ سے پوشیدہ تھا..... اس کے باوجود اس بڈھے کی ہیبت میرے دل پر حاوی ہو گئی تھی..... دھڑکا سا تھا کہ کہیں اس کم بخت نے مجھے دیکھ لیا تو گلے نہ پڑ جائے..... پہلے ہی وہ میرے ایک ''ہم خلق'' کو نشانہ بنائے بیٹھا تھا..... چنانچہ جب وہ دور چلا گیا تو میں آہستگی سے قدم اٹھاتا ہوا درخت کی طرف بڑھا.....

اور پھر حیرت کا ایک سمندر گویا میرا منتظر تھا..... کیونکہ درخت پر الٹا لٹکنے والی ہستی قالان

کے علاوہ اور کوئی نہ تھی..... میں پتھر کا بت بن کر رہ گیا۔

☆.....☆.....☆

بعض مقامات پر ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے..... حالانکہ ہم مافوق الفطرت مخلوق ہیں..... ہمیں آگ سے بنایا گیا ہے اور ہم خاص قسم کی بصارت کے علاوہ اور کسی کو دکھائی بھی نہیں دیتے..... ہمیں عام سی آنکھ نہ تو دیکھ سکتی ہے اور نہ محسوس کر سکتی ہے..... ہمارے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ ہمیں کچھ دانشور دیکھ لیتے ہیں..... لیکن یہ روایت قطعی غلط ہے..... ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی سونگھنے کی حس بے حد تیز ہوتی ہے..... اسی وجہ سے وہ ہماری بو کو محسوس کر لیتے ہیں..... کتے کا بھونکنا اور گھوڑے کا بدکنا اسی زمرے میں آتا ہے..... کیونکہ ان میں سونگھنے کی کافی ''تمیز'' ہوتی ہے.....

فی الحال تو اس بحث میں پڑنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے..... کیونکہ میرا پیارا دوست قالان اس وقت کافی نازک حالات سے گزر رہا تھا..... میں قریب گیا تو اس کی آنکھیں بند تھیں۔

''قالان..... قالان.....!'' میں نے آواز لگائی۔

اور جیسے ہی میری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو یہ کہنا قطعی غلط نہ ہوگا کہ اس نے آنکھیں کھولی تھیں..... کیونکہ کھولنا تو ایک قدرتی عمل ہے..... اس نے تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھا تھا.....

''یہ آواز تو رباظ کی ہے..... اوہ..... اوہ.....! رباظ..... یہ..... یہ تم ہو.....؟''

''ہاں میرے دوست..... میں ہی ہوں.....!''

''اوہ..... مجھے..... کس قدر خوشی ہو رہی ہے..... لیکن تم مجھے الٹے کیوں دکھائی دے رہے ہو.....!'' شاید اس کے ہواس قابو میں نہیں تھے.....

''ایسا تو ہوگا نا.....!'' میں نے سر ہلایا! ''تمہیں الٹا جو لٹکا دیا گیا ہے.....!''

''اوہ ہاں.....'' وہ چونکا۔ ''یہ تو میں بھول ہی گیا..... اس خبیثوں کے سردار نے مجھے یہاں لٹکایا ہے..... اف..... میرے پیروں میں بھی کتنی تکلیف ہو رہی ہے..... اف.....!!''

''میں..... تمہیں کھولوں کیسے.....؟'' میرے منہ سے نکلا۔

''یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے.....'' وہ بولا۔ ''جو گرہ اس بڈھے طوطے نے لگائی ہے، وہ یا تو بابا خاشاب کھول سکتا ہے یا پھر سلالیس.....!!''

''یہ بھی عالم ہے..... لیکن اس کی رہائش انسانی آبادی میں ہے.....'' اس نے بتایا۔ ''بابا خاشاب کو ڈھونڈنا تو مشکل ہے، کیونکہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے..... البتہ سلالیس آسانی سے دستیاب ہو جائے گا..... برائے مہربانی تم میرا یہ کام کر دو، تاکہ مجھے اس عذاب سے نجات ملے..... پھر میں اس بڈھے کھوسٹ سے تو نمٹ لوں گا۔''

''ہاں یار.....!'' میں نے کہا۔ ''کافی خطرناک ہے یہ موذی.....! ایک لڑکی کے لیے نہ جانے کیا کیا عمل کرتا پھر رہا ہے..... بے وجہ اس کی جان کے درپے ہے..... کل بھی میں نے اس کے ایک حربے کو توڑا ہے، ورنہ وہ بے چاری ضرور کسی دشواری میں پڑ جاتی۔''

''مجھے ایک بات بتاؤ.....!'' قالان نے پھر

مجھے گھورا۔

''ہاں..... کہو.....!''

''تم ان آدم زادیوں کی فکر زیادہ نہیں کرنے لگے ہو..... پہلے تو وہ زہرہ تھی اور اب کون ہے.....؟''

''سعدیہ.....!'' میں نے سادگی سے جواب دیا۔

''تمہارے لچھن مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے.....!''

''لچھن.....؟؟'' میں نے حیرت سے دہرایا۔

''ہاں..... انسانی لفظ ہے..... تمہیں بھی جلد ہی یہ بولی آجائے گی..... چلو اب جلدی کرو..... کیا میں یونہی لٹکا رہوں گا.....؟''

''او..... ہاں.....'' میں چونکا۔ ''مجھے ذرا اس کا پتا تو بتاؤ.....!''

''ہاں..... غور سے سنو.....!'' قلان بولا۔ ''جہاں شہری آبادی کا اختتام ہوتا ہے..... وہیں درختوں کے درمیان ایک ڈاک بنگلہ موجود ہے..... اس میں سلالیس موجود ہوگا..... ظاہری طور پر وہ عرصہ دراز سے ویران جگہ ہے..... جہاں شاید کوئی آدم زاد قدم رکھنے سے گھبراتا ہے.....!''

''کیوں.....؟''

''ارے بھئی..... ہمارے لیے عفریت اور ان کے لیے آسیب.....!! بات برابر..... یار اب تم جاؤ نا.....! مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ آدم زادوں میں رہ کر تم باتیں زیادہ کرنے لگے ہو.....''

''اور کام کم.....! کیوں.....؟'' میں ہنسا۔

''یار..... کچھ خیال کرو.....!'' وہ التجا کرنے لگا..... پھر میں نے سنجیدگی سے سر ہلایا اور وہاں سے باہر نکل گیا.....

مجھے اس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں ہوا تھا..... لیکن سلالیس سے پہلے مجھے اس کی بیٹی سے ملاقات کرنی پڑی..... اسے دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ واقعی خوب صورتی صرف آدم زادیوں کی وراثت نہیں ہوتی..... عائقہ بس کچھ ایسی ہی نازک اندام پری کی مانند تھی..... گو کہ اس نے مجھے کافی غور سے دیکھا تھا اور پسندیدگی کا عنصر بھی مجھے اس کی آنکھوں میں دکھائی دیا..... لیکن پھر فوراً ہی اس نے بے رخی اختیار کرلی تھی اور بولی۔

''ابا حضور ابھی مصروف ہیں.....! مل نہیں سکتے.....!''

''مصروفیت کی نوعیت کیا ہے.....؟'' میں نے پرسکون لہجے میں پوچھا۔

''کیا مطلب.....؟''

''کس بات کا مطلب بتاؤں.....؟ مصروفیت کا یا نوعیت کا.....!''

''مطلب بتانے کی ضرورت نہیں پڑے گی اگر الفاظ میں سادگی کا استعمال کرو.....!''

''دیکھو عائقہ..... بات دراصل یہ ہے کہ ایک جن زاد اس وقت مشکل میں پھنسا ہوا ہے اور اس نے تمہارے ابا کا پتا بتا کر مجھے یہاں بھیجا ہے.....!''

''اوہ اچھا.....! کیا ہوا اسے.....؟'' عائقہ نے چونک کر پوچھا۔

میں نے تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ بے تحاشہ ہنسنے لگی..... میں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''اس میں ہنسنے والی کیا بات ہے.....؟''

''اب میں نے رونا چھوڑ دیا ہے..... کیونکہ یہ تو روز کا ہی معمول بن گیا ہے..... کسی نہ کسی آدم زادی کے چکر میں کوئی نہ کوئی جن کہیں نہ کہیں

ضرور لٹکا ہوتا ہے.....!!''

''ایسا ہرگز نہیں ہے.....'' میں نے قالان کی حمایت لی۔ ''اسے ایک نوسر باز نے جکڑ رکھا ہے.....!!''

''میں مان لیتی ہوں..... لیکن اس نے بھی تمہارے دوست کو کسی آدم زادی کی زلفوں سے ہی نکالا ہوگا..... ورنہ اس طرح کسی جن زاد کو پکڑ لینا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔''

یہ سن کر میں خاموش ہو گیا..... کیونکہ اس تماشے کی تفصیل تو مجھے خود بھی معلوم نہیں تھی..... بہرحال پھر مجھے عائقہ کی کافی منت سماجت کرنی پڑی تھی..... تب کہیں جا کر وہ مجھے ایک کمرے میں لے آئی جہاں ایک لمبا تڑنگا جن زاد بیٹھا ہوا عبادت میں مصروف تھا..... یہی سلایس تھا.....!!

میں اس کے قریب ہی ادب سے بیٹھ گیا..... اس نے اکڑی ہوئی سی گردن کے ساتھ مجھے گھور کر دیکھا اور بولا۔ ''ہاں بھئی..... کیا پریشانی لاحق ہے.....؟''

اب میں نے اسے بھی قالان کے بارے میں بتایا..... وہ سر ہلا کر بولا۔

''ابھی کم از کم پندرہ دن تو اسے لٹکنے ہی دو تو چھا ہے.....!''

''کیا مطلب.....؟''

''میرا مجلّہ کافی بڑا ہے.....'' وہ منہ بنا کر لا۔ ''اس لیے میں یہ ہرگز نہیں پوچھوں گا کہ کس ت کا مطلب بتاؤں.....!''

میں سر کھجا کر رہ گیا..... اس کا مطلب یہ تھا کہ عائقہ سے ہونے والی بات چیت کے بارے ں بھی اسے علم تھا، کیونکہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی میں سے یہ بات کہہ چکا تھا..... اس کا مطلب یہ تھا کہ سلایس کافی شاطر جن زاد تھا..... آنکھیں اور کان کھلے رکھنے والا اور معاملے کو فوراً ہی سمجھ لینے والا..... چنانچہ میں جلدی سے بولا.....

''میرا مطلب یہ ہے کہ ایک آدم زاد نے اسے یہ سزا دی ہے..... پھر اس میں ہم بھی شامل ہو کر اسے طول کیوں دیں.....؟''

''وہ اسی قابل ہے.....'' سلایس بھنا کر بولا۔ آئے دن اس کا یہی کام ہے..... وہ نئی نئی آدم زادیوں کے چکروں میں پھنس کر ایسے ہی پھنستا ہے.....!!''

''وہ تو آپ کی بات ٹھیک ہے.....'' میں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پینترا بدلا۔ ''لیکن اس نے بڑی حسرت اور امید کے سہارے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے..... اور بابا خاشاب نے بھی آپ کی بہت تعریف کی تھی..... یہ تو خیر مجھے بھی اندازہ ہے کہ آپ بہت لائق فائق ہو..... اور دور دور تک آپ کی حکمت اور ذہانت کے بڑے چرچے ہیں..... آپ کا نام سنا تھا..... لیکن آج قالان کے الٹے منہ سے..... مم..... مطلب یہ کہ قالان کے منہ سے آپ کا نام سنا تو سوچا کہ چلو اس بہانے آپ سے ملاقات بھی ہو جائے گی.....!!''

''ارے..... میں کیا ہوں.....!'' سلایس انکساری سے بولا۔ ''یہ تو بس تم لوگوں کی دعائیں ہیں..... اچھا یہ بتاؤ کہ کہاں ہے قالان.....؟''

تیر بالکل نشانے پر بیٹھا تھا..... چنانچہ میں نے جلدی سے اسے قالان کے ''محل وقوع'' سے آگاہ کیا..... اس نے آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھائی کی..... تھوڑی دیر بعد اس نے مجھے مخاطب کیا۔

''اب تم جاؤ..... اور اسے جا کر کھول دو..... پھر کسی دن فرصت میں تم دونوں میرے پاس آنا..... چند ضروری اور اہم باتیں بتاؤں گا.....

جو آئندہ تم لوگوں کے کام آئیں گی.....!!''

''جی..... ہم پہلی فرصت میں حاضر ہوں گے.....!!''

''اب جاؤ.....!!''

میں اٹھ کر فوراً ہی باہر آ گیا..... یہاں عائفہ میرا ہی انتظار کر رہی تھی..... اس نے عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھا اور بولی۔

''دوبارہ جلدی آنے کی کوشش کرنا.....!!''

یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی..... پھر جلدی سے گھومی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی..... میں ساکت کھڑا رہا..... پھر میں نے ایک طویل سانس لی اور نہ جانے کیوں کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح گردن جھکا کر باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

قالان شدت سے میرا منتظر تھا..... اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔

''تم نے اتنی دیر لگا دی.....!''

''اگر تم یہ بات نہ کرتے تو شاید میں تمہیں حقیقت سے آگاہ نہیں کرتا.....'' میں نے کہا۔ ''لیکن اب میں بتا دوں کہ دیر ہونے کی وجہ خود سلالیس تھا..... وہ تو تمہاری مدد کرنے کو تیار ہی نہیں ہو رہا تھا.....!''

''کیوں.....'' قالان چونکا۔

''اس کا کہنا تھا کہ تمہاری روز کی یہی کہانی ہے۔''

''اچھا..... پھر.....!'' قالان نے غور سے مجھے دیکھا۔

''پھر یہ کہ میں نے مسکا لگایا اور اس کی تعریفوں کے پل باندھے تو وہ تمہاری مدد کرنے پر آمادہ ہوا.....!!''

''ارے وہ ایسا ہی ہے.....!'' قالان نے منہ بنایا۔ ''تھوڑا سا نخرے باز ہے لیکن کافی کام والا..... یہ تو سچی بات ہے کہ میں نے اکثر اس سے اپنے پھنسے ہوئے کام نکلوا لیے ہیں..... ارے بھئی..... کیا میں یونہی لٹکتا رہوں گا.....؟''

اسے یاد آیا، تو میں بھی چونک اٹھا..... پھر میں نے جلدی جلدی اس کے پاؤں کھولے جو درخت کی چھال سے بندھے ہوئے تھے..... اگر میں اسے تھام نہ لیتا تو وہ سر کے بل زمین پر آ رہتا..... اسی بناء پر میرا توازن بھی بگڑا اور پھر ہم دونوں ہی ایک دوسرے پر جا پڑے..... قالان میرے نیچے تھا..... چنانچہ وہ کراہ کر بولا۔

''ابے بڈھے.....! تیری ایسی کی تیسی.....!!''

''میں تو ابھی جوان ہوں قالان.....!'' میں نے حیرت سے کہا۔

''میں تمہیں نہیں..... بلکہ اس صورت حرام کو یاد کر رہا ہوں.....'' وہ بڑبڑایا۔

پھر وہ لڑکھڑا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا..... اس نے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا۔

''نہ جانے اس دن کس کی شکل دیکھی تھی..... آہ.....!!''

''ہوا کیا تھا.....؟''

''بتا دوں گا.....!'' اس نے سر ہلایا۔ ''ذرا اس سے نمٹ لوں.....!''

یہ کہہ کر وہ مجھے ساتھ لے کر اس کے گھر کی طرف آ گیا..... میں سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے گا..... عین اسی وقت اس نے غصے کے عالم میں آ کر سانپ کا روپ دھار لیا..... میں ششدر رہ گیا..... کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کا اب کیا ارادہ ہوگا..... سانپ اب لہراتا ہوا گھر

کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا.....!!

☆.....☆.....☆

میں ساکت و جامد کھڑا ہوا تھا..... مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ قالان یہ انتہائی قدم بھی اٹھانے سے کوئی گریز نہیں کرے گا..... جلد ہی سانپ کی واپسی ہوئی، پھر چند ہی لمحوں بعد قالان میرے سامنے کھڑا ہو کر مسکرا رہا تھا.....

''خس کم، جہاں پاک.....'' اس نے ہاتھ جھاڑے۔ ''میں نے اس کی رگ رگ میں زہر اتار دیا.....!!''

''لیکن..... تم نے ایسا کیوں کیا قالان.....؟ اس بڈھے کی جان کیوں لی.....؟''

''ایک تو ویسے بھی وہ عمر کے آخری حصے میں چل رہا تھا..... اور دوسری بات یہ ہے کہ اب نہ تو اس کے شر سے جنوں کو کوئی خطرہ ہوگا اور نہ ہی انسانوں میں سے وہ کسی کی زندگی برباد کر سکے گا.....! وہ اس وقت غفلت کے عالم میں سو رہا تھا..... میں نے اسے تڑپنے کا بھی موقع نہ دیا.....!!''

''ہوں.....!! اب کیا کرو گے.....؟''

''بس مزے کریں گے اور کیا کرنا ہے.....!''

''مجھے تم سے ایک مشورہ کرنا تھا.....!'' میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

''کیا مشورہ.....؟''

''یار مجھے خاشاب نے ایک آدم زاد سے ملنے کا مشورہ دیا تھا.....!''

''کس سے.....؟''

''غیاث شاہ سے.....!''

''یہ کون ہے.....؟'' قالان نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

''جیسی حیثیت خاشاب کی ہمارے درمیان ہے، وہ آدم زادوں میں اس حیثیت کا حامل ہے.....!''

''لیکن تم اس سے مل کر کیا کرو گے.....!''

''یہ تفصیل مجھے خاشاب نے نہیں بتائی.....!''

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔'' قالان کے لہجے میں الجھن تھی۔

''ویسے میں غیاث شاہ سے ملاقات کر چکا ہوں..... لیکن اس وقت میں انسانی روپ میں تھا..... اس کے باوجود اس نے مجھے پہچان لیا اور میرا نام لے کر مجھے پکارا۔

'اوہ..... اس کا مطلب ہے کہ وہ خاصا خطرناک آدمی ہے..... اس سے بچ کر رہو تو اچھا ہے..... تم خاشاب کی باتوں میں مت آؤ..... ایسا نہ ہو کہ تم بھی میری طرح کہیں الٹے لٹکے ہوئے نظر آؤ..... بعض انسان واقعی اتنے خطرناک ہیں کہ خدا کی پناہ..... غیاث شاہ کے پاس تو پھٹکنے کی بھی ضرورت نہیں ہے..... اس آدمی سے جتنا دور رہو، اتنا ہی اچھا ہے.....!!''

''لیکن یہ بات تو بابا خاشاب کی کہی ہوئی ہے.....!''

''ارے تو کیا پتھر کی لکیر ہوگئی.....'' قالان بھنا گیا۔ ''بابا خاشاب جیسا خود ہے، ویسا ہی وہ ہر ایک کو سمجھتا ہے..... میں جانتا ہوں کہ اس کے تعلقات کافی وسیع ہیں اور آدم زادوں تک اس کی بالمشافہ رسائی ہے..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے سمندر میں چھلانگ لگا دی جائے..... فی الحال اس کا خیال دل سے نکالو، اور کچھ سوچو.....!!''

میں خاموش ہوگیا..... قالان میری طرف دیکھ رہا تھا..... دفعتاً مجھے ایک بات یاد آ گئی.....

(اس دلچسپ اور تحیر خیز آپ بیتی کا اگلا حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجئے۔

احمد پور شرقیہ سے ارسال کردہ لاجواب مزاحیہ تحریر

مرزا صاحب

رزق کو کھانے کے انتظار میں پڑا نہیں رہنا چاہیے۔'' حالانکہ خود گھر میں مہمان آجانے کی صورت میں اس کے چلے جانے تک کھانا مؤخر کر دیتے ہیں.....

عالی مان آفاقی

''اسے آپ ہماری بدقسمتی کہہ لیں یا 'مرزا صاحب' جو کہ 'بسیار خوری' کی صفت میں لاثانی ہیں، کی خوش قسمتی کہ ہم ان کے پڑوسی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ ہمارے پڑوسی ہیں۔ کیونکہ ان کے ہر انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں پڑوسی کے متعلق جتنے بھی حقوق ہیں سب ان کو ہی جاتے ہیں۔ ہمارا ان پر کوئی استحقاق نہیں۔

مجال ہے جو کبھی ان کے گھر سے 'سہ وقتی' پکوان میں سے کچھ حصہ بطور 'تبرک' ہی ہمارے گھر بھیجا گیا ہو۔

حلیے کے اعتبار سے کافی کنجوس واقع ہوئے ہیں۔ داڑھی کے بال تو سرے سے ناپید ہیں۔ سر کے بال رکھنے کا تکلف بھی کبھی نہیں کیا۔

بقول ان کے..... ''میاں! بالوں کے لیے تیل وغیرہ کا خرچہ کون برداشت کرے؟ ہم گنجے ہی بھلے۔''

صابن اور کنگھا وغیرہ کے اخراجات سے اس طور بچ جاتے ہیں کہ گنج پر صرف 'ٹاکی' پھیرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس کام میں جو 'قوت بازو' صرف ہوتی ہے، اس کا اظہار چمکدار گنج پر کسی 'رن وے' پر بھاگتے جہاز کی طرح اپنے ہاتھ کی پھسلن سے کرتے ہوئے لوگوں سے داد وصول کرتے ہیں۔

اپنی 'تیر مار کہ' پالتو مونچھوں کے ساتھ وہ تقریبا ہر قسم کی محفل میں جاتے ہیں، لیکن کبھی بھی کسی محفل کی شان نہیں رہے۔ بس گہرے گہرے سانس لے کر کھانے کے قریب یا دور ہونے کا اندازہ لگاتے رہتے ہیں۔

ان کے نزدیک کھانا سامنے آتے ہی اس پر ٹوٹ پڑنا تہذیب کی علامت ہے۔

بقول ان کے..... ''رزق کو کھانے کے انتظار میں پڑا نہیں رہنا چاہیے۔'' حالانکہ خود گھر میں مہمان آجانے کی صورت میں اس کے چلے جانے تک کھانا مؤخر کر دیتے ہیں۔

اکثر ان کو محلے داروں کا دروازہ کھٹکھٹا کر علی الاعلان روٹی کے ساتھ کھانے کے لیے ایک عدد پیاز مانگتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ تاکہ سننے والے باخبر ہو جائیں کہ ان کے گھر میں فی الحال کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا

کوئی ان کے گھر مہمان ہونے کی زحمت نہ کرے۔

کھانا کھاتے ہوئے ان کی پھنکار نما آوازیں سن کر ہم انہیں بیل گائے کی قبیل کا کوئی فرد نہیں کہہ سکتے' حالانکہ نتھنے کافی پھیلاؤ میں رکھتے ہیں۔

ان کو کھانے پر بلائے جانے کے علاوہ کسی موقع پر مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ کھانے کی دعوت دینے والا خوش نصیب ان کی باچھوں سے لے کر کانوں تک کی مسکراہٹ سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔

'آمدم برسر مطلب' صرف ایک ہی زحمت دیتے ہیں۔

''اخاہ! میاں آج کیا پکا ڈالا؟ لانا ذرا..... بڑی عمدہ خوشبو اٹھ رہی ہے۔''

اب ہم خوشبو کو اٹھنے سے باز رکھنے سے تو رہے، سو پکا پکایا ان کے سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ تب ان کے سوکھے سے منہ کی عمارت کا دروازہ کھلتے ہوئے دیکھنا دن بھر کا انوکھا تجربہ ہوتا ہے، جہاں سے جا بجا ابھری ہوئی لال رنگ کی بتیس عدد اینٹیں صاف نظر آتی ہیں۔ جواب میں ہماری مسکراہٹ دیکھنے والی ہوتی ہے۔

''بندے کو مسکراتے رہنا چاہیے۔''

یہ ان کا آخری کلام ہوتا ہے۔

پھر پھنکاریں.....

□□.....❁.....□□

ہابیل اور قابیل

یہ کیس ایک زمیندار گھرانے کا تھا۔ جن کے بڑے بیٹے ہارون کو پُراسرار انداز میں یوں قتل کیا گیا تھا کہ نہ ہی لاش مل رہی تھی اور نہ ہی قاتل' مقتول کے باپ نے قاتل کو پکڑنے کے لیے یقین دہانی کرا رکھی تھی کہ پیسہ پانی کی طرح بہانے کو تیار ہوں بس قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے

حنا بشری: راوی/ اقبال حسن

''اور پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تا کہ اسے بتا سکے کہ کیسے اپنے بھائی کی لاش کو چھپانا ہے۔'' (القرآن)

اس سے قتل ہو گیا ناحق قتل..... اور قتل بھی کس کا؟ اپنے بھائی کا..... اپنے خونی رشتے کا..... وہ گھبراہٹ کا شکار تھا..... مگر یہ گھبراہٹ ہوئی بھی تو کب؟ جب اس سے یہ گناہ سرزد ہو گیا..... گناہ بھی وہ جس کے بارے میں واشگاف الفاظ میں کہہ دیا گیا ہے۔

''ایک انسان کا قتل گویا پوری انسانیت کا قتل ہے۔''

جب اس سے یہ ظلم ہو گیا تو افسوس سے اس نے اپنا سر پیٹ لیا مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ بس اب تو اسے اپنا ظلم دنیا کی نظروں سے چھپانے کی فکر تھی۔ اپنے راز پر پردہ ڈالنے کی فکر..... اب جو تدبیر اس کے دماغ میں بیٹھے ابلیس نے بتائی وہ ایسی سفاک و بہیمانہ تھی کہ ہر چشم دیدہ نم ہو گئی۔ ہر سماعت میں گویا سیسہ اتار دیا گیا..... اور ہر قلب وحشت بحری بن گیا۔

☆.....☆.....☆

اسلام آباد سے میری تعیناتی لاہور کر دی گئی جس کا میں خواہش مند ہرگز نہیں تھا وجہ یہ تھی کہ لاہ کے کیسز اس قدر الجھاؤ اور پیچیدگی کا شکار ہوتے کہ اگر زیادہ گہرائی سے کسی کیس کی تحقیق میں اتر تو فوراً ہی اوپر سے آرڈر اور سفارش آنا شرو ہو جاتی..... اور کام جہاں بھی پہنچا ہوتا تو 'ٹھپ' کر پڑتا۔ ویسے تو ایسے معاملات ہر شہر میں ہی ہو جا ہیں مگر لاہور اس میں 'نمبر ون' ہے۔

میرا مزاج سچائی کو جاننا..... چھپی حقیقتوں کو نقاب کرنا اور قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانا تھا۔ جب اوپر سے دباؤ پڑتا تو مجھے خود کو جبراً روکنا پڑتا جو میرے مزاج کے بھی خلاف تھا اور فطرت بھی..... سو میں نے خود کہہ کر اپنا ٹرانسفر اسلام آ میں کروایا۔ مگر اعلیٰ حکام نے دوبارہ مجھے داتا کی نگر میں بھیجنے کا حکم صادر کیا تو میں احتجاج پر اتر آیا۔ میر لاکھ کوششوں کے باوجود بھی میری تعیناتی لاہور ہو

رہی۔ وجہ جو بیان کی گئی وہ یہ تھی کہ ایک کیس بہت اُلجھا ہوا اور پیچیدہ تھا۔ بہت سے افسر قاتل کو پکڑنے میں ناکام رہ گئے تھے۔ میرے افسر میری خداداد ذہانت اور معاملہ فہمی کے قائل تھے۔ سو یہ کیس مجھے سونپ دیا گیا..... ساتھ ہی یہ ضمانت بھی دی گئی کہ دورانِ تفتیش کسی قسم کی کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی اور مجھے میرا کام آزادی سے کرنے دیا جائے گا۔ سو رضامند ہونا میرے لیے سہل ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

یہ کیس ایک زمیندار گھرانے کا تھا۔ جن کے بڑے بیٹے ہارون کو پُراسرار انداز میں یوں قتل کیا گیا تھا کہ نہ ہی لاش مل رہی تھی اور نہ ہی قاتل..... مقتول کے باپ نے قاتل کو پکڑنے کے لیے یقین دہانی کرا رکھی تھی کہ پیسہ پانی کی طرح بہانے کو تیار ہوں بس قاتل کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے ان کے چھوٹے بیٹے قاسم نے مقتول کے چند دوستوں کے علاوہ اپنے تایا زاد پر بھی شک ظاہر کیا تھا۔ مجھ سے پہلے جو افسران مشکوک افراد سے تفتیش کر چکے تھے وہ قاتل کو فی الحال پکڑنے میں ناکام رہے تھے۔ وہ سب مشکوک افراد ابھی بھی 'ملزم' ہی تھے ایک ثبوت بھی انہیں 'مجرم' ثابت کر کے تختہ دار پر پہنچانے والا نہیں مل سکا تھا۔

قتل ہوئے ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ بہت سی جگہوں پر لاش کی تلاش کی جا چکی تھی مگر پولیس ناکام رہی تھی۔ یہ بات واضح تھی کہ قاتل بے حد شاطر اور عیار تھا۔

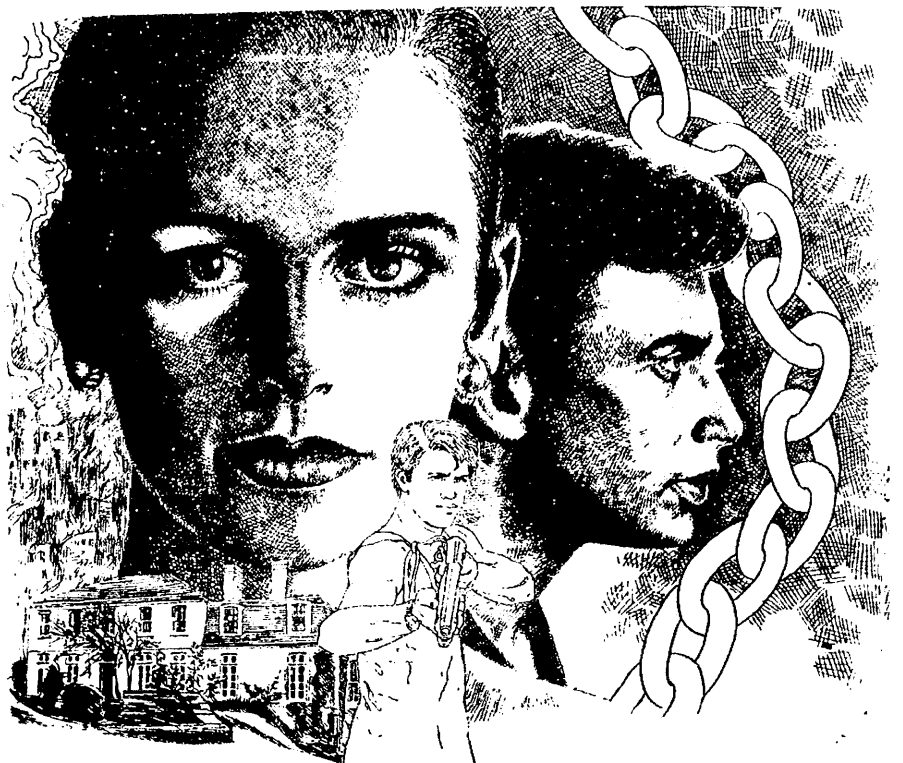

''خدا کے لیے ایس پی صاحب میرے بھائی کے قاتل کو ڈھونڈ نکالیں۔ میں اسے پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' یہ مقتول کا بھائی قاسم تھا۔ مقتول کے بوڑھے ماں باپ اور بیوی بچے تو غم سے نڈھال تھے ہی اس کا چھوٹا بھائی بھی گہرے صدمے سے دوچار تھا۔ وہ اس سلسلے میں کئی بار مجھ سے مل چکا تھا۔ روز ہی کسی نہ کسی فرد پر شک ظاہر کر کے مجھے مجرم تک پہنچنے کے لیے معلومات فراہم کرتا تھا۔ بکھرے بال' گریبان و آستین کھلے ہوئے اور گرد آلود جوتے ظاہر کرتے کہ وہ سارا دن قاتل کی تلاش میں ہی سرگرداں رہتا ہے۔ مجھے قاسم نے قتل کی رات کی کہانی یہ بتائی۔

''اس رات سارا خاندان دوسرے شہر شادی میں گیا تھا۔ گھر پر صرف مقتول ہی تھا کیونکہ اس کی طبیعت چند روز سے ناساز تھی۔ اس وجہ سے وہ شادی میں شریک نہ ہوسکا۔ اس رات اگر گھر پر کوئی تھا تو سرونٹ کوارٹر میں بوڑھا چوکیدار..... جس کو قاتل نے واردات سے پہلے پوری ہوشیاری سے سر پر پستول کا بٹ مار کر بے ہوش کر دیا تھا اور یہ بات بھی چوکیدار نے مجھے بتائی۔

''بزرگو..... اُس شخص کا حلیہ یاد ہے؟'' میں نے تفتیش کا آغاز چوکیدار سے ہی کیا۔ اس کے سر پر ابھی بھی زخم تھا..... وہ اپنے کوارٹر میں تھا اس لیے میرا پہلا شک اس پر ہی گیا کہ سن رکھا ہے کہ بھیدی ہی لنکا ڈھاتے ہیں۔

''صاب..... اُس آدمی نے سر سے پیر تک خود کو چادر میں چھپا رکھا تھا..... یہاں تک کہ اپنا چہرہ بھی..... آنکھیں بھی واضح نہ تھیں۔''

''اُس کی آواز کیسی تھی؟'' میں بہت سے کیسز میں مجرموں کو ان کی آوازوں کے ذریعے بھی پکڑ چکا تھا اور یہ اس شعبے میں میرا ہی خاصا تھا..... میرے افسر میری اس صلاحیت پر اکثر حیران رہ جاتے کیونکہ ہر کسی میں یہ ٹیلنٹ نہیں ہوتا۔

''صاب..... وہ گونگا تھا۔'' مجھے چوکیدار کی یہ بات کچھ معنی خیز سی لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ایک ملاقاتی گھر کے مکین سے ملنے آئے وہ بول بھی نہ سکتا ہو..... تو پھر کیسے اس نے اپنے آنے کا مقصد بتایا اور یہ کہ کس سے ملاقات مطلوب ہے..... مطلب کوئی تو طریقہ اختیار کیا ہوگا۔

''جی صاب..... اس نے کاغذ پر اپنا نام اور آنے کا مقصد لکھ کر دیا تھا۔'' یہ بات چوکیدار نے بتائی۔ اب مجھے اس کاغذ کی تلاش کرنی تھی کیونکہ بقول چوکیدار کہ اس نے وہ جا کر ہارون کو دے دیا تھا۔

''اس کے علاوہ اور کچھ؟'' قاتل کی تلاش کے لیے یہ کاغذ' اس کی ہینڈ رائٹنگ اور اس پر درج نام کوئی بہت مضبوط ثبوت نہیں تھے۔ کیونکہ ہینڈ رائٹنگ بدلی بھی جاسکتی ہے اور نام بھی فرضی بتایا جاسکتا ہے۔ مجھے اس شاطر قاتل کے بارے میں کچھ اور جاننا تھا تاکہ میں اس تک باآسانی پہنچ سکوں' چوکیدار کے مطابق اس نے خود کو مکمل طور پر چھپا رکھا تھا آنکھیں بھی اندھیرے کی وجہ سے زیادہ واضح نہیں تھیں۔

''ہاں صاب..... ایک چیز تھی۔'' اور پھر جس چیز کا ذکر چوکیدار نے کیا میں نے اسے دماغ کے کمپیوٹر میں محفوظ کرلیا مگر یہ ثبوت بھی ابھی ناکافی تھا۔ مجھے مزید ثبوت اکٹھے کرنے تھے۔ سب سے پہلے تو مجھے مقتول کے کمرے سے وہ کاغذ حاصل کرنا تھا جس پر ملاقاتی نے نام لکھ کر دیا تھا کیونکہ ہوسکتا ہے مقتول ہارون نے وہ کاغذ سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ لیا۔ دورانِ تفتیش مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتول کی ایک عادت تھی کہ کسی بھی ملاقاتی کی طرف سے ملنے والا کوئی وزیٹنگ کارڈ کوئی رقعہ یا کاغذ کم از کم دو مہینے تک محفوظ رکھتا تھا۔

''مجھے مقتول ہارون کے کمرے کی تلاشی لینے

ہے۔'' مقتول کے گھر والوں کی اجازت ضروری تھی۔ مگر جس کمرے میں مقتول کا قتل ہوا وہاں باقاعدہ واضح ثبوت تو کوئی نہیں تھا نہ ہی کوئی آلہ و اوزار جس سے قاتل کو پکڑا جاسکتا صرف وہ کاغذ کا ٹکڑا ہی ملا تھا جس پر لگے فنگر پرنٹس سے اس کی تلاش ممکن بنائی جاسکتی تھی۔

''ایس پی صاحب..... یہ کیا بچکانہ سی باتیں کررہے ہیں.....ایک کاغذ پر فنگر پرنٹس..... بھلا یہ بھی کوئی ثبوت ہے۔'' میری بات یہ باتی کسی نے تو اعتراض نہ کیا مگر مقتول کا بھائی قاسم کافی چڑچڑاہٹ کا شکار لگا۔ اس کے مطابق کاغذ پر فنگر پرنٹس کوئی خاص ثبوت تو نہیں تھا۔ یہ بہت غیر واضح سی بات ہے۔ کیونکہ کسی آلہ واوزار مقتول کا پہنا ہوا لباس اور اس کے علاوہ کمرے کی اور بہت سی چیزوں پر فنگر و ہینڈ پرنٹس آجاتے ہیں مگر کاغذ پر نہیں۔ وہ یوں اس بات کے حق میں دلائل دے رہا تھا کہ جیسے اُس نے ایسی تحقیقات وریسرچ میں پی ایچ ڈی کررکھی ہو۔

''قاسم صاحب..... ٹیکنالوجی بہت ترقی کرچکی ہے اب تو چھوٹے سے چھوٹا ثبوت بھی معمولی نوعیت کا نہیں ہوتا۔'' میں مقتول کے کمرے کی تلاشی میں مصروف تھا اور قاسم نا جانے کیوں مضطرب تھا۔

اس کے مطابق میری تفتیش کا طریقہ بالکل فضول ہے۔ میں صرف وقت کا ضیاع کررہا ہوں اس کے چہرے کے تاثرات بتارہے تھے کہ جیسے وہ اب اگلا قدم یہ اٹھانے والا ہے کہ یہ کیس کسی اور کے ذمے لگایا جائے..... کیونکہ جناب میری کارکردگی سے وہ مطمئن نہیں۔

''ایس پی صاحب..... ہمیں قاتل کا پتہ دس دن میں چاہیے..... اگر آپ اتنے وثوق سے کرسکتے ہیں تو ٹھیک ورنہ میرا خیال ہے یہ کام کسی اور کے حوالے کردیا جائے۔'' یہ ایک طرح سے دھمکی تھی میرے لیے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ غم اور صدمے کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔

''قاسم صاحب..... آپ بے فکر رہیں میں اس چیلنج کو قبول کرتا ہوں اور اگر دس دن کے اندر آپ کے مجرم کو پکڑ نہ پایا تو یہ کیس تو کیا..... یہ عہدہ ہی چھوڑ دوں گا۔'' میں نے اسے تسلی دی یہ کیس اپنی نوعیت کا پیچیدہ ترین کیس تھا کیونکہ مقتول کی لاش غائب تھی۔ اُسے کس آلے سے قتل کیا تھا وہ بھی نہیں تھا۔ کاغذ کے ذریعے قاتل تک پہنچنے کی ہلکی سی امید پیدا ہوئی تھی۔ وہ بھی قاتل نے غائب کردیا تھا۔ مطلب کہ قاتل اعصابی طور پر کافی مضبوط تھا۔ اس نے کوئی بھی نشانی نہیں چھوڑی تھی۔

اپنی تسلی کے لیے میں نے علاقے کے کنوؤں کو بھی چھان مارا تھا۔ کچھ کنویں سالوں سے خالی تھے اور کچھ میں پانی تھا۔ میرا خیال تھا کہ شاید قاتل نے لاش کنویں میں پھینک دی ہو۔ مگر وہاں بھی کچھ نہ ملا ہر گزرتے دن کے ساتھ کیس اُلجھتا جارہا تھا۔ اوپر سے میرے افسران کا دباؤ بھی میرے اوپر بڑھنے لگا تھا۔ میرے پاس کل سات دن رہ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

تفتیش دوسرے مرحلے میں داخل ہوچکی تھی۔ دوسرے مرحلے کا آغاز میں نے مقتول کی بیوہ سے کیا تھا۔ کیونکہ اب تو بات عام ہوچکی ہے کہ بیوی نے اپنے آشنا کے ساتھ مل کر شوہر کو قتل کردیا۔ کیونکہ بیوی اس شادی پر خوش نہ تھی۔ سو چھٹکارے کے لیے اس نے شوہر کی جان لے لی۔

مگر تفتیش کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ بیوہ صالحہ صرف نام کی ہی صالحہ نہیں تھی۔ بلکہ ظاہر و باطن دونوں ہی پاکیزہ تھے۔ ان کی شادی کو تین سال ہوئے تھے۔ ان کے دو بچے تھے۔ جو بات میں نے باریک بینی سے نوٹ کی وہ تھی صالحہ کی بھیگی آنکھیں جو لمحہ بھر کے لیے بھی خشک نہ ہوئیں یوں جیسے اسے ابھی تک صبر ہی نہیں آیا تھا وہ ابھی تک صدمے کی

کیفیت میں تھی۔ کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے تھے۔ دونوں کی پسند کی شادی تھی۔ صالحہ مقتول ہارون کی چچازاد تھی۔

''آپ کے شوہر کا کسی سے جھگڑا؟'' میرے دل کو صالحہ کی طرف سے اطمینان ہوا تو میں نے تفتیش کا رخ موڑا۔ میرے مطابق بیویاں اپنے شوہر کے دوستوں سے بھی واقف ہوتی ہیں اور دشمنوں سے بھی.....

''نہیں..... ایس پی صاحب..... دشمنی تو کسی سے نہیں تھی۔'' بیوہ کا بیان اپنی جگہ تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ مقتول کو قتل کیا گیا تھا وہ کوئی طبعی موت نہیں مرا تھا۔ کوئی دشمن ہوتا تو بات قتل و غارت تک پہنچتی ہے۔ صالحہ نے صرف مقتول کی اچھائی بیان کی تھی اسے ہارون سے کوئی شکوہ نہ تھا۔

''پھر بھی..... کوئی تو ہوگا جس پر آپ کو شک ہے؟'' یہ سوال بھی اس مقصد کے تحت کیا تھا کہ اتنے بھیانک حادثے کے بعد ہر نارمل انسان غور و فکر تو کرتا ہے کہ یہ ظلم ڈھانے والا کون تھا؟ دماغ اندازے تو لگاتا ہے..... اور شک بھی دائیں بائیں جاتا ہی ہے۔

''ہاں..... مجھے ایک شخص پر شک ہے۔'' اس لمحے صالحہ کا لہجہ اور انداز مجھے اتنا مضبوط لگا کہ دل نے گواہی دی کہ اگر یہ محض شک کی بنیاد پر کسی آدمی کا نام لے گی تو تب بھی اسے نظرانداز نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے اسے مکمل اعتماد دلایا کہ آپ بے خوف ہوکر اُس شخص کا نام لیں۔ میرا وعدہ ہے کہ آپ کا ذکر کہیں نہیں آئے گا۔ اور پھر صالحہ کی شک بھری انگلی جس شخص کی طرف اٹھی تو لمحہ بھر کے لیے میں حیرتوں کے سمندر میں گر پڑا۔ یہ نہیں تھا کہ ایسا ناممکن تھا بلکہ میں تو اس بات پر حیران تھا کہ وہ شخص کتنا منافق تھا۔

اور قارئین آپ جانتے ہیں کہ صالحہ نے کس کا نام لیا؟

جس طرح ہابیل کا قتل قابیل کے ہاتھوں ہوا اس کے سگے بھائی نے اسے قتل کیا تھا۔ ہارون کا قتل اس کے بھائی قاسم نے کیا۔ جب اس شک کی تصدیق مختلف زاویوں سے کی تو انکشاف ہوا کہ یہ محض شک نہ تھا۔ حقیقت تھی۔ قاتل جتنا مرضی ہوشیار ہو وہ کوئی نہ کوئی ایسی نشانی ضرور چھوڑ دیتا ہے جو اسے بے نقاب کرنے کا سبب بن جاتی ہے حالانکہ قاسم نے یہ قتل اتنی مہارت اور چالاکی سے کیا تھا کہ اپنے تئیں تو اس نے کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا مگر پھر قتل ناحق نے خود ثبوت فراہم کردیا۔

ایک تو وہ چیز جس کی طرف میرا دھیان چوکیدار نے دلایا۔ وہ تھے سیاہ اور سفید امتزاج کے جوگرز..... جو قتل کی رات آنے والے ملاقاتی نے پہن رکھے تھے۔ وہ جوگرز قاسم کے تھے اس پوری تفتیش کے دوران اس نے وہ ایک بار بھی نہیں پہنے تھے۔ میں اس انتظار میں بھی رہا کہ وہ ایک بار انہیں پہنے تو میں قاتل کے قریب پہنچ سکوں۔ سو جوگرز کی تلاش کے لیے مجھے قاسم کے کمرے کی تلاشی لینی پڑی۔ جس پر وہ سخت سراپا احتجاج ہوگیا۔

''پاگل، بے وقوف، ناتجربہ کار، اناڑی۔'' نا جانے کیا کیا القابات اُس نے مجھے دے ڈالے مگر میں نے صبر سے نظرانداز کیا۔ اس کا اشتعال و احتجاج میری چھٹی حس کو بتا رہا تھا کہ Someting Wrong Here۔''

اور پھر وہ رانگ میری نظروں کے سامنے آ گیا۔ قاسم کے کمرے کی الماری کے سب سے آخری حصے میں وہ جوگرز ابھی بھی مٹی میں لت پت پڑے تھے۔ جو کسی شوپر میں چھپا کر رکھے گئے تھے۔ اس کے نیچے لگی ڈھیروں مٹی بتا رہی تھی کہ قاسم نے ہارون کو قتل کرکے لاش کسی کچی جگہ پر چھپائی تھی۔ شروع میں تو قاسم نے پوچھ گچھ کے دوران پروں پر پانی نہ پڑنے دیا مگر آہستہ آہستہ وہ کمزور پڑنے لگا۔

وہ اپنے دفاع کے لیے جو بھی دلیل دیتا وہ اتنی کمزور ہوتی کہ میں ایک جھٹکے میں رد کر دیتا۔

''قاسم صاحب..... آپ قتل کی رات کہاں تھے؟'' ہارون کے ماں باپ کے مطابق اس رات خاندان میں کوئی شادی تھی۔ ہارون چونکہ بیمار تھا وہ جا نہ سکا۔ مگر قاسم سارے گھر والوں کے ساتھ شادی میں شریک تھا۔

''میں سب کے ساتھ شادی میں شریک تھا۔'' یہ بیان قاتل کا تھا۔ جبکہ عینی شاہد بتا رہے تھے کہ قاسم راستے میں کہیں اتر گیا تھا کہ ضروری کام ہے آپ لوگ پہنچیں میں دوسری گاڑی میں آجاؤں گا۔''

''وہ ہارون بھائی کا فون آ گیا تھا۔'' قاسم کے بقول ہارون نے اسے فون کیا تھا کہ اُس کی طبیعت خراب ہے اس لیے وہ واپس آ کر اسے اسپتال لے جائے۔

قاسم نے یہ بات گھر والوں کو اس لیے نہ بتائی کہ وہ پریشان ہو کر واپس آ جائیں گے۔

قاسم کی یہ بات بھی جھوٹ نکلی تھی۔ مقتول کا سیل فون جو قتل کی رات اس کے تکیے کے نیچے سے ملا تھا اس سے واضح تھا کہ ہارون نے قاسم کو فون کیا ہی نہیں تھا۔

''مجھے چوکیدار کے نمبر سے فون آیا تھا۔'' یہ قاسم کا دوسرا جھوٹ تھا۔ بقول چوکیدار کے قاسم نے خود اس کے نمبر پر فون کر کے ہارون کا پوچھا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ ان کی طبیعت کیسی ہے وغیرہ وغیرہ.....

آخر قاسم جھوٹ بول بول کر تھک چکا تھا کہ ضمیر کی خلش نے اسے سچ اگلنے پر مجبور کر دیا قاسم کی زبانی اس کی سنگدلی سن کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے ورنہ ہم پولیس والے کہاں اتنے نرم دل ہوتے ہیں۔

خود کو گونگا ظاہر کر کے چادر میں چھپا کر قاسم کوٹھی میں داخل ہوا۔ ہارون کو دوا کے بہانے زہر پانی میں ملا کر پلایا جب وہ مر گیا تو اس کی لاش چھپانے کا مسئلہ ہوا۔ ایک شخص کو کندھے پر ڈال کر جہاں بھی لے جاتا..... کسی نہ کسی کی نظروں میں آ جاتا..... سو اس نے تیز دھار آلے سے ہارون کے جسم کے ٹکڑے کیے اور بڑے سائز کے چمڑے کے بیگ میں بھر دیا۔ سر کو توڑ نہ پایا تو اسے ویسے ہی بیگ میں ڈال دیا۔ پھر اس بیگ کو علاقے کے پرانے قبرستان میں دبا دیا۔ قاسم سے حقیقت جاننے کے بعد جب وہ جگہ کھودی گئی تو وہاں چمڑے کا بیگ موجود تھا۔

جس میں ہارون کا سر جسم' تیز دھار آلہ' وہ کاغذ بھی موجود تھا جو چوکیدار کے ہاتھ بھجوایا تھا۔ اپنے تئیں تو قاسم نے ہر ثبوت مٹا دیا تھا مگر خدا کو منظور تھا کہ خونِ ناحق کو ظاہر کر اور قاتل کو تختہ دار پر پہنچانا..... سو وہ پہنچ گیا۔

جانتے ہیں اس ظلم کی وجہ کیا بنی حسد' جلن' رقابت نے قاسم کو قتل پر مجبور کیا ہارون گھر کا بڑا بیٹا تھا نیک سیرت اور خدمت گزار اس کے نیک اطوار نے اسے ماں باپ بلکہ علاقے کا نورِ نظر بنا دیا۔

قاسم ایک سنگدل' آوارہ' اور بدچلن انسان تھا۔ انسان کیا برداشت کرتا ہے کہ کسی کی تعریف اس کے سامنے ہو اور اُسے دھتکارا جائے سو ہارون کے لیے قاسم کے دل میں نفرت پیدا ہوگئی اس نفرت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ خاندان کی خوبصورت ترین لڑکی نے قاسم کو ٹھکرا کر ہارون سے شادی کی تھی جسے قاسم دل ہی دل میں چاہتا تھا۔ صالحہ کو قاسم شروع سے ناپسند تھا۔

ماں باپ نے قاسم کے کرتوت دیکھے تو ساری جائیداد ہارون کے نام کر کے قاسم کو عاق نامہ تھما دیا۔ تو اس کے تن بدن میں آگ لگی اور جس طرح ہابیل کی کامیابی برداشت نہ کر پایا تھا بالکل ایسے ہی قاسم بھی ہارون کو برداشت نہ کر پایا اور قتل کر ڈالا۔

سرگودھا سے بھیجی گئی مزاحیہ تحریر جو آپ کو ہنسی میں لوٹ پوٹ کر دے گی

چائے سے چاہ تک

تبدیلی آ نہیں رہی
آ گئی ہے.....

مون شاہ

''ابے او لونڈے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا؟''
زیتون بی بی نے چھالیہ کترتے ہوئے حیرانی سے اپنے فرزند صائم علی کو دیکھا۔ جسے دو بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ سب سے بڑی رضیہ آپا اس کے بعد صائم اور صائم سے چھوٹی سمیعہ تھی رضیہ آپا کی شادی خالہ کے بیٹے جمیل سے ہو چکی تھی اور وہ ایک بچی کی ماں بھی تھیں چونکہ خالہ کا گھر برابر میں ہی تھا۔ سو اکثر رضیہ آپا میکے کو رونق بخشنے آ جاتیں۔ آج بھی وہ اپنا سوٹ سلائی کرنے کے بہانے یہاں موجود تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری سلائی مشین خراب ہے۔ اس لیے اماں کی سلائی مشین پر اپنا سوٹ سلائی کریں گی۔

سوٹ سلائی کرنا تو ایک بہانہ تھا اصل وجہ تو صائم کو شادی کے لیے گھیرنا تھا۔ جواب برسرروزگار تھا۔ ماں بہنوں کے نزدیک شادی کے قابل بھی ہو چکا تھا۔ مصیبت تو یہ کہ وہ کسی سے شادی پر راضی نہیں ہو رہا تھا۔

بہت ٹوہ لگائی گئی کہ کہیں جوانی مستانی کی نشانی

میں کسی ماہ جبیں کو دل تو نہیں دے بیٹھا۔ زیتون بی بی نے تو کئی بار اس کے چہرے پر کسی نامعلوم غم کی زردی بھی کھوجنا چاہی مگر ناکام رہی۔

''کیا خبر اس لڑکی کی کہیں شادی ہو گئی ہو او میرے لال نے اس کا روگ جی سے لگا کر اس کے نام پر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا ہو جب وہ ہنستا تو یہ خیال انہیں ستاتا کہ کئی غمگین لوگ ہنسی کے پردے میں اپنے دکھوں کو چھپائے ہوئے ہیں مگر صائم کی زندہ دلی سے بھرپور ہنسی کسی زاویے سے کھوکھلی نہ لگتی تو وہ تشویش کا شکار ہو جاتیں۔ صائم جی ہی جی میں خوب خط اٹھاتا وہ سمجھتا تھا کہ اماں اس پر بے جا شک کر رہی ہیں کئی بار اماں نے اس کے موبائل کی اسکرین کو کسی لڑکی تصویر کے وال پیپر کی تلاش میں جھانکا یہاں تک کہ اکثر اس کے والٹ میں بھی کسی نامعلوم لڑکی تصویر کا کھرا لگانے کی کوشش کی گئی۔

مگر ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اماں کی الٹی حرکتوں سے کبھی کبھار وہ چڑ بھی جاتا۔ آج اتوار کا دن بھی اس کی شامت اعمال بن کر طلوع ہوا تھا

دراصل وہ ابھی شادی کے موڈ میں نہیں تھا اور ماں بہنیں گھیر گھار کے تختہ دار پر چڑھانے کے لئے بضد تھیں۔

حالانکہ اس کے بقول یہ دن اس کی آزادی کے تھے وہ اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہتا تھا مگر اسے لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ دیر آزادی سے لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ آج بی اماں کے بے حد اصرار پر اس نے دوٹوک انکار کر دیا جس کے جواب میں اماں نے رونا شروع کر دیا اور اسے یاد دلایا کہ ابا کے گزر جانے کے بعد کتنی مشکل سے انہوں نے تین بچوں کی پرورش کر کے کسی قابل بنایا ہے اور آج جب ان کی خوشیاں دیکھنے کی عمر ہے تو صائم بدک رہا ہے۔

اماں کے رونے سے تنگ آ کر اس نے عجیب و غریب شرط رکھ دی جس کے نتیجے میں زیتون بی بی کا رونا اور آپا کی مشین کا پہیہ گھومنا بند ہو گیا۔ چند لمحے بعد جب حواس ٹھکانے لگے تو چھالیہ کترتے ہوئے حیرانی سے اس کے دماغ کی درستگی پر شبہ ظاہر کیا گیا۔

آپا نے خوں خاں کرتے ہوئے سوئی کے ناکے

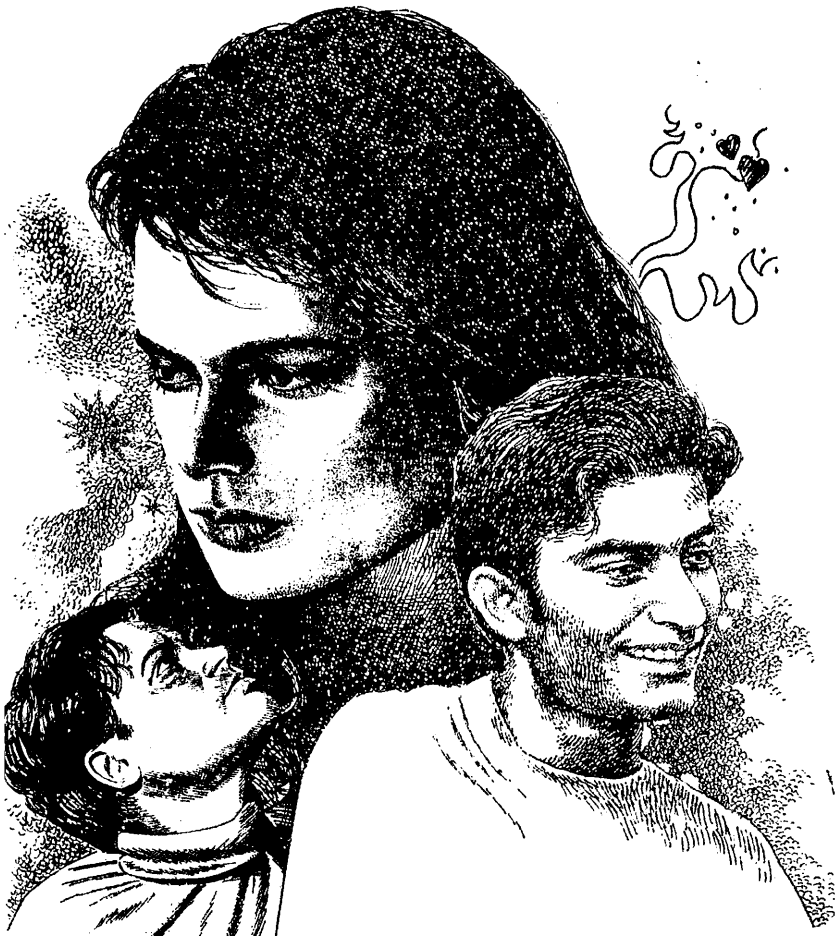

یں سے نکل جانے والا تھا کہ دوبارہ ناک سے گزارا جبکہ سمیعہ نے بھی چائے کا گھونٹ حلق سے آگے منتقل کیا۔

”میں نے جو کہا ہے اس میں انہونی کیا ہے اماں؟ آپ سب لوگ تو مجھے یوں دیکھ رہے ہیں جیسے میں نے انجلینا جولی سے شادی کا مطالبہ کر دیا ہو۔ یہ تو آپ نے بھی سنا ہوگا کہ مرد کے دل کا رستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ میں تو زیادہ فرمائشی پکوان کی ڈیمانڈ بھی نہیں کر رہا۔ بس لڑکی کو چائے زبردست بنانی آتی ہو چائنیز، اٹالین، نہاری، سری پائے کی تو میں نے بات ہی نہیں کی میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ سگھڑ لڑکی وہی ہوتی ہے جسے اچھی چائے بنانا آتی ہو آخر میرا وسیع حلقہ احباب ہے۔“

صائم کی تفصیلی وضاحت پر رضیہ آپا نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔

”تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ ہم تمہاری دلہن زبیدہ آپا کے قبیلے میں تلاش کریں میرا تو خیال ہے تمہاری شادی کسی شیف سے کرا دیں ارے پہلے پہلے تو پکڑائی نہیں دے رہا تھا اور جو پکڑائی دی تو موئی چائے کی بیخ لگا دی حد ہوتی ہے میاں۔“

”اماں آپ کے لاڈ پیار نے اس کا دماغ ساتویں آسمان پر چڑھا دیا ہے۔“ رضیہ آپا کی بات پر سمیعہ نے بے قابو ہوتی ہنسی کو بمشکل روکا جبکہ اماں صائم کو چھوڑ کر رضیہ آپا پر چڑھ دوڑیں۔

”ہاں بہن سب قصور میرے ہیں تم نے تو کوئی ناز برداریاں نہیں کیں کوئی لاڈ نہیں اٹھائے اس کے میں ہی بری ہوں۔“ رضیہ آپا برا سا منہ بنا کر دوبارہ مشین پر جھک گئیں البتہ کان اماں کی طرف ہی تھے جواب دوبارہ صائم پر گولہ باری کر رہی تھیں۔

”تمہارے منجھلے ماموں کی ذکیہ، بڑے ماموں کی فوزیہ اور چھوٹے ماموں کی صفیہ۔“

اورا کوپے چچا کی بیٹی...... تھا کہ اماں کی بات مکمل ہونے سے پہلے ٹکڑا لگایا اس نے یونہی ’زراں‘ مذاق کہا تھا لیکن اماں تو سکتے میں رہ گئیں۔

رضیہ آپا نے قینچی کو زور سے پٹخا۔

”دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے یہ یونہی تو اپنے چاچا کے گھر چکر نہیں لگا تا ہائے میں برباد ہو گئی، میرے گھبرو جوان پر تعویذ کر دیے ہیں رسولاں نے۔“ اس سے پہلے کہ اماں چاچی کو مزید کوسنے دیتیں صائم نے بیزاری سے انہیں ٹوکا۔

”اماں میں تو صرف قافیہ ملا رہا تھا ابھی تو میں نے پھوپو کی زوبیہ کا نام لیا ہی نہیں، خدا کے لیے بس کر دیں مجھ پر کسی نے کوئی تعویذ نہیں ڈالے۔“

”تو لے کر تو دکھا زوبیہ کا نام اگر تو نے ددھیال میں شادی کی ناں تو میں دودھ نہیں بخشوں گی تجھے۔“

زیتون بی بی کو اپنے سسرالیوں سے ازلی بیر تھا۔ اس کی تفصیل ضروری نہیں وہی روایتی سی بات ہے البتہ صائم کو لینے کے دینے پڑ گئے۔

”میری پیاری اماں فکر نہ کریں میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا جس کے نام کے آخر میں ’یہ‘ کا دم چھلا ہو۔ جانے کیا سوچ کر ہر لڑکی کے نام کے آخر میں ’یہ‘ لگانا ضروری سمجھا شاید کسی عقل مند کا مشورہ ہو کہ نام کے آخر میں ’یہ‘ لگانے سے لڑکی زیادہ سلیقہ مند ہو جائے گی۔ خاندان بھر کی لڑکیوں کے نام میں ’یہ‘ اماں ’یہ‘ کے بارے میں ’یہ‘ تحقیق ہوئی ہے ’یہ‘ لفظ جس لڑکی کے نام کے آخر میں آئے وہ لڑکی بڑی تیز طرار ہوتی ہے۔ جیسے ذکیہ، زوبیہ، فوزیہ، صفیہ، سمیعہ اور رضیہ۔“ آخری نام پر اس نے خاص طور پر زور دیا تھا مقصد صرف رضیہ آپا کو چڑانا تھا اور وہ بری طرح چڑ بھی گئیں اپنے ادھ سلے سوٹ کو سمیٹ سمات کر کھڑی ہو گئیں۔

”لو کر لو بات جسے ہاتھوں میں کھلایا، چاؤ چونچلے

کیے آج وہ ہمیں تیز طرار کہے گا پہلے تو ہمارے ہاتھوں کی سیر چائے پر یہ کہہ کر سوال اٹھا دیے کہ سگھڑ لڑکی وہی ہوتی ہے جسے اچھی چائے بنانا آتی ہو گویا اماں کا میرا اور سمیعہ کا سگھڑاپا بھی مشکوک ہو گیا۔ اور اب یہ پُہ والی نئی تحقیق درمیان میں آ گئی۔ میں یہاں ایک پل نہیں رکوں گی۔ اماں میں بتا رہی ہوں آپ کو ’میں جا رہی ہوں‘ آپ خود ہی دریافت کر لیں اپنی شیف منیرہ جیسی بہو یا پھر اسے کہیں ڈھونڈے اپنی مرضی کی دلہن جس دن بارات ولیمہ ہو ہمیں اطلاع کر دے ہم آ جائیں گے شرکت کر لیں گے بلکہ رکو ایک منٹ ہم کیوں آنے لگے کم از کم میں تو نہیں ؤں گی۔ کل کلاں کو کہے گا میری بیوی کو بھی تیز طرار کر دیا۔‘‘

وہ تن فن کرتیں دو سال کی گڑیا کو کھینچ کر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد صائم نے سکون کی سانس لی جبکہ اماں نے خفگی سے تھپڑا سے جڑے۔

’’بڑی بہن کا تجھے کوئی لحاظ نہیں رہے بے شرم‘ ناراض ہو کر چلی گئی بے چاری‘ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے تُو بڑا منہ پھٹ ہو گیا ہے۔‘‘ وہ ہنس پڑا۔

’’ماں اصل میں جمیل بھائی کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا بس اس لیے آپا بہا۔ ‘ سے چلی گئیں اچھا ہے کچھ خدمت ہے چا۔ ے شوہر کی بھی کر لیں اور پھر وہ تو خواہ مخواہ برا مان گئیں بھلا اب وہ لڑکی تو نہیں ہیں ناں‘ بیٹی کی ماں بن گئی ہیں اور آپ بھی تین بچوں کی والدہ ہیں تو میں تو لڑکیوں کی بات کر رہا تھا۔ سمیعہ مسکرا دی اس نے صائم کا ارادہ بھانپ لیا۔

’’بھائی میں بالکل بھی نہیں چڑوں گی آپ اپنی انرجی ضائع نہ کریں۔‘‘

’’ایک نمبر کا ڈھیٹ انسان ہے تو......‘‘ اماں خفا ہو کر اسے پیچھے دھکیلنے لگیں جو ساتھ چپکا جا رہا تھا۔

’’آپ کو ورغلانے میں آپا پیش پیش ہے...

لوگوں کو میری آزادی ایسی کھٹکتی ہے جیسے بھارت کو کشمیر کی جدوجہد آزادی کھٹکتی ہے آپ دیکھ لینا آپا بمشکل ایک آدھ دن نکال پائیں گی آئے بغیر‘ تب میں ان سے سوری کہہ دوں گا کہ مذاق کر رہا تھا اور اماں میں سچ میں مذاق ہی کر رہا تھا البتہ چائے والی شرط اپنی جگہ پر قائم ہے آپ تمام کنواریوں کے کان میں پھونک دیں کہ صائم علی اس لڑکی سے شادی کرے گا جو مزیدار کڑک چھاپ چائے بنانا جانتی ہو بس۔‘‘ اس نے اماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

’’اس کا مطلب ہے کہ آپ ساری زندگی تین وقت صرف چائے پیا کریں گے ہے ناں بھائی؟‘‘ سمیعہ نے شرارت سے کہا۔

’’ارے میں نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ سرے سے روٹی سالن بنانا نہ جانتی ہو بس یہ ہے کہ باقی گزارا ہو جائے گا نہ بھی ذائقہ ہوا تو لیکن چائے فرسٹ کلاس ہونا چاہیے کہ سب کہہ اٹھیں یہی تو ہے وہ اپنا پن......‘‘

’’ہوں......‘‘ سمیعہ نے معنی خیزی سے ابرو اچکائے۔

’’ویسے بہنا چائے کے ساتھ بسکٹ‘ پاپے کھا کر گزارا کیا جا سکتا ہے خیال برا نہیں ہے تمہارا۔‘‘ اس نے ناراض ہو کر بیٹھی اماں کے چہرے پر نظر ڈالی اور وہاں سے اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

صائم کی ... دست نکلی آپا ایک دن کے وقفے سے پھر موجود تھیں وہ کچھ دیر قبل گھر لوٹا تھا کام سے واپسی پر کھانا کھا کر آرام کی غرض سے لیٹا تو آنکھ لگ گئی اور پھر یہ آنکھ اماں اور آپا کی کھسر پھسر سے کھلی وہ صحیح طور پر تو سمجھ نہیں پایا کہ گفتگو کا لب لباب کیا ہے۔ مگر یہ ضرور جان گیا تھا کہ موضوع اسی کی ذات...

ہے۔ کیونکہ ایک دو بار صائم کی پکار ہلکی سی کان میں پڑ چکی تھی۔

سو وہ زیادہ غور کیے بغیر بتا سکتا تھا کہ موضوع اس کی دلہن ہے وہ گلا کھنکھارتا ہوا جمائیاں روکتا اماں کے پہلو سے آ لگا۔

''کیسی ہیں آپا؟''

''ٹھیک ہوں۔'' انداز میں تھوڑی خفگی تھی۔

''بڑے دنوں بعد چکر لگایا آپ نے؟''

''بڑے دنوں بعد ابھی پرسوں ہی تو۔'' وہ کچھ سوچ کر رکیں اور پینترا بدلا۔

''ہاں تو میں کوئی فارغ تھوڑی ہوں گھر کے سو کام ہوتے ہیں خالہ بھی گری پڑی سی رہتی ہیں گڑیا بھی مصروف رکھتی ہے مجھے اکیلی ہی کو سب دیکھنا ہوتا ہے دیورانی الگ گھر والی ہے نند کوئی ہے نہیں جو ہاتھ بٹائے۔'' صائم ان کی چالاکی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا انہوں نے کمال مہارت سے اپنے سگھڑاپے کا رعب جھاڑا تھا۔

''ہائے آپا' خالہ کیوں گرتی رہتی ہیں کمزور ہوگئی ہوں گی اور یہ نند کی ہڑک کہاں سے اٹھ گئی شکر کریں نہیں ہے ورنہ بڑا اپھڈا ہوتا ہے ایمان سے اب اماں ہی کی زندگی کو دیکھ لیں۔''

''کمال ہے بھئی آپا خفا ہوئیں اپنی مرضی کے مطلب نکالنے میں تو تم ماہر ہو میرے کہنے کا مطلب ہے خالہ کی طبیعت ناساز ہے۔''

''اوہ.....'' صائم نے مسکراہٹ ضبط کی۔

''اب سمجھا.....''

''اور سنائیں جمیل بھائی کیسے ہیں۔''

''اچھے ہیں وہ بھی تم اپنی سناؤ اس دن کیا کہہ رہے تھے وہ زبردست چائے بنانے والی؟'' وہ جلد ہی مدعا پر آ گئیں۔

''تو آپ نے میری بات کو سنجیدہ لے لیا۔'' وہ جیسے صدمے کے زیر اثر بولا۔

''نہ تمہارا مقصد کیا ہے اس اداکاری سے' اماں اس سے پوچھیں ناں کہ اس روز تو بڑھ چڑھ کر بول رہا تھا اب کیا ہوا؟'' آپا تنک کر بولیں۔

''اوہو میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ شکر ہے آپ نے میری بات کو سنجیدہ لے لیا۔''

''اے صائم اصل میں رضیہ کی دوست ہے ناں ثریا اس کی بہن رقیہ بڑی شاندار چائے.....'' وہ چکرا سا گیا تھا اماں کی بے تمہید بات پر.....

''اماں پھر ثریا رقیہ۔'' مگر آپا کو دوبارہ واک آؤٹ کرتا دیکھ کر چپ کر گیا۔ بات بدل دی۔

''میرے کہنے کا مطلب ہے میں آپ لوگوں کے بھروسے پر زندگی تو داؤ پر نہیں لگا سکتا ناں' آپ نے کہہ دیا تو مان لوں کہ رقیہ اچھی چائے بناتی ہے' ایسا کیسے ہوسکتا ہے بھئی آج کل جعلسازی ہو رہی ہے؟''

''ممکن ہے چائے ثریا بناتی ہو اور نام رقیہ کا لگا دیتی ہو۔'' صائم نے نیا مسئلہ پیش کیا آپا صبر کے گھونٹ لے کر بولیں۔

''میں کئی بار ان کے گھر گئی ہوں وہ میرے سامنے چائے بناتی ہے میں نے خود اسے بناتے ہوئے دیکھا ہے اور اس کے ہاتھ کی چائے پی ہے۔''

''ناں بابا نہ عمر بھر کا سوال ہے میں آنکھیں بند کر کے کنویں میں چھلانگ نہیں لگاؤں گا' آپ میری آزادی سلب کرنے کے درپے ہوئی ہیں تو پھر قیدی کی بھی کوئی شرط مان لیں میں کسی حور پری کی بات نہیں کرتا نہ ہی مس ورلڈ کا تقاضا ہے اور نہ ہی تعلیم کی قید ہے بات ہے تو صرف چائے کی بس اور چائے کے مزے دار کڑک چھاپ ہونے کا فیصلہ تو میرا ہی ہوگا۔''

''تو بھائی کیا کریں پھر ہم کیا لوگوں کے گھروں میں تھرماس ساتھ لے کر گھومیں کہ اپنی لڑکی کے ہاتھ کی بنی ایک کپ چائے اس میں انڈیل دیں کہ قسمت کا فیصلہ چائے پر ہوگا' سوچو کیا لوگوں میں ہماری جگ ہنسائی نہیں ہوگی۔'' اماں اور آپا دونوں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''میں نے یہ کب کہا؟'' صائم نے لطف اندوز ہو کر کہا تو اماں نے برہمی سے سر اٹھا کر بولیں۔

''تو کیا ہر گھر میں تو ہمارے ساتھ جائے گا۔'' وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا۔

''یہ تو آپ لوگوں کا مسئلہ ہے اماں میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''ہمارا معاشرہ اتنا آزاد نہیں ہوا کہ لڑکا رشتہ دیکھنے والوں کے ساتھ گھر گھر منہ اٹھائے چلتا پھرے' یہ امیر گھرانوں کے چونچلے ہیں اور پھر سوچو تمہیں کسی کے ہاتھ کی چائے پسند نہ آئی تو کیا ہم یہ کہہ کر انکار کر دیں گے کہ معاف کیجیے گا ہمارے لڑکے کو چائے پسند نہیں آئی۔''

''مجبوری ہے آپا.....'' وہ آپا کی باتوں سے جی بھر کے محظوظ ہوا۔

''ارے تجھے گھسنے کون دے گا بغیر پکی بات ہوئے یہ تو جب ہی بات ہوگی۔'' اماں بھڑکیں وہ کچھ سنجیدہ ہوا۔

''پھر میں کیا کروں خاندان میں موجود لڑکیوں کے ہاتھ کی چائے پی چکا ہوں بیسیوں بار کوئی بھی مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اتری ہاں اگر آپ دوبارہ انہیں چائے بہترین بنانے کی مہم کے لیے اکسائیں تو کیا خبر کسی کے نصیب جاگ لیں ان میں سے بھی آپ ددھیال والوں کا پتہ تو کاٹ ہی چکی ہیں۔ حالانکہ میں تو برابر کا حق مانتا ہوں۔''

''ابے چل چل.....'' سسرالیوں کے ذکر پر اسے پھر ڈانٹ ڈپٹ ہونے لگی۔

''اماں ہمارا معاشرہ واقعی اتنا آزاد نہیں ہے کہ میں گھر گھر اچھی چائے والی کی تلاش میں بھٹکتا پھروں پھر واحد حل تو یہی ہے ناں کہ خاندان میں لڑکی دیکھوں مگر اس کے لیے بھی آپ کو ایک شرط ماننا پڑے گی اپنے قانون سے دستبردار ہونے پڑے گا۔'' وہ نوٹس لیے بغیر بولا۔

''لو جی پھر ایک شرط۔'' آپا تلملائیں۔

''چل بول کیا شرط ہے؟'' اماں کچھ نرم پڑیں۔

''شرط یہ ہے کہ اس چائے مقابلہ میں میرے ددھیال کی لڑکیاں بھی شامل ہوں گی پھر آگے ان کی قسمت۔''

لغزش

وہ آنکھیں جو ہر لمحہ میرا تعاقب کرتی رہیں
وہ والہانہ نظریں
جو میرے چہرے کا طواف کرتی رہیں
ان نظروں کی تپش
میں اب تک اپنے چہرے پر محسوس کرتی ہوں
لیکن مجھ میں
ان آنکھوں میں جھانکنے کی جرات نہ تھی
کیونکہ میں جانتی تھی
اگر میں نے اُن آنکھوں میں
بس ایک بار بھی جھانک لیا
تو یہ چھوٹی سی جرأت
تمام عمر کی لغزش بھی بن سکتی

عارفہ مسعود

"بڑا چال باز ہے تُو تیری یہ شرط مجھے نامنظور ہے تُو نے سارے کھڑاک کھڑاک پیدا ہی ددھیالیوں کی راہ ہموار کرنے کے لیے کیے ہیں۔ بیڑا غرق ہوان موئے فرنگیوں کا جن کی ایجاد کی وجہ سے میرے لڑکے کا دماغ چالو ہوگیا ہے۔" اماں واویلا کرنے لگیں۔

"اماں آپ نے میری شادی کرنی ہے یا نہیں؟"

"ارے نالائق بے حیا شادی تو کرنی ہی ہے مگر تیرے......" اماں سے پہلے وہ بول اٹھا۔

"ددھیال میں نہیں۔ اماں میں تنگ آ گیا ہوں سن سن کر سب سے پہلے میں آپ پر یہ بات واضح کردوں کہ نہ تو میرا دماغ چالو ہوا ہے اور نہ میں کسی جادو کے زیر اثر ہوں میرا کردار بے داغ ہے میں بس برابری کا قائل ہوں میرے لیے سب ایک جیسے ہیں۔ روایتی چپقلش کو میں خاطر میں نہیں لاتا کیونکہ زندہ رہنے والے لوگ ساری عمر لڑلڑ کے گزارتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی ایک مر جاتا ہے تو باقی رہنے والے اس کی تعریفں کے پل باندھتے نہیں تھکتے۔

پھر یہی کہتے ہیں سب اللہ بخشے اچھا انسان تھا۔ اماں دنیا میں رہنے والے ہر انسان کو دوسرے سے شکایت تو ہوتی ہے ناں اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں تو ہوسکتا ہے آپ کے سسرالی عزیزوں کو بھی ہی لگتا ہو اور ویسے بھی یہ ضروری تو نہیں ہے ناں کہ چائے زوبیہ یا رضیہ بہترین بنائیں ہوسکتا ہے میری ننھیالی دوشیزائیں کامیاب ٹھہریں ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے یہ بھی کہ سب ناکام ہوجائیں خیر یہ بعد کا مسئلہ ہے اگر آپ کو یہ شرط قبول ہے تو ٹھیک ورنہ پھر شادی کا خیال دل سے نکال دیں۔" اس کے دوٹوک انداز پر اماں اور آپا دونوں خاموش ہوئیں تھوڑی دیر بعد اماں بولیں۔

"گھنا ہے تو میسنا ٹھیک ہے تیری یہ شرط بھی میں نے دل پر پتھر رکھ کر مان لی کاش میرا ایک آدھ مزید بیٹا ہوتا تو پھر چاہے تجھے عمر بھر کنوارہ رکھنا پڑتا مگر تیری یہ شرط نہ مانتی مسئلہ یہ ہے کہ تو میری اکلوتی اولاد نرینہ اولاد......" وہ کھل کر مسکرایا۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ سب امیدواروں کو خبر کردیں کیونکہ یہ مقابلہ سمیعہ کی شادی پر ہوگا۔" چار ناچار فیصلہ ہوگیا اور سمیعہ کی تاریخ طے کردی گئی۔ سمیعہ کو منجھلے ماموں کی بہو بننا تھا صائم کی شرط کو لے کر آپا تشویش کا شکار تھیں۔ جبکہ اماں پرامید کہ جیت ان کی بھتیجیوں میں سے کسی کا مقدر ہوگی۔ کیونکہ سلجھا ہوا کماؤ داماد ہر کسی کا خواب ہوتا ہے اور اماں چاہتی تھیں کہ اس کا قرعہ ان کے میکے والوں میں سے کسی کے نام نکلے۔ لڑکیاں بھی بے حد پُرجوش اور تازہ دم تھیں۔

☆......☆......☆

پورے خاندان میں صائم کی عائد کردہ شرط حیرانی سے سنی گئی۔ یہ تو پہلی بار ہوا تھا کہ امور خانہ داری کے نام پر یہ لڑکا چاہتا تھا کہ دلہن صرف چائے کڑک بنانا جانتی ہو۔ مگر خیر سب کنواری لڑکیوں کی ماؤں نے بھی اپنی راجکماریوں کو مقابلے میں اتارنے کے لیے کمر کس لی ظاہر ہے کہ صائم جیسا نیک سیرت، برسر روزگار اور خوش شکل داماد مشکل ہی سے ملا کرتا ہے۔ کئی ایک نے تو نفل بھی مان لیے کنواری آنکھوں میں سہانے خواب آ بسے۔ زیتون بی بی بھی اکثر میکے کے حق میں دعائیں مانگی جائے نماز پر پائی جاتیں۔

"اماں جیسے جیسے سمیعہ کی شادی کے دن قریب آ رہے ہیں ویسے ویسے میری گھبراہٹ بڑھتی جارہی

ہے جانے کیا ہوگا؟'' رضیہ آپا تسبیح پڑھتی اماں کے گھٹنے سے لگی بیٹھی تھیں۔

'' کچھ نہیں ہوگا تو فکر نہ کر تیرے ماموں کی بیٹیاں بڑی سلیقہ شعار ہیں' ذکیہ نے تو ماشاء اللہ کوکنگ کورس بھی کر رکھا ہے۔''

'' اماں چاچو کی نجیہ سے مجھے خطرہ ہے معلوم ہے ناں کہ کوکنگ کورس کے بغیر ہی کمینی کے ہاتھ میں بڑا ذائقہ ہے لاجواب چائے بناتی ہے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ صائم نے ابھی تک اس کے ہاتھ کی بنی چائے نہیں پی ورنہ وہ تو شاید بلا مقابلہ ہی جیت جاتی زوبیہ تو خیر کسی شمار میں نہیں پھوہڑ' بدسلیقہ پھوپی نے لاڈ پیار میں زیادہ ہی ڈھیل دے رکھی ہے۔'' آپا کی بات پر اماں دہل گئیں۔

'' اے خیر کا بول تیری سوچ میری حرکت قلب بند نہ کردے کہہ تو تو کسی حد تک صحیح کہہ رہی ہے میں صبح ہی لسوڑی والے بابا سے تعویذ اور دم کیا ہوا پانی لاؤں گی۔'' اپنے جہیز کے کپڑوں پر کڑھائی کرتی سمیعہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔ کچھ بول کر اپنی شامت بلوانے سے بہتر خاموشی تھی۔

'' ہاں..... ہاں اماں ضرور جانا۔'' آپا نے اماں کو شہ دی اور پھر اگلے روز ہی اماں تعویذ لے کر آئیں اور یہ تعویذ صائم کے سرہانے کے غلاف میں رکھ دیا گیا۔ وقتاً فوقتاً دم کیا ہوا پانی بھی بہانے سے پلایا جاتا سمیعہ بس مسکرائے جاتی۔

☆.....☆.....☆

اور پھر سمیعہ کی شادی کی تقریبات کا باقاعدہ آغاز ہو ہی گیا۔ مہندی مایوں بارات ولیمہ سب کا اہتمام گھر پر ہی ہوا۔

ذکیہ' صفیہ' فوزیہ' نجیہ اپنی باری بھگتا چکی تھیں اور تو اور رضیہ کو بھی خصوصی طور پر مدعو کر کے مقابلے کا حصہ بنایا گیا تھا تاکہ خدانخواستہ اگر ننھیالی لڑکیاں فیل بھی ہو جائیں۔ تو آپا کی سہیلی کی بہن میدان مارے کسی طور زیتون بی بی کے سسرالیوں کو موقع نہ ملے۔ نتیجے کا اعلان تمام تقریبات کے خوش اسلوبی سے انجام پا جانے کے ایک روز بعد ہونا تھا تمام لڑکیاں پُراعتماد تھیں کیونکہ انہیں اپنی صلاحیتوں پر ناز تھا مگر مجال ہے صائم علی نے کسی کے ہاتھ کی بنی چائے پی کر چہرے سے کوئی بھی اندازہ قائم کرنے میں امیدواروں کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

وہ سنجیدگی سے بس سپ لیے جاتا یہاں تک کہ کپ میں چائے کا گھونٹ خطرے کی باقیات بھی نہ ملتیں۔ لڑکیاں تلملا جاتیں۔ آج زوبیہ کی باری تھی وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھی اور پھوپو تفکرات کی عمیق گہرائیوں میں غوطہ زن' اب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا کہ کاش زوبیہ کو چائے بنانا سکھا دیتیں تو آج صائم ان کے بھائی کی نشانی بطور داماد مٹھی میں ہوتا۔ مگر واہ ری قسمت..... زوبیہ جب چائے بنا کر حاضرین میں کپ بانٹنے آئی تو سب لوگ استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

اماں نے تو حد کر دی چائے پینے سے انکار کر دیا باقی لوگ محض تماشائی کا کردار ادا کرنے کے لیے کپ تھام گئے۔ البتہ اس سارے منظر میں صائم علی غیر جانب دار رہا اس نے حسب روایت خوش دلی سے کپ تھاما اس کی نظروں سے زوبیہ کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ اور آنکھوں کی نمی چھپی نہ رہ سکی۔

حالانکہ یہ وہ ہنستی مسکراتی شوخ لڑکی تھی جسے کبھی کسی نفع نقصان کی پرواہ نہیں رہی من موجی اور لاپرواہ سی طبیعت تھی۔ اس کی وجہ سے پھوپو کو اکثر خاندان بھر کی تنقید کا سامنا رہتا اصل میں وہ پھوپا کی زیادہ چہیتی اولاد تھی پھوپا چار بیٹوں کے بعد بیٹی کے خواہش مند تھے اور بڑی منتوں مرادوں سے زوبیہ کی شکل میں یہ خواہش پوری ہوئی تھی اور وہ پھولے

نہ سمائے۔

اس سارے مقابلے میں ایک وہی مطمئن فرد تھے وہ صائم علی کے معترف ضرور تھے مگر وہ زمینی حقائق پر یقین رکھتے تھے کہ صائم علی جیسا داماد ملنا مشکل ضرور ہے۔ مگر ناممکن تو نہیں اگر صائم بطور داماد مقدر میں ہے تو مل کر رہے گا ورنہ اچھے لڑکوں سے دنیا بالکل خالی تھوڑی ہوگئی ہے۔ سو صائم علی لمحے بھر کے لیے موم ضرور ہوا تاہم یہ فیصلہ چائے پینے کے بعد ہی ہونا تھا مگر یہ کیا؟ چائے کا آدھا گھونٹ بھرتے ہی سب معززین کو اچھو لگ گیا۔ کپ میز پر پٹخ دیے گئے اور پھوپو' پھوپا کی ناقص تربیت اور بے جالاڈ پیار کو طنز کا نشانہ بنایا جانے لگا کوئی پھوپو کو قصور وار گردان رہا تھا کوئی پھوپا کو سزاوار ٹھہرانے پر مصر تھا۔

کوئی زوبیہ کو لاپرواہ ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں باقی امیدواروں کا تو ہنس ہنس کر برا حال تھا۔ پھوپو خفت کے مارے منظر سے غائب ہوگئیں۔ زوبیہ جو ہر بات کو ہنسی میں اڑانے کی عادی تھی۔

جانے کیوں اتنی تضحیک پر سر جھکائے سرخ چہرہ لیے وہیں بیٹھی رہی وہ اس بات کو ہنسی میں نہ اڑا سکی اور صائم وہ کوئی لفظ بولے بغیر خاموشی سے چائے کا آخری قطرہ ختم ہونے تک کپ لیے بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ حسب روایت سپاٹ تھا۔ جونہی اس نے چائے کا کپ میز پر رکھا پھوپا نے ضبط کیے بیٹھی زوبیہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''تم میری لاڈلی اور شہزادی بٹیا رانی ہو تم کسی کی پرواہ نہ کرو صائم بھلے ہیرا صفت لڑکا ہو مگر یہ دنیا میں بچ جانے والا آخری لڑکا نہیں ہے۔'' وہ یہ کہہ کر چلے گئے اور چہ میگوئیوں کا باب پھر کھل گیا۔

☆.....☆.....☆

وہ تھک ہار کر جونہی بستر پر سونے کے لیے نظروں میں چھم سے زوبیہ کی رونی صورت در آ اسے افسوس ہوا مگر وہ کیا کرسکتا تھا۔

اگر ذرا سی بھی حمایت کرتا تو سب لوگ آخر ہونے والے فیصلے کو ہی مشکوک ٹھہرا دیتے اسے پھ پر بھی ترس آرہا تھا۔

لیکن ان حالات کی ذمہ دار وہ خود تھیں یہ تو جانتا تھا کہ نمک چینی پتی والی چائے اس نے مشکل سے بلکہ خود پر جبر کرکے پی تھی اور چہرے تاثرات بھی کمال خوبصورتی سے چھپا گیا کیونکہ کسی کی توہین کرنے کے حق میں نہیں تھا اتنی بدم چائے کوئی اور لڑکی بھی بناتی تو وہ خاموشی سے جاتا۔

اگرچہ اماں خاصی جز بز ہو رہی تھیں۔ ان خیال میں صائم کو کپ فرش پر پٹخ کر دو ٹکڑے کر چاہیے تھا مگر وہ غیر جانب داری کا مظاہرہ کرنے مجبور تھا اس میں شک نہیں کہ ذکیہ' صفیہ' فوزیہ' نجیہ ا رقیہ نے ایک سے بڑھ کر ایک 'بڑھیا' چائے بنائی تھی کہ فیصلہ مشکل ہو رہا تھا رقیہ کا انتخاب کرکے شک وہ ننھیالی دودھیالی جھگڑے سے بچ جاتا۔ مگ فیصلہ معیار پر ہونے کا کہہ چکا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کے سر میں درد ہوگیا وہ سب لڑکیوں کی چائے کے ذائقے کو باری باری زبان پر محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ فیصلہ پھر بھی نہ ہوسکا۔ تنگ آکر و سوگیا۔

☆.....☆.....☆

سمیعہ کی رخصتی کل ہوچکی تھی آج ولیمہ تھا اور سب حسینائیں منفرد 'چھب' دکھا رہی تھیں وہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگیا کہ سبھی طرحدار ہیں وہ مختلف سوچوں میں اُلجھا ہوا بیٹھا تھا کہ اچانک اس کی نظر کسی بات پر بے ساختہ ہنستی ہوئی زوبیہ پر پڑی وہ

ایک لمحہ اس کا قرار لوٹ گیا وہ لمحہ نظروں میں قید ہوگیا۔

وہ ایک لمحہ غیر منصفانہ فیصلہ کروا گیا۔ وہ سب کچھ بھول گیا یا در ہا تو صرف اتنا کہ ہنسی روکنے کی کوشش میں زوبیہ کا سر خفیف سی جنبش کرتا ہوا کچھ پیچھے کی طرف جھک جاتا تھا اور ٹھوڑی کانپنے لگتی تھی لڑکیوں کا حسن' سلیقہ کڑک چھاپ چائے' لباس' میک اپ جیولری سب گیا بھاڑ میں بس لڑکی کی ہنسی اور ہنسنے کا انداز دل کش ہونا چاہیے۔

یوں بھی ہوسکتا ہے یکدم کوئی اچھا لگ جائے
بات کچھ بھی نہ ہو اور دل میں تماشہ لگ جائے

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ فیصلہ ہوجانے کے بعد وہ پُرسکون ہوجاتا مگر وہ بے حد بے سکون ہوگیا تھا۔ کیوں نہ ہوتا' یہ فیصلہ تو سب کی امیدوں کے برعکس تھا۔ اماں نے تو اس کی یخنی بنا دینا تھی اور زوبیہ کی چمک دمک دیکھ کر اسے کل والی سوگواری لحافی کیفیت محسوس ہونے لگی کیونکہ وہ ازلی بے فکری سے انجوائے کر رہی تھی۔ شاید پھوپا نے برین واش کر دیا ہو اس کا برین تو پرسوں واش ہونا تھا۔

☆.....☆.....☆

شادی کا مرحلہ بحسن وخوبی انجام پا گیا درمیان والا مشکل دن بھی گزر گیا اور آج کڑے انتظار کے بعد فیصلے کا روز تھا سب لڑکیاں اور ان کے والدین اپنے اپنے گھروں میں زیتون بی بی کی فون کال کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ جو آ کر ہی نہ دے رہی تھی۔

مگر کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ فیصلہ لازماً منجھلے ماموں کی ذکیہ کے حق میں ہوگا کیونکہ اس کی ایک وجہ تھی کہ وہ کوکنگ کورس کی ڈگری ہولڈر تھی اور دوسری بڑی وجہ سمیعہ کی نند ہونا تھی ظاہر ہے صائم علی بہن کے گھر میں بدمزگی تھوڑی پھیلا سکتا تھا وہ بھی نو بیاہتا بہن..... تو کچھ لوگ چاچو کی نجیہ سے خائف تھے۔ کیونکہ نگوڑی ماری بغیر کسی کورس کے لاجواب پکوان بنانے میں ماہر تھی اور اس کے ہاتھ کی چائے تو کسی صورت چھوڑنے کا جی نہ چاہتا بس کپ ہاتھ میں آتے تو سہی صائم علی کب تک جان چھپاتا آخر اماں نے آڑے ہاتھوں لیا۔

''ہاں بھئی میاں کہاں تک پہنچے تیری سوچ کے تانے بانے؟''

''اماں وہ.....'' بغلیں جھانکنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''ائے کیا میں میں..... وہ وہ سیدھی بات کرو۔'' رضیہ آپا کو بھی جوش آ گیا۔ اماں نے رضیہ آپا کو تحمل سے بات کرنے کا اشارہ دیا اور گویا ہوئیں۔

''چل بول ناں میرے چاند کس کے ہاتھ کی چائے تجھے کڑک لگی؟ مجھے یقین ہے ذکیہ کے ہاتھ کی چائے پسند آئی ہوگی تجھے آخر اس نے کورس کر رکھا ہے ماشاء اللہ..... اور پھر دوسری گلی سے اپنے بھائی کی شادی کا ہنگامہ چھوڑ کر خاص طور پر مقابلے میں شرکت کے لیے آئی تھی۔ میرے چاند اس بات کو نہ بھولنا کہ وہ سمیعہ کی نند بھی بن چکی ہے۔''

بات کے آخر میں گویا ہلکی سی دھمکی پوشیدہ تھی مگر وہ ذہنی طور پر خود کو تیار کر چکا تھا لہٰذا مسکرا کر بولا۔

''اماں محنت تو واقعی کمال کی تھی مگر چائے میں بس ایک آدھ اُبال کی کسر رہ گئی تھی۔''

''اوئی اماں یہ تو کوکنگ کورس کی سند یافتہ لڑکی کو رد کر رہا ہے تو پھر باقیوں کا کیا ہوگا۔'' رضیہ آپا چیخ اٹھیں فکر مند تو اماں بھی ہوئیں مگر ابھی آپشن باقی تھے۔

''اچھا..... تو پھر صفیہ کے متعلق کیا خیال ہے کیسی دم دار چائے بنائی تھی اس نے دیکھنا میرے

لعل وہ میرے چھوٹے بھائی کی بیٹی ہے اور مجھے اپنے چھوٹے بھائی سے بہت پیار ہے۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔

''ہاں دم دار تو ہونا تھی اتنی تیز پتی جیسے ٹرک ڈرائیورز پیتے ہیں نیند بھگانے کے لیے۔'' اماں کا دل جل گیا مگر ہمت نہ ہاری۔

''بڑے ماموں کی فوزیہ کیسی رہے گی کیسی خوشبودار چائے بنائی تھی اس نے میرے راج دلارے اور کچھ نہیں تو ماموں کی بزرگی کا خیال کرلے۔''

''جی ہاں خوشبودار تو ہونا تھی کیونکہ الائچی کا بے دریغ استعمال کیا گیا تھا یہاں تک کہ موصوفہ چائے پتی بجائے برابر سے برابر کر بیٹھیں سارا دھیان شاید چائے کو خوشبودار بنانے پر رہا۔'' وہی مسکراہٹ.....

''اماں.....'' رضیہ آپا صدمے کے زیر زثر بولیں۔

''اس نے تو ننھیالیوں کو فل فیل کردیا۔'' قریب تھا کہ اماں بالکل مایوس ہوجاتیں کہ اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی حفظ ماتقدم کا اقدام.....

''اچھا تو پھر رقیہ کی چائے کا ذائقہ تو نہیں بھولا ہوگا تجھے آخر پرانی تعلق داری کا معاملہ ہے۔'' اب کی بار انہوں نے کسی لاڈ بھرے نام سے گزارش نہ ڈالی۔

''اور یہ میری ناک کا مسئلہ بھی ہے۔'' یہ اضافہ رضیہ آپا کی طرف سے ہوا۔

''ناک کا مسئلہ نہیں ہے آپا مسئلہ تو صرف چائے کا ہے۔ خیر آپ کی رقیہ کے ہاتھ کی چائے پینے سے بہتر ہے انسان جوشاندہ پی لے۔'' گھنگتا ہوا لہجہ دونوں کو تاؤ دلا گیا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟'' یہ رضیہ آپا کی پکار تھی۔

''ائے رہنے دو میں جانتی ہوں یہ میرے سر پر اپنے ددھیال والوں کو نچوانا چاہتا ہے۔'' اماں کو بڑا قلق تھا کہ تعویذ اور دم کیا ہوا پانی دونوں کارگر نہ رہے اور پانچ ہزار بھی حرام ہوئے جو کامیابی کے نسخے کی مد میں لسوڑی بابا کے تھیلے میں گئے کمینہ کیسے کام ہوجانے کا یقین دلا رہا تھا۔

''تو کیا تجھے نجیہ کی چائے بھا گئی ہے؟'' بادل نخواستہ پوچھا گیا۔

آپا کو یقین تھا کہ جواب ہاں میں ہوگا مگر یہ کیا صائم نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے ارشاد جاری کیا۔

''ارے نہیں اماں وہ چائے میں دودھ کا استعمال کم اور پانی کو زیادہ خرچ کرتی ہے۔

''اوہ.....'' آپا نے سکھ کی سانس لی۔ کیونکہ جب اتنی ماہر لڑکیاں ناکام ہوگئیں تو پھر زوبیہ کس کھیت کی مولی تھی۔ اماں بھی خوش تھیں کہ چلو اگر ننھیال نہیں تو ددھیال کا امکان بھی ختم ہوگیا۔

اس لیے زوبیہ کا نام لینے کی کسی نے زحمت یا ضرورت نہ سمجھی۔ جب وہ دونوں اپنی کہہ سن کر چپ ہوگئیں تو صائم نے گلا کھنکار کر بات شروع کی۔

''اماں آپ ایک امیدوار کا نام لینا بھول گئیں شاید؟'' آپا سمجھ کر ہنس دیں جبکہ اماں لاپرواہی سے بولیں۔

''چلو اس پر بھی تبصرہ کردو حالانکہ وہ تو تبصرے کے قابل بھی نہیں ہے۔''

''ہوں مگر آپ کے لیے یہ خبر کسی سانحے کی بریکنگ نیوز سے کم نہ ہوگی کہ مجھے زوبیہ پسند ہے۔''

''کیا.....؟'' آپا کے ہاتھ سے ملک شیک کا گلاس چھوٹ کر زمین بوس ہوا تو اماں بھی سیدھی ہوبیٹھیں۔

انہیں اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا کہ قرعہ فال زوبیہ کے نام نکلا ہے۔

''یعنی تجھے وہ پھوہڑ، بدسلیقہ، گنوں والی لگی ہے۔

ارے اس سے اچھی تو نجیہ تھی۔ کم از کم گھڑا پے کے کوئی نہ کوئی اثرات تو اس میں موجود تھے ہائے تیرا ستیاناس.....'' اماں منہ پر کپڑا رکھ کر رونے لگیں۔

'' ارے اس کے ہاتھوں کی چائے تو برابر والوں کا کتا ڈبو بھی نہ پینا پسند کرے اور تجھے زوبیہ کے ہاتھ کی چائے پسند آ گئی حد ہوگئی حد.....'' آپا چمک کر بولیں۔

''میری پیاری آپا تصحیح کرلیں کہ میں نے چائے کو معیاری قرار نہیں دیا اور نہ ہی اسے گھڑا کہا ہے میں تو یہ کہہ رہا ہوں مجھے زوبیہ کی ہنسی کا انداز پسند آ گیا ہے۔ باقی شادی کے بعد سارا گھڑا پا اماں اسے سکھا دیں گی بھئی آپ جو مرضی نام دے لیں اسے چاہے جوٹرن سمجھیں یا وعدہ خلافی یا تبدیلی میں نے سوچا ہے کہ شادی اس سے کروں گا جس کی ہنسی کا انداز اچھا ہوگا اور باہر جھانکا تانکی سے بہتر ہے میں آپ کی مشکل آسان کردوں کیونکہ زوبیہ کی ہنسی اور ہنسی کا انداز منفرد ہے کم از کم خاندان کی لڑکیوں میں کسی کا یہ انداز نہیں ہے۔''

وہ اٹل لہجے میں کہتا ہوا اٹھ گیا۔

''اری تو مان نہ مان شکیلہ نے اس پر کوئی نہ کوئی ٹونہ کروادیا ہے۔'' اماں ہلکان ہو رہی تھیں آپا چپ سادھ کر غور کر رہی تھیں کہ ان کے اکلوتے بھائی کو کس کی نظر لگ گئی۔

''کیوں باؤلا ہو رہا ہے انڈین پروگرام تو کبھی اس نے نہیں دیکھے پھر کیوں عجیب وغریب مطالبے کر رہا ہے۔'' مگر بہت غور کے بعد بھی کوئی سرا ہاتھ نہ آیا۔

☆.....☆.....☆

صائم علی کے انتخاب پر پورا خاندان انگشت بدنداں رہ گیا سب لڑکیاں غصے سے بل کھا رہی تھیں۔

'' جانے کس جنم کا بدلا لیا ہے صائم نے ہم سے؟'' فوزیہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے بولی۔ آج فوزیہ صفیہ' رقیہ اور ذکیہ کے ہاں جمع ہوئی تھیں۔ صرف نجیہ غیر حاضر تھی اور وجہ ظاہر ہے کہ وہ زیتون بی بی کی سسرالی عزیزہ تھی۔ جب کہ زوبیہ کی موجودگی کا سوال تو پیدا ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ مس ورلڈ ٹھہری۔

''بدلا.....؟'' صفیہ حیرت سے چیخی۔

'' مائی ڈیئر..... صرف بدلا نہیں لیا اس نے ہماری ٹھیک ٹھاک بے عزتی کی ہے' وہ سمجھتا کیا ہے خود کو راجہ اِندر جیسے ہم سب اس سے شادی کے لیے مرے جارہی ہیں۔'' فوزیہ نے دوبارہ آتش فشانی کی۔

''ارے اگر مرے نہیں جارہی ہو تو پھر غم وغصہ کا ہے کا ہے؟'' رضیہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس نازک موقع پر ہنسی آ گئی۔ صفیہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

''کمینی ہمیں صائم سے شادی نہ ہونے کا اتنا غم نہیں ہے جتنا غم اپنی توہین کا ہے۔''

''ہم نے تو تمہیں بھی زیتون پھوپو کے سسرالی فوبیا کی وجہ سے برداشت کیا ہے اور تم ہو کہ.....'' فوزیہ نے جلدر قیہ کو آئینہ دکھایا تو وہ پہلے سٹپٹائی پھر خفا ہوئی۔

'مائنڈ اٹ مقابلے میں شامل ہونے کا مجھے کوئی خاص شوق نہیں تھا میں تو محض اپنی بہن ثریا کی وجہ سے شادی میں شریک ہوئی اور ویسے بھی شادی میں شمولیت کی وجہ صرف صائم نہیں ہے زیتون خالہ کی فیملی سے ہمارے دوستانہ مراسم ہیں۔ رضیہ آپا میری باجی کی اچھی دوست ہیں اور پھر ہر انسان کو اختیار ہے وہ جیسے چاہے بطور جیون ساتھی منتخب کرے۔''

''اچھا تو تمہارا مطلب ہے کہ صائم بے قصور ہے؟'' صفیہ ابرو چڑھا کر بولی۔

''ہاں ایک طرح سے بے قصور ہے دیکھو مجھے

معلوم ہے کہ چائے مقابلے کا انعقاد نیک نیتی سے کیا گیا تھا یوٹرن تو زوبیہ سے اتفاقیہ عشق ہونے پر لیا گیا ہے ورنہ خیر چھوڑو یار دنیا میں اچھے لڑکوں کا بحران نہیں پڑ گیا۔ کھلے ذہن و دل سے اس فیصلے کو قبول کرلو۔''

''ارے فیصلے کو مارو گولی بے عزتی کو کیسے بھول جائیں کیا تم بھول سکتی ہو؟'' یہ فوزیہ تھی۔

''ہاں تو کیا ہم اب اتنی سی بات پر صائم کا سر پھاڑ دیں کہ اس نے چائے کو ریجیکٹ کر دیا میں تو چلو پھر بھی غیر ہوں تم لوگ تو اس کے رشتے دار ہو یار اس کی خوشیوں میں شریک ہونا راض ہونا تو بنتا ہی نہیں مقابلے میں ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے۔ مختلف لوگ مختلف مقابلوں میں کوالیفائی کرتے ہیں لیکن سب تو کامیاب نہیں ہوتے تو کیا وہ اپنی ہار پر انتقامی کارروائیاں کرنے بیٹھ جائیں محض اَنا کا مسئلہ بنا کر اخلاقیات کو بھول جائیں اور یار دل پر کس کا اختیار کب دل قابو سے باہر ہو جائے ہاتھ سے نکل جائے کچھ نہیں پتہ ہوتا یار کچھ بھی صائم کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے یہ اس کا منصوبہ نہیں تھا۔'' رقیہ کی تقریر سے صفیہ کچھ کچھ متفق نظر آنے لگی۔

''ہاں یار واقعی کسی حد تک تم درست ہو ورنہ اگر صائم کا پہلے ہی زوبیہ سے چکر ہوتا تو اسے کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی واقعی عشق میں بڑی قوت ہے بھئی چلو میں نے اسے معاف کر دیا۔''

''مگر یار وہ ہمارا اتنے مہنگے پارلر سے تیار ہونا جدید ملبوسات کی خریداری اور چائے کی تیاری کے لیے ماہر شیف کی ٹپس 'گوگل سرچ' کرنا کس کھاتے میں ڈالو گی۔''

''ارے تم اس کے بہکاوے میں مت آؤ مجھے تو لگ رہا ہے صائم نے میرے کوکنگ کورس کی ڈگری کو رد کیا ہے وہ کپتان بن رہا ہے عمران خان کی طرح یوٹرن لے کر اور یہ رقیہ مجھے اس وقت فواد چوہدری لگ رہی ہے ارے وہ چائے کو ریجیکٹ کرتا تو کوئی بات بھی تھی مگر اس چائے کا بالواسطہ تعلق تو ہم سے تھا ناں جس محنوں ماری کو اس نے منتخب کیا ہے وہ کون سا کسی فرنگی کے لیے باورچی کی خدمات سرانجام دیتی رہی ہے یہ صرف دھاندلی ہے دھاندلی.....''

کافی دیر سے خاموش بیٹھی ذکیہ رقیہ پر برس پڑی۔

''اچھا تو پھر کروالو دھاندلی کی تحقیقات مریم نواز بن کر۔'' رقیہ نے اسے ملامتی نظروں سے دیکھا۔

''میں اگر فواد چوہدری بن رہی ہوں تو تم بھی تو مشاہد اللہ کا کردار ادا کر رہی ہو کیا کرو گی دھرنا دو گی اپنی پھوپو جان کے گھر کے سامنے یا صائم کو حوالات میں بند کروا دو گی تم ان میں سے کچھ بھی نہیں کر سکتی تو خاموش ہو جاؤ۔ اپنا خون مت جلاؤ۔ تمہارا اس طرح سے ری ایکٹ کرنا خود تمہیں مشکوک کر دے گا کہ شاید تم صائم کے بغیر جی نہیں سکتیں۔''

''مائی فٹ.....'' وہ دھاڑی اور کچھ سمجھ آ جانے پر چپ کر کے بیٹھ گئی رقیہ جان گئی کہ آخری جملہ کارگر ثابت ہوا ہے کچھ دیر بعد وہ اُداسی سے بولی۔

''چلو مان لیا سب حادثاتی طور پر ہوا مگر پھوپو اسے ایموشنل بلیک میل تو کر سکتی تھیں۔ پاکستانی ماؤں کے پاس تو کئی حربے ہیں۔ اور ایسے آزمودہ حربے کہ اولاد کو زیر کرنے میں چند منٹ ہی لگتے ہیں۔ ویسے یار واقعی ایسے تو ہماری پوزیشن ڈاؤن ہو گی۔ ہمارے احتجاج سے صائم کو بھلا کیا فرق پڑے گا۔''

''وہ تو مرد ہے ناں طاقت ور فرق تو ہماری عزت نفس میں آئے گا بہتر ہے کہ پھر ہم بھی ثابت کر دیں کہ ہمیں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''شاباش یہ کی ہے ناں تم نے سیانوں والی بات یہی سب تو میں سمجھا رہی تھی اتنی دیر سے اور بھئی زیتون خالہ سے بدگمان ہو اطلاع ہے کہ انہوں نے صائم کو خاصی دھمکیاں لگائی ہیں مگر وہ کسی طرح 'جال' میں نہیں ایا پھر یار وہ ان کا اکلوتا بیٹا ہے کہاں تک وہ اس سے کنارہ کرسکتی ہیں؟''

''مگر اکلوتا بیٹا بھی تو بیوہ ماں کا خیال کرے ناں؟'' فوزیہ بھی ٹھنڈی پڑ گئی اور دھیرے سے خیال کشائی کی رقیہ مسکرائی۔

''کرتور رہا ہے وہ کہتا ہے کہ اگر زوبیہ سے اس کی شادی نہ ہوئی تو پپو بھنگن سے شادی کرے گا جو اس کے دوست کے گھر میں ماسی گیری کرتی ہے کیونکہ صائم کے بقول پپو بھنگن چائے بھی زبردست بناتی ہے اور اس کی ہنسی بھی 'ناجیہ بیگ' کی ہنسی سے ملتی جلتی ہے ارے وہی اپنی حسب حال والی ناجیہ بیگ.....''

''الامان الحفیظ۔'' سبھی نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''مگر یار وہ بیوٹی سیلون اور ملبوسات ڈیزائنر کے اخراجات.....'' صفیہ نے پھر دہائی دی۔ رقیہ راکھ کریدے جانے پر پھر برہم ہوگئی۔

''بجھی ہوئی چنگاری کو پھونکیں مار کر دوبارہ مت سلگاؤ صائم نے بیوٹی سیلون اور ملبوسات کے اخراجات کرنے کا نہیں کہا تھا۔ نہ ہی اس کی یہ شرط تھی کہ ہونے والی دلہن 'مس ورلڈ' کو شرماتی ہو یا اس کو رکھ رکھاؤ کا طریقہ آتا ہو یا ویل ڈریسنگ میں ڈیانا کو کاٹ جائے یا سگھڑاپے میں زبیدہ آپا کو مات دے دے نہیں ایسا کچھ نہیں تھا۔ بات صرف چائے کی تھی صرف چائے باقی سب تو آپ نے اپنی مرضی سے کیا۔''

''ہاں بات صرف چائے کی تھی صرف ایک چائے۔ وہ چائے ہی بیٹھ گئی۔'' فوزیہ بڑبڑائی۔

''چوہدری نثار کی طرح.....''

''ہاں یار یہ تو سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ چائے تو سب نے کمال کی بنائی تھی۔ پھر بھی بیٹھ گئی کرپٹ حکومت کی طرح۔'' صفیہ کے حصے ڈالنے پر رقیہ کا جی چاہا سر پیٹ لے۔

''پھر وہی چائے۔'' اس سے قبل کہ اسے دوبارہ تقریر کرنا پڑتی ذکیہ نے مشکل آسان کردی۔

''دفعان کرو سب باتوں کو چائے ملکی خزانے کی طرح بیٹھی ہو یا حکومت کی طرح اب اس موضوع پر کوئی بحث نہیں ہوگی اور جو کرے گا پھر اس کی خیر نہیں ہوگی۔ خود کو اتنا ڈی گریٹ مت کرو کہ خود ہی بیٹھ جائے سنا تم نے۔'' ذکیہ کی بات کا اثر فوری ہوا۔ آخر وہ اپوزیشن لیڈر جو تھی۔ سب نے ہاں میں ہاں ملا کر چائے پر فاتحہ پڑھ لی۔ حالانکہ چائے سامنے آنے پر ابال تو بہت آئے تھے کیونکہ زخم تازہ ہوجاتے تھے۔

مگر پھر بھی سب نے سمجھوتہ کرلیا اور یوں (APC) بیٹھ گئی جس کا تمام تر کریڈٹ رقیہ کو جاتا تھا جو محبت کی دشمن نہیں بلکہ امن کی داعی تھی۔

☆.....☆.....☆

جونہی اے پی سی نے سمجھوتہ کیا اللہ نے بھی ان پر اپنا کرم کردیا صفیہ کا رشتہ اس کی دوست کے سرکاری ماسٹر بھائی سے قرار پا گیا فوزیہ کو رقیہ نے اپنے کماؤ بھائی کے لیے بطور بھابی پسند کرلیا اور وہ خود گریڈ سترہ کے وابڈا افسر کے ساتھ سدھار گئی۔ صرف نجیہ اور ذکیہ رہ گئیں۔ نجیہ اے پی سی میں تو نہیں تھی مگر صائم کی امیدوار تو تھی ناں بہرحال چند ہفتوں بعد یہ قضیہ حل ہوگیا جب نجیہ کے دبئی پلٹ بھائی کے لیے ذکیہ کا ہاتھ مانگنے صائم کے چچا چچی بنفس نفیس اس کے مجھلے ماموں کے ہاں گئے تو دوریاں زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکیں۔

اور اسی مرحلے میں نجیہ سمیعہ کی دیورانی بن گئی۔

جی ہاں کیا سمجھے؟ نجیہ بنی ذکیہ کی بھابی اور ذکیہ بنی نجیہ کی بھابی یعنی ادلا بدلا نخیال ددھیال گٹھ جوڑ مبارک ثابت ہوا لیکن زیتون بی بی کو بڑا شاک لگا کیونکہ انہیں اپنے میکے کی لڑکیوں میں زیادہ ذکیہ ہی بھائی تھی۔

مسئلہ صرف صائم اور زوبیہ کا تھا۔ زیتون بی بی کو سب نے بہت سمجھایا مگر ان کی 'ناں' ہاں میں نہ بدلی گویا انہوں نے صائم کی شرط سے شرط باندھ لی۔ مگر دھچکا تو انہیں اس وقت لگا جب صائم نے پینو بھنگن کی ایک تصویر انلارج کروا کر اپنے کمرے کی سامنے والی دیوار پر لگا دی اور چھوٹی تصویر اپنے والٹ میں لگالی۔

انہوں نے صائم کی دھمکی کو درخواعتنا نہ جانا تھا پر یہاں تو وہ مکمل طور پر بگڑ چکا تھا اپنے والٹ میں سجی پینو کی تصویر کو ڈھیٹ بن کر بے شرمی سے رضیہ آپا اور اماں کے سامنے چومتا اور کبھی کمرے میں لگی تصویر کے سامنے سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا اور ٹھنڈی آہیں بھرتا۔

صرف یہی نہیں اب تو پینو بھی بہانے بہانے سے کبھی چینی تو کبھی پتی مانگنے آجاتی۔ موٹی آنکھوں' پھیلی ناک اور اونچے دانتوں والی سانولی پینو بھنگن اماں کو زہر لگنے لگی تھی اور تو اور انہیں رضیہ آپا سے پتہ چلا تھا کہ جب وہ کسی فوتگی پر گئی ہوئی تھی تو صائم نے پینو کو گھر بلا کر اسے ہری پیلی چوڑیاں اور لال پراندہ بھی تحفے میں دیا تھا اب تو انتہا ہو گئی تھی پہلے تصویریں پھر تحفے اور پھر آگے کیا ہوتا؟ یہ سوچ کر وہ کھول اٹھیں صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

وہ تنتناتی ہوئی صائم کے کمرے میں داخل ہوئیں جو بیڈ پر اوندھا لیٹا استاد غلام علی کی غزلیں سن کر ہچکیاں لے رہا تھا۔ اماں نے ٹیپ ریکارڈر آف کیا۔

''وے اٹھ نہ ذرا.....'' انہوں نے صائم کی شرٹ کا کالر کھینچا۔ وہ لیٹے لیٹے سیدھا ہوا۔ سینے پر پینو کی تصویر بوسے دے رہی تھی۔ اماں نے جھپٹا مار کر تصویر قبضے میں کی بلکہ پورا والٹ ہی قبضے میں کر لیا۔

''کیا افتاد آپڑی؟'' وہ نادیدہ آنسوؤں کو پونچھتا ہوا منہ بناتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''افتاد کی اولاد.....'' اماں اپنے دیے گئے لقب پر خود ہی گڑبڑا گئیں۔ کیونکہ انہیں صائم معنی خیزی سے دیکھ رہا تھا۔

''میرا مطلب ہے کہ افتاد کا مطلب تو میں تجھے سمجھاتی ہوں بعد میں پہلے تو تو مجھے اس افتاد کا تعارف کروا'' اماں نے پینو کی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''ہائے.....'' وہ دل جلے انداز میں بولا۔

''اماں اس کا کیا تعارف کرواؤں یہ تو افتادِ عشق ہے جسے کاندھوں پر اٹھانے کے لیے میں بخوشی تیار ہوں' بڑا بے قرار ہوں۔''

اماں نے زور سے اس کے کاندھے پر ہاتھ جڑا گویا پینو کا قیام یہیں پر تو ہو۔

''تیری ساری بے قراریوں کو قرار میں نہ بدلا تو میرا نام زیتون بی بی نہیں تو مجھے ماں ماننے سے انکار کر دینا اگر قرار نہ پہنچا سکی تجھے تو۔''

''تو پھر دیر کاہے کی ماں بسم اللہ کرو۔'' وہ دلربائی سے کہہ اٹھا۔

''ناس پیٹے پہلے تو تیرا دماغ درست کروں گی آخر دیکھا کیا ہے تو نے اس موٹی پینو میں۔''

''اماں ہزار بار کہہ چکا ہوں اور ایک ہزار ایک مرتبہ دہرا دیتا ہوں کہ وہ بڑی دبنگ ہے اس کی چائے میں ترنگ ہے اس کی ہنس میں ڈھنگ ہے وہ میرے دل میں لگی ہوئی جنگ ہے۔'' صائم نے پینو کی شان میں تعریفوں کے پل باندھ دیے۔

''لاحول ولاقوۃ مانو زبیدہ آپا کی بھانجی اور مہوش حیات کی نقل ہے مونالیزا کی کوئی تصویر ہے یا

ڈرون حملہ ہے۔ارے وہ طاعون کی وبا ہے صرف وبا مجھے بڑھاپے میں ذلیل نہ کر میرے سفید بالوں پر ترس کھاؤ ونلڈ ٹرمپ جیسی بے حسی اور ڈھٹائی نہ دکاتو میری اکلوتی اولاد نرینہ ہے بدقسمتی سے.....''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ اس اکلوتی نرینہ اولاد پر رحم کریں مجھے بھی سکون حاصل نہیں ہے پپو یا زوبیہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے ورنہ میں ابا کی نسلسل بڑھانے کے لیے مجبور اپپو کا انتخاب کرلوں گا اور صرف دو ماہ کی ڈیڈ لائن ہے آپ کے پاس اور یہ یاد رکھیں کہ یہ عمران خان کی نواز شریف کو دی گئی پرانی ڈیڈ لائن نہیں ہے یہ میری ڈیڈ لائن ہے بقلم خود صائم علی کی.....''

اماں کے تصور میں جناتی نسل کے پوتا پوتیاں چلے آئے وہ سرتاپا کانپ گئیں۔

''تو چاہتا ہے کہ میں خودکش حملہ آور بن کر تمہاری بارات کے دن دھاوا بول دوں۔'' صائم نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی۔

''نہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ن لیگ اور پیپلز پارٹی کی طرح گرینڈ الائنس کرلیں۔''

''تو بھول رہا ہے کہ ان میں اندرون خانہ پھوٹ پڑ گئی تھی۔'' اسے اماں کی سیاسی باخبری پر رشک آیا۔

''چلیں پھر ٹھیک ہے دو ماہ بعد فیصلہ ہو جائے گا۔'' اس کی ہٹ دھرمی پر اماں نے ہار مان لینے کا فیصلہ کرلیا۔وہ تو پیچھے ہٹنے والا نہیں لگ رہا تھا۔

''تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ یہ تمہاری حتمی ہٹ دھرمی ہے۔'' وہ نرمی سے پوچھنے لگیں۔

''جی ہاں.....'' قطعی انداز.....

''تو پھر ٹھیک ہے کرلے اپنی مرضی اور لے آیا زوبیہ کو مریم نواز بنا کر میرے سر پر سوار کردے۔'' وہ دلبرداشتہ ہو کر عندیہ دے بیٹھیں۔

صائم علی کا جی چاہا وہ بھنگڑا ڈالے مگر اس نے خواہش پر قابو پاتے ہوئے اوپری دل سے کہا۔

''مگر وہ تو سگھڑ نہیں ہے اماں اس سے بہتر پپو بھنگن ہے میرے خیال میں دوبارہ غور کرلیں۔''

''کرلیا غور سیاہ فام پوتے پوتیوں سے بہتر ہے میں پھوہڑ بہو کو سگھڑ بنادوں۔بجائے اس کہ تمہارے مرحوم باپ کی نسل کو داغدار کروں مجھے یہ کڑوا گھونٹ پینا منظور ہے۔'' یہ بات انہوں نے کس من سے کہی تھی یہ تو ان کا خدا جانتا تھا جبکہ صائم علی نے اماں کو بانہوں کے گھیرے میں لے کے چٹاچٹ چوم ڈالا۔

''تبدیلی آ نہیں رہی..... تبدیلی آ گئی ہے میری پیاری اماں یاہو۔'' زیتون بی بی ناگواری سے اسے پرے دھکیل پر اٹھ گئیں۔

☆.....☆.....☆

پی ٹی آئی کے پی ایم ایل این سے اتحاد کی خبر آئی تو رضیہ آپا کو اتنی حیرت نہ ہوئی جتنی حیرت انہیں اماں کے فیصلے سے ہوئی البتہ سمیعہ دل سے اپنے بھائی کی خوشیوں میں خوش تھی اور شادی کی تیاریوں میں پیش پیش تھی۔

بڑی منتوں مرادوں سے مانگا ہوا دن آ ہی گیا اور اس انقلابی دن ذکیہ صفیہ نجیہ فوزیہ اور رقیہ بھی پوری سج دھج سے بمعہ شوہر اور بچوں کے شریک ہوئیں ماضی کی بدمزگی کا کوئی شائبہ نہ تھا اور زوجیہ کی تو بات ہی نرالی تھی۔

دلہن بن کر بے حد روپ آیا تھا اس پر مانو پہچانی نہیں جا رہی تھی اگرچہ اماں کے نزدیک یہ سارا کمال بیوٹی پارلر کا تھا۔انہیں بوائے کٹ بالوں والی مسرت مصباح پر بے حد غصہ آیا باوجود اس کے کہ بیوٹی پارلر کسی اور کی ملکیت میں تھا جس سے زوبیہ تیار ہو کر آئی تھی مگر اماں کو وہم تھا کہ سب پارلرز اس کے انڈر کام کر رہے ہیں بہرحال اپنے کمرے میں جانے

سے پہلے اس نے تمام دوشیزاؤں سے دل آزاری کی معافی مانگی اور ان کی مہارت سے بنائی جانے والی چائے کو غیر معیاری قرار دینے کی وجہ زوبیہ کی طوفان ہیجانی ہنسی کا عشق بتائی۔

سب نے اسے کھلے دل سے بیسٹ آف لک کہتے ہوئے بتایا کہ وہ اس بات کو کب سے بھول چکیں۔ مانو صائم کے سر سے بوجھ اترا۔ وہ ہلکا پھلکا ہوکر پھولوں سے سجی سیج پر بیٹھی زوبیہ کے پاس پہنچا۔ جلدی سے سلام جھاڑا حال احوال پوچھا مثبت جواب آنے پر وہ بے تابی سے بولا۔

''بڑے کشٹ اٹھائے ہیں یار تم تک رسائی کے لیے مگر دیکھو لگن سچی ہو تو کامیابی مل ہی جاتی ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ کیونکہ لگن تو میری بھی سچی تھی۔''

''وہ کیسے؟'' صائم حیران ہوا۔

''وہ ایسے کہ میں تو شروع سے ہی آپ پر دل ہار گئی تھی اور دعاؤں میں خدا سے آپ کو مانگا کرتی تھی۔ لیکن کہنے کی ہمت نہ تھی۔ جب آپ نے چائے والی شرط رکھی تو میں نے اسے سنجیدہ نہیں لیا مگر اس روز جب میری بنائی ہوئی چائے پر سب طرح طرح کے تاثرات دے رہے تھے۔ تب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا مگر اس بات سے اطمینان ہوا کہ آپ نے ایک لفظ بھی میری برائی میں نہیں کیا اور بدمزہ چائے کو آب حیات کی طرح پیا مگر ظاہر ہے فیصلہ تو معیار پر ہونا تھا ناں لیکن جناب آپ کے معیار سے میری دعائیں جیت گئیں اور آج.....''

اس نے شرما کر سر جھکا لیا صائم نے بے ہوش ہونے کا ارادہ موقوف کرکے زوبیہ پر پیار کی بارش کردی۔

''میری جان..... چھپی رستم آئی لو یو سو مچ یار چائے سے چاہ تک کا سفر تمہاری دعاؤں کی بدولت ہوا ماننا پڑے گا بھئی میری مونالیزا.....''

وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنسی تو صائم نے نثار ہوتے ہوئے کانپتی ٹھوڑی اور ہلتے سر کو باری باری چھوا اور بولا۔

''اب تمہیں اماں کا دل جیتنا ہے اور ان سے سگھڑاپے کی کلاسز لینی ہیں آخر ایک ہی ایک ماں ہیں میری ان کو خوش رکھنا تمہارا اور تمہیں خوش رکھنا میرا فرض ہے۔''

''جی کیوں نہیں ضرور لیکن اماں سے کلاسز لینے کی اب ضرورت نہیں ہے۔''

''کیوں بھئی.....''

''وہ اس لیے کہ اماں سے آپ کی سرد جنگ اور بالفاظ دیگر پینو بھنگن سے عشق کے دورانیے میں میں نے فیشن ڈیزائننگ اور کوکنگ کورس کی ڈگری بھی حاصل کرلی ہے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ آپ 'پینو' سے عشق کا ڈرامہ محض اماں کو ڈرانے کے لیے کررہے ہیں سو میں نے ابا کے منع کرنے کے باوجود سگھڑ بننے کا فیصلہ کرلیا۔'' وہ حیرت سے منہ کھولے زوبیہ کی باتیں سن رہا تھا۔

''منہ بند کرلیں جی تبدیلی آنہیں رہی تبدیلی آ گئی ہے۔'' اس نے جھٹ سے منہ بند کرکے زوبیہ کو قریب کیا۔

''ابھی تو مزید تبدیلیاں آنی ہیں۔'' زوبیہ صائم کی بانہوں میں بکھرتی گئی اور اماں جوان کی ساری گفتگو باہر کھڑے ہوکر سن چکی تھیں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے دروازے کے پاس سے ہٹ گئیں اور اپنے کمرے میں جاکر صائم کی تصویر دیکھ کر بولیں۔

''ہونہہ بڑا آیا کپتان خان روک سکو تو روک لو تبدیلی آئی رے۔'' اور ان کی اس بات میں اچھے دنوں کی نوید اور امید دونوں کا ملاپ تھا۔

□□.....❁.....□□

ہر شمارہ ۔ خاص شمارہ

نوعمر ڈائجسٹ

ایڈیٹر ۔ کاشف صدیقی

E.Mail

پاکستان میں ٹین ایجر بچوں کے لئے ڈائجسٹ

چٹپٹی ○ مزے دار ○ شاندار ○ سطر سطر دلچسپ کہانیاں

نوعمر رائٹر ایوارڈ — ہر ماہ منتخب کہانی — اعزاز ۔ شیلڈ ۔ نقد انعامات — سال کا بہترین ناول، سال کی بہترین کہانی

○ —— ہر ماہ ایک مکمل ناول ○ —— ہر ماہ ایک خاص کہانی

○ —— ہنسا ہنسا کے لوٹ پوٹ کر دینے والی مزاحیہ کہانی

○ —— 2 قسط وار مزے دار ناول ۔ دلچسپی خوف اور تجسس سے بھرپور

○ —— مہمان مدیر ۔ ہر ماہ ایک سینئر لکھاری کی دلچسپ باتیں —— ○

وہ سب کچھ جو آپ پڑھنا چاہتے ہیں وہ کہانیاں جو آپ کو کہیں اور نہیں ملیں گی۔

آپ کے پسندیدہ مشہور و معروف قلم کاروں کی کہانیاں نئے اور پرانے لکھاری ساتھ ساتھ

مستقل سلسلے

پیغام ۔ اپنے پسندیدہ فرد کے نام آپ کا پیغام رنگا رنگ ۔ شعر، اقتباس، اقوال زریں

کتابوں پر تبصرے ۔ ہر ماہ بچوں کی کتابوں پر تبصرہ میرا شہر میرا گاؤں ۔ آپ کے شہر اور گاؤں کا تعارف

آدھی ملاقات ۔ آپ کے خطوط ۔ اعتراض ۔ تبصرے ۔ شکایتیں اور محبتیں۔

میں بہت ہنسا ۔ کوئی اچانک واقعہ، بات، حرکت، جس نے آپ کو بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر دیا ہو۔

اپنی کاپی آج ہی محفوظ کروا لیجیے

صفحات 160 قیمت 100 روپے

اپنی کہانیاں ان پیج میں ای میل کیجیے۔

monthlynauumerdigest@gmail.com

کراچی سے ارسال کردہ چہکتی تحریر

احمد رشدی اور گول گپے

احمد رشدی لگتا ہے گول گپوں کے اس زمانے میں برانڈ ایمبیسیڈر تھے......

رفعت خان

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

گول گپے والا آیا گول گپے لایا یہ گانا ہم بچپن سے سنتے آرہے ہیں اور ابھی تک یہی سن رہے ہیں جب گلی کوچے نکڑ اور سڑکوں پر گول گپے والے کی آواز میوزک کے ساتھ گونجتی ہے جسے سن کر اہل محلہ میں سے اور کہیں کہیں گھروں سے بچے اور بڑے اور کچھ خواتین بھی گول گپے لینے کے لیے اس کے ٹھیلے کے پاس جمع ہو جاتے ہیں۔

میرے خیال میں گول گپے سے زیادہ لوگ اس گانے کی طرف دوڑتے ہیں جو ان کے کانوں میں رس گھول رہا ہوتا ہے یہ خوبصورت اور ترنگ والی آواز گلوکار احمد رشدی کی ہے جس کا اپنا انداز بہت ہی دلکش اور منفرد سا ہے اور خوب لہک لہک کر اور لچک لچک کر گایا ہے جس کی آواز کی چاشنی اور الفاظ کی بناوٹ اور ادائیگی سن کر گول گپے کھانے کو دل مچلنے لگتا ہے یہ حقیقت ہے کہ پاکستانی عوام خاصی چٹوری ہے جس میں ہم خود بھی شامل ہیں اور اس چٹ پٹی چیزیں کھانے میں کسی سے کم نہیں ہیں۔

یہ احمد رشدی کا کمال ہے کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی لوگ صرف ان کی آواز سن کے گول گپے کھانے کے لیے دوڑے چلے آتے ہیں ورنہ گول گپے تو ہر جگہ ملتے ہیں بلکہ اب تو مہندی اور شادی بیاہ میں بھی کھائے جانے لگے ہیں مگر جو مزہ اور کھانا احمد رشدی کی آواز میں ہے وہ شاید کسی میں نہیں ٹھیلے والا اپنا ٹھیلا چلا لیے آتا ہے آج میڈیا نئے انداز میں میوزک کو متعارف کروا رہا ہے لیکن یہ ٹھیلے والے وہی روایتی اور پرانے انداز یعنی ریکارڈر پلیئر یا ریڈیو پر ہی جلوہ گر ہوتا ہے جو کہ اچھا خاصا بھاتا ہے اور من مچلنا شروع ہو جاتا ہے چلو کچھ نہیں تو گول گپے ہی کھا لیے جائیں۔

اب آیا کہ احمد رشدی زیادہ مشہور ہیں یا گول گپے یہ فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے ویسے مجھے تو کبھی کبھی لگتا ہے کہ جیسے گول گپے والوں نے احمد رشدی صاحب کو اپنا برانڈ ایمبیسیڈر بنایا ہوگا جیسے آج کل کسی بھی چیز کی مشہوری کے لیے ڈیڑھ پسلی خواتین بطور ماڈل لی جاتی ہیں اسی طرح احمد رشدی صاحب گول گپوں کے تا حیات ایمبیسیڈر ٹھہرے۔ انسان خوش ہو تبھی گول گپے کھاتا ہے یعنی گول گپے اور خوشی لازم و ملزوم ٹھہرے بالکل ایسے ہی جیسے ہم نے احمد رشدی کے بارے میں جانا وہ یہ کہ وہ ایک جولی اور خوش رہنے والے انسان

تھے اور بہت ہی ملنسار اور ہنس مکھ قسم کے تھے ان کا اپنا انداز واقعی بڑا منفرد اور دلکش ہے جو کہ کچھ چھورا بالکل نہیں لگتا ورنہ تو بعض گلوکار اس طرح گاتے ہیں کہ لگتا ہے ان کے پیچھے کوئی کتا لگ گیا ہے یا ان کو پھر تشنج ہو گیا ہو سلور اسکرین کے علاوہ ان کے بارے میں تھوڑی سی معلومات میری والدہ محترمہ نے بتائی کہ جب وہ چھوٹی تھیں یعنی شادی سے پہلے ان کے ماموں کے ساتھ احمد رشدی گھر آتے تھے اور کافی دیر رہتے تھے۔

اس دوران ان کے قہقہے کی آوازیں پورے گھر میں گونجتی تھیں اس دوران وہ بار بار پانی پیتے تھے جو کہ میری امی پہنچایا کرتی تھیں وہ خود بھی اس وقت بالکل ینگ تھے اور وہ بالکل ینگ مین نہیں لگتے تھے ہیٹ ٹائپ کی کیپ ان کے سر پر جمی رہتی تھی اور بہت اچھی قسم کا پینٹ قمیض زیب تن کرتے تھے۔ آسان الفاظ میں کہ وہ ویل ڈریس تھے یعنی کپڑوں کے شوقین مزاج ان کا بات کرنے کا انداز ہی ملنسار اور مسکراہٹ سے لبریز ہوتا تھا تو پھر گائیکی میں یہ اسٹائل خود بہ خود تو بنتا تھا

اور یہی انداز مرحوم اداکار وحید مراد پر بھی جچتا تھا جو کہ آج بھی بہت سے دلوں کی دھڑکن ہیں اور ان جیسا اداکار ابھی تک کوئی دوسرا نہ آسکا ہے اور نہ ہی احمد رشدی جیسا اور یہی وجہ ہے کہ جو شہرت انہوں نے گول گپوں کو دی ہے اور بہت سے غریبوں کا بھلا کیا ہے وہ شاید کسی اور کھانے کو نہیں ملی ہے ہمیں یہ نہیں پتہ کہ یہ گانا کس پر فلمایا ہے ہم تو بس ان کی آواز سن کر گول گپے والے کی طرف لپکتے ہیں اور گول گپے کھانے بیٹھ جاتے ہیں چاہے خود گول گپا ہی نہ بن جائیں اس کو کہتے ہیں اپنے آپ کو منوانا اور اپنا اسٹائل بنانا اور میرے خیال میں رہتی دنیا تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا اور یہ بہت بڑی بات ہے ایسا نام و شہرت بہت کم لوگ حاصل کرتے ہیں بس ہماری تو دعا ہے کہ احمد رشدی جنت کے بلند درجات میں ہوں اور ہم ان کے بہت بڑے فین ہیں اور اکثر ان کے گائے ہوئے گانے خود بھی گنگناتے رہتے ہیں کیا آپ بھی گنگناتے ہیں جب اچھے موڈ میں ہوں۔

بڑے حکیم صاحب

معجون اور کشتے کھلانے والے حکیم صاحب کا اپنا گھبرو بیٹا
قدوس کل 45 کلو کا تھا پھر بھی لوگوں کو سمجھ نہ آتی تھی.....

جینا

''میں غرق کردوں گی..... اب اٹھ.....'' ساتھ ہی اس پر سے چادر کھینچ کر پرے پھینک دی جو دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

''چل آ..... میں ناشتہ نکال رہی ہوں دن چڑھ آیا ہے سورج بھی تیرے باپ کی چندیا پر کچھ دیر چمک کر آگے بڑھ گیا ہے یہ لے کر ناشتہ اور نکل دھندے پر گل نوخیز اور ابریشم کب کی جا چکی ہیں۔'' سفینہ نے ناشتے کے نام پر رات کی تلی ہوئی روٹی اور بادامی رنگ کی چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا اور وہ جو زمین پر بیٹھنے کے لیے تین ٹانگوں والی اکلوتی چوکی کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اماں کے جملے پر اینٹھ گیا۔

''اُف..... اماں کم از کم الفاظ تو صحیح ڈھونڈا کرو۔'' چوکی پر نظر پڑ گئی اماں براجمان تھیں سو وہ زمین پر ہی پھسکڑی مار کر بیٹھ گیا اور کھانے لگ گیا۔

''یہ لفظ 'دھندا' برا لگتا ہے..... اچھا خاصا حکمت کا کام ہے میرا اور ابا کا..... کچھ اور نہیں کہہ سکتیں تو 'روزی' کہہ دیا کرو کام پر جاؤ' مطب جاؤ..... جیسے جملے ہی سہی۔'' اس کی شامت آئی تو

اماں کا ناصح بن بیٹھا۔

''اچھا اب زیادہ میرا 'ابا' نہ بن بیٹا ہے تو وہی رہ..... مجھے تجھ سے زیادہ پتا ہے اور یہ 'روزی'..... یہ تو نے پھر صبح ہی صبح اپنی منحوس چاچی کا نام لے کر مجھے جلاڈالا ساری عمر..... بذات میرے ساتھ ٹسل کرتی رہی ہر چیز میرے جیسی..... چاہیے ہوتی تھی کپڑے..... فرنیچر' زیور اس پر بھی چار بیٹیاں ہی پیدا کیں..... اتنا نہ ہوا کہ نقل تو پوری کرتی زیادہ نہیں تو ایک آدھ..... تیرے جیسا..... گھبرو جوان بیٹا پیدا کر کے دکھا دیتی۔''

''پھرر.....'' چائے کا گھونٹ لیتے قدوس کی منہ والی چائے فوارے کی شکل میں اماں پر جا گری..... آخری جملہ ہی ایسا تھا۔ اس کے 45 کلو وزن پر اماں کا گھبرو جوان کہنا اسے پھندا لگانے کو کافی تھا۔ اماں سیخ پا ہو کر بیلن ہاتھ میں لیے اٹھیں اور وہ باہر کی طرف بھاگا۔ آج ابا پہلے جا چکے تھے تو مطب کی چابی کی پرواہ نہیں تھی سو اس نے دوڑ لگائی تو ابا کے پاس جا کر ہی بریک لگی۔

☆.....☆.....☆

کاش کہ ابا سے ہوتا اپنا کاروبار الگ
ایک عدد مٹیاری ہوتی ہوتا یوں گھر بار الگ

وہ اپنی لے میں گنگناتا 'مطلب بیمار نسواں' میں داخل ہوا جہاں تین مدقوق سی لڑکیاں اور دو بھاری بھرکم خواتین تشریف فرما تھیں یعنی 15x30 مربع فٹ کے رقبے پر پھیلا مطب کھچا کھچ بھرا ہوا تھا سامنے ہی ابا اپنی مسند خاص پر بیٹھے اسی کو گھور رہے تھے اگرچہ مطب کا ٹائم شروع ہونے میں بھی ابھی 5 منٹ تھے گویا وہ دیر سے نہیں آیا تھا..... ابا نے گھورنا بند کر کے کھنکھار کر گویا مطب شروع ہونے کا اعلان کیا وہ بھی بیٹھ گیا خواتین اپنی باری پر آگے آتے ہوئے گدی پر بیٹھتیں کچھ گفت و شنید ہوتی لڑکیاں 'سلمنگ' اور 'بیوٹی' بڑھانے کے لیے ہربل میڈیسن کی تلاش میں آتیں اور خواتین اپنی فالتو چربی گھٹانے اور شوہروں کو مٹھی میں رکھنے کے لیے کشتوں اور مربع جات کی آرزو مند ہوتیں شوہر نہ ہوا 5 روپے کا سکہ ہو گیا مٹھی بند تو سکہ غائب.....

'گل منڈی' نہ کچور' صندل سرخ' اسطوخودوس' برگ شاتیرہ' سورغان سب 50' 50 گرام اچھی لکھائی سے لکھنا تاکہ سمجھ بھی آئے یہ نہ ہو مردہ مکھیوں کی لاشوں کا انبار لگے.....'' حکیم ابا نے لکھواتے لکھواتے جھاڑی پلائی۔ تو ابراشیم بھی تپ گئی اور کڑوے بادام جیسی شکل بنالی اور تیور بھی سوکھے آملے جیسے.....

''ابا ایک تو آپ کو کام کروا رہی ہوں اوپر سے میری لکھائی میں کیڑے بھی نکال رہے ہیں میں نہیں لکھتی۔'' ساتھ ہی رائٹنگ پیڈ اور قلم بھی پٹخ دیا۔

''میں جا رہی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا سن تو..... اب کچھ نہیں کہوں گا آجا.....'' ابا منت پر اتر آئے۔

''پہلے سو روپے کا بیلنس ڈلوا کے دو گے..... پھر.....'' وہ واپس مڑی اپنی شرط پیش کی۔ سو روپے ماں سے بھی اسی چکر میں لے چکی تھی صبح ہی.....

''چل ٹھیک ہے..... مطب جاتے ہی قدوس سے ڈلوا دوں گا۔''

''پکا.....'' اس نے یقین دہانی چاہی۔

''ہاں پکا.....''

''اور ایک بات اور..... دوسری شرط.....''

''ہاں بول.....'' ابا کڑے تیوروں سے بادل نخواستہ گویا ہوئے۔

''پھر اس کے بعد تو کچھ نہیں منوائے گی.....''

''ہاں ٹھیک ہے.....''

''مگر میرے شناختی کارڈ پر میرا نام ابریشم نہیں صرف ریشم لکھواؤں گے تب..... کالج میں ساری لڑکیاں میرے نام کے ساتھ خمیرہ لگا کر بلاتی ہیں اس نے کب کا جمع شدہ غبار نکالا حالانکہ شناختی کارڈ بننے میں ابھی ایک سال تھا۔

''چل ٹھیک.....''

''اور گل کا بھی..... گل نوخیز نہیں گل رخ.....'' اس نے بہن کی حمایت بھی مانگی۔ ایک تو حکیم کے گھر پیدا ہونا بھی مصیبت بن گئی۔ (ابریشم بھی قدوس کی طرح منہ پھٹ اور بدلحاظ تھی اس معاملے میں وہ دونوں ماں پر گئے تھے)۔ نام بھی جڑی بوٹیوں اور مربعوں والے ملتے ہیں۔

''بس بہت ہوگئی بدتمیزی.....'' ابا دھاڑے۔

''اب آگے لکھو..... شرافت سے..... فلفل سیاہ..... ہڑ چھوٹی..... سبز الائچی.....''

☆.....☆.....☆

''تو اپنے گھر والوں کو منا میں جلد ہی اماں کو بھیجوں گا۔''

''دیکھ نگو..... میری انگوٹھی کا نگینہ بن جا..... قسم سے.....''

''کشتے کھلا کھلا کر ماردوں گا.....'' نگو نے لقمہ دیا۔

''ارے نہیں..... مرے تیرے..... گھر والے.....'' بے ساختہ قدوس کی زبان پھسلی اور نگو نے بادیان کی برنی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری۔ قدوس نے جھکائی دی برنی نے سامنے ریک پر رکھی چار برنیوں کو گرادیا۔

''مرو..... تم..... میں جارہی ہوں۔'' نگو لال انگارہ بنی غصے سے ناک پھلاتی سکیٹرتی یہ جا وہ جا..... اور قدوس بے چارہ باپ کی غیر حاضری کا خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکا۔ جاتے جاتے نگو نے گلے سے 500 کا نوٹ بھی اٹھالیا۔

''کمینی.....'' قدوس نے دانت پیسے اور اپنی جیب میں سے پانچ سو روپے نکال کر گلے میں ڈال دیے اور یہ وہ پیسے تھے جو ابا کی غیر موجودگی میں دیکھے گئے مریض سے ڈبل وصول کیے تھے۔

☆.....☆.....☆

''کھانا لاؤ بھئی بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

''ٹھہر جاؤ لا رہی ہوں..... ایسی بھی کیا ندیدگی ہے۔ آج مطب میں وہ تمہاری 'مقوی اور مرفع معجونیں ناپید تھیں کیا..... جو جلدی آگئے کھانا کھانے.....'' سفینہ نے حلق پھاڑ انداز میں کہا۔

''ہاں وہ ساری آج تمہارے ابا کھا گئے.....'' حکیم صاحب نے جوابی وار کیا۔

''لاؤ جلدی وہاں تمہارے نگلے سیپوت کو چھوڑ آیا ہوں جب تک جاؤں گا..... آدھا دوا خانہ لٹ چکا ہوگا انشاءاللہ.....''

''آدھا کیوں..... پورا.....'' سفینہ نے کھانے کی ٹرے سامنے رکھتے ہوئے چوٹ کی۔

''جا کر میرے بچے کو جلدی بھیجنا بھوکا ہوگا بے چارہ.....'' سفینہ نے آخری جملے میں زبردستی جذبات ڈال دیے جو بالکل میچ نہیں کررہے تھے۔

☆.....☆.....☆

''چل بھئی سفینہ..... ہوگیا مہینہ..... نکال کمیٹی کے پیسے.....'' کھلے دروازے سے داخل ہوتی سکینہ وہیں سے شروع ہوگئی ساتھ ہی 60 کلومیٹر فی منٹ کی رفتار سے دوڑنے والے ریسلر کی طرح ہانپتی بھی جارہی تھی۔

''دیتی ہوں..... دم تو لو..... آؤ بیٹھو..... میں

کہیں بھاگی نہیں جارہی.....'' ساتھ ہی ابریشم کو اندر سے بٹوے سے تین ہزار روپے لانے کی ہدایت کی۔ ابریشم نے ساڑھے تین ہزار نکال کر 3000 مال کو لاکر دیے باقی پانچ سو روپے دوپٹے کے پلو سے باندھے۔

''اور سناؤ.....کوئی نئی تازہ.....'' سفینہ نے اس کے قریب ہوتے سرگوشی کی۔

''کچھ نہیں سنا ہے حکیم صاحب آج کل نوٹ چھاپ رہے ہیں جب دیکھو مطب عورتوں سے بھرا پڑا ہے.....اے ہے ذرا نظر رکھا کرو۔ آج کل تو کوئی بوڑھا جوان نہیں دیکھتا۔'' سکینہ نے اپنے خیال میں عقلمندی میں بقراط کو بھی پچھاڑ دیا۔

''ہاں ہاں تم فکر مت کرو.....دونوں باپ بیٹے کی لگامیں کس رکھی ہیں میں نے' نگو کیا کررہی ہے آج کل؟'' سفینہ نے گوٹ اس کی طرف پھینکی۔

''میٹرک کے بعد پڑھنے کا ارادہ ہے یا بس گھر بیٹھ گئی ہے۔''

''ارے کہاں میری بچی تو بہت نیک ہے کہتی ہے کالج نہیں پڑھوں گی عالمہ کا کورس کرے گی اور بچیوں کو پڑھائے گی اچھا میں چلوں.....ابھی اور گھر بھی باقی ہیں۔''

''محلے کا منی موبائل بینک.....'' سکینہ باہر کی طرف چلدی۔

''اچھا اماں کالج کو دیر ہورہی ہے میں بھی چلوں.....'' ابریشم نے باہر کی راہ لی۔

''اری سن.....کرایہ تو لیتی جا.....'' سفینہ نے آواز لگائی۔

''اماں کل کے بچا لیے تھے' وہی رکھے ہیں۔''

''کتنی کفایت شعار ہے میری بچی.....'' سفینہ نے فخریہ کہا اور مزید پھیل کر سبزی کاٹنے لگی۔

☆.....☆.....☆

یہاں صرف خواتین کا علاج کیا جاتا ہے مردوں کا داخلہ منع ہے..... ہر روز یہ عبارت نئے سرے سے پڑھنے کے بعد قدوس کے دل میں کئی بار خیال آیا کہ ابا سے پوچھے اگر مردوں کا داخلہ منع ہے تو پھر میں اور آپ.....کونسی صنف میں شمار ہوتے ہیں یہ صرف خیال ہی ہوتا جب نظر ابا کے موٹے سول والے خالص چمڑے کے جوتوں پر پڑتی تو الفاظ پھر باہر نہ آتے۔

مطب کے باہر لوگوں کا رش بڑھتا جارہا تھا جن میں مرد وزن دونوں تھے آوازیں بھی یکساں اٹھ رہی تھیں ایک شور سا تھا معاملے کی نوعیت کیا تھی یہ تو اندر جانے پر ہی معلوم ہوتا۔

''حکیم صاحب نکالو باہر اپنے لونڈے کو..... غلط دوائیں دیں ہماری عورتوں کو.....وہ بے چاریاں پہلے ہی وزن سے نالاں تھیں اوپر سے ان کو اور موٹاپے کی دوائیاں دے دی گئیں اور میری بچی پہلے ہی کم وزن کی تھی اب تو اس سے چلا بھی نہیں جارہا تھا.....اٹھا کر لاتے ہیں بالکل چھوٹی بچی لگ رہی ہے.....ایک اور شعلہ اگلتی آواز آئی۔

''نکالو باہر شرافت سے.....ورنہ ہم اندر گھس کر اس کا بھرکس نکالیں گے.....''

''دیکھو میاں تحمل سے میری بات سنو.....'' حکیم صاحب منمنائے قدوس قریب پہنچ گیا اس سے پہلے کہ حکیم صاحب اس کو بھاگ جانے کا اشارہ فرماتے ہجوم میں سے کسی کی نظر پڑ گئی۔

''پکڑو بھاگو.....جانے نہ پائے.....'' قدوس نے دوڑ لگائی۔ پیچھے متاثرین کا ہجوم.....قریبی چائنا کے بڑے سے ڈسٹ بن میں چھپ کر پناہ لی۔ حکیم صاحب نے جو راستہ صاف دیکھا غنیمت جانا..... مطب کو تالا ڈالا اور قریب گزرتی بس پکڑلی۔

❑❑.....❁.....❑❑

بیوقوف بیوی

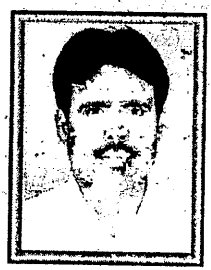

بیوی اور بے وقوف اس سے بڑا
مذاق تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا.....

عبدالغفار عابد

کسی گاؤں میں ایک کسان رہتا تھا وہ سارا دن اپنے کھیت میں کام کرتا اور مشکل سے اتنا کما پاتا کہ مشکل سے دو وقت کا کھانا کھا سکے وہ خود بھی سیدھا سادھا تھا مگر جو اس کو بیوی ملی وہ حد درجہ بے وقوف تھی ان کی شادی کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا ایک دن صبح سویرے کسان کھیتوں پر جانے کو تیار ہوا تو اپنی بیوی سے کہنے لگا۔

''آج کھیت میں سارا دن بہت کام ہے سارا دن ہل چلانا پڑے گا جس سے بہت تھکاوٹ ہو جائے گی اور بھوک بھی بہت لگے گی اس لیے تم میری واپسی تک اچھا اور لذیذ کھانا بنا کر رکھنا اور ساتھ ایک گلاس سرکے کا بھی جو میں پچھلے سال خرید کر لایا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ اپنے کام پر چلا گیا جب کسان کی واپسی کا وقت قریب آیا تو بیوی نے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لیے اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور اسے آگ پر بھوننا شروع کیا۔ جب وہ پکنے کے قریب ہوا اور اس کی خوشبو آنے لگی تو اس نے سوچا کہ کھانا تو چند لمحوں میں تیار ہے اب میں کمرے میں جاؤں اور سرکے کے ڈرم سے ایک پیالہ بھر کر نکال لاؤں یہ سوچ کر اس نے گوشت کو وہیں چھوڑا اور خود ایک جگ لے کر کمرے میں چلی گئی اور سرکے کے ڈرم کی ٹوٹی کھول کر جگ اس کے نیچے رکھ دیا اور اس کو بھرتا ہوا دیکھنے لگی اچانک اس کو یاد آیا کہ کتا تو باہر کھلا گھوم رہا ہے کہیں وہ گوشت ہی نہ کھا جائے یہ سوچتے ہی وہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی اور باورچی خانے کی طرف لپکی اس نے دیکھا کہ اس کا خدشہ درست تھا گوشت کا ٹکڑا کتے کے منہ میں تھا اور وہ باہر کی طرف بھاگ رہا تھا۔

وہ کتے کو مارنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگی تو وہ جنگل کی طرف دوڑا کسان کی بیوی بھی اس کے پیچھے دوڑی مگر کتے کی رفتار اس سے زیادہ تھی وہ گوشت کا ٹکڑا لے کر جنگل میں غائب ہو گیا تھک ہار کر اور مایوس آفسردہ واپس آ گئی اس بھاگ دوڑ میں وہ بری طرح تھک چکی تھی اس

لیے کچھ دیر کے لیے چارپائی پر لیٹ کر اپنا سانس بحال کرتی رہی اس دوران سر کے کے ڈرم کی ٹوٹی کھلی رہی اور جگ بھرتا رہا جب جگ پوری طرح بھر گیا تو سر کہ اس کے کناروں سے اس وقت تک باہر گرتا رہا جب تک ڈرم خالی نہیں ہو گیا کچھ دیر دم لینے کے بعد کسان کی بیوی کو سر کے کے ڈرم کا خیال آیا تو وہ ایک دم اٹھی اور کمرے کی طرف بھاگی مگر اس وقت ڈرم پوری طرح خالی ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی اور سوچنے لگی۔

''اب کیا ہو گا شوہر کو پتہ چلے گا تو وہ بہت ناراض ہو گا۔'' پریشانی کے عالم میں کھڑی سب دیکھتی رہی کہ اب وہ کیا کرے اچانک اس کی نظر آٹے کی بوری پر پڑی جو اس کا شوہر چند دن پہلے ہی چکی سے خرید کر لایا تھا بوری دیکھتے ہی اس کے سیدھے سادھے ذہن میں ایک ترکیب آئی کہ اگر وہ آٹا فرش پر بکھیر دے تو یہ سارا سرکہ خشک کر دے گا اور فرش اچھی طرح صاف ہو جائے گا۔ اس شاندار ترکیب سوچنے پر دل ہی دل میں اس نے اپنے آپ کو شاباش دی اور بوری کھول کر آٹا فرش پر بکھیرنے لگی۔ اس بے دھیانی میں اس کا پاؤں سر کے کے بھرے جگ سے ٹکرایا جو ڈرم کے نیچے ہی پڑا تھا جب جگ والا سرکہ بھی سارا بہہ گیا تو وہ مزید پریشان ہو گئی اس نے باقی کا سارا آٹا بھی فرش پر بکھیر دیا اور سوچنے لگی کہ اب یہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

کسان گھر لوٹا تو اسے شدید بھوک لگی ہوئی تھی اس نے آتے ہی کہا کہ آج کھانے میں کیا پکا ہے بیوی منہ بسور کر بتانے لگی۔

''میں نے آج تمہارے لیے گوشت بھونا تھا مگر گوشت کتا لے کر بھاگ گیا جب میں اس کو مارنے بھاگی تو سارا سرکہ بہہ گیا اب میں نے آٹے کی مدد سے سارا فرش صاف کر دیا ہے اب کمرہ صاف ستھرا نظر آ رہا ہے تمہیں پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس کی بات سن کر کسان نے اپنا سر پیٹ لیا اور پریشان ہو کر کہنے لگا۔

''او بے وقوف عورت تم نے یہ سب کیا کر دیا تم نے گوشت کو چولہے پر کیوں چھوڑا اور پھر سر کے کے ڈرم کی ٹوٹی کو بھی کھلا چھوڑ دیا چلو وہ تو ہوا تم نے تو سارے آٹے کا بھی ستیاناس کر دیا۔'' اس کی بات سن کر بیوی بھی تیز لہجے میں بولی۔

''اب میں کیا کروں یہ سب کچھ تو تمہیں پہلے بتانا چاہیے تھا کہ کیا غلط ہے کیا صحیح.....'' کسان جانتا تھا کہ اس کی بیوی کم عقل ہے لہٰذا اس کے ساتھ جھگڑا مناسب نہیں اس نے سوچا مجھے خود ہی خیال رکھنا ہوگا یہ سوچ کر وہ چپ ہو رہا کچھ دن انہوں نے آلو کھا کر گزارا کیا کچھ دن ایسے ہی گزر گئے کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا کسان بھی اب خاصا محتاط ہو گیا تھا اور باہر جانے سے پہلے سب کچھ اپنی بیوی کو سمجھا کر جاتا۔

ایک دن کسان نے کھیت سے پرانا درخت کاٹا تو جڑ سے اسے سونے کے کچھ سکے ملے وہ بہت خوش تھا کہ اب ضرورت کے وقت ان کو استعمال کرے گا اور کوئی پریشانی نہیں ہوگی اس نے سوچا کہ سونے کے سکوں کو کسی جگہ چھپا کر رکھ دیتا ہوں مگر اس کو اپنی بیوی کی طرف سے بھی خطرہ تھا کہیں وہ ان کا راز نہ کھول دے یہ سوچ کر بیوی سے کہا۔

''دیکھو یہ میرے پاس پیلے رنگ کے کچھ بٹن ہیں میں ان کو ایک ڈبے میں ڈال کر زمین میں دبا رہا ہوں تم نہ تو ان کے قریب جاؤ گی نہ ان کو چھوؤ گی۔''

''ٹھیک ہے جیسا تم کہتے ہو میں ویسا ہی کروں گی۔'' بیوی نے اس کو یقین دلایا کچھ روز بعد جب کسان کھیتوں پر گیا ہوا تھا گلی میں ایک پھیری والا آیا اس کے ساتھ اس کا ایک مددگار بھی تھا وہ گدھا گاڑی پر مٹی کے خوبصورت برتن بیچ رہا تھا اس کی آواز سن کر کسان کی بیوی نے گلی میں جھانکا تو مٹی کے خوبصورت برتن دیکھ کر اس کا جی للچایا پھیری والے نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

''کیا تم برتن خریدنا چاہتی ہو۔''

''ہاں مگر میرے پاس رقم نہیں ہے پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''کیا تم ان برتنوں کے بدلے پیلے رنگ کے بٹن لے لو گے۔'' پھیری والا اس کی بات سن کر حیران ہوا اور پوچھنے لگا۔

''کیسے پیلے بٹن کیا تم مجھے یہ پیلے بٹن دکھا سکتی ہو؟'' کسان کی بیوی نے کہا۔

''وہ پیلے بٹن میرے شوہر نے ایک ڈبے میں ڈال کر صحن میں دبا رکھے ہیں مگر اس نے مجھے منع کیا ہے کہ میں ان کو ہاتھ نہ لگاؤں اس لیے تم خود ہی وہاں سے نکال کر دیکھ لو۔'' اس کی بات سن کر پھیری والا حیران رہ گیا اور فوراً صحن میں جا کر وہ جگہ کھودنے لگا جہاں نشاندہی کی گئی تھی۔ ڈبے کے اندر جب اس نے سونے کے سکے دیکھے تو اس کی بھانچیں کھل گئیں سارے سونے کے سکے سمیٹ کر جیب میں ڈالے اور اپنے ساتھی کے ساتھ نو دو گیارہ ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ عورت اعلیٰ درجے کی احمق ہے۔ جسے پیلے بٹنوں اور سونے کے سکوں کا فرق معلوم نہیں دوسری طرف کسان کی بیوی سارے برتن حاصل کر کے بہت خوش تھی وہ سمجھ رہی تھی کہ اس نے پھیری والے کو لوٹ لیا ہے چند پیلے بٹوں کے بدلے اتنے سارے برتن خرید لیے ہیں خوشی خوشی اس نے وہ سارے برتن گھر میں اِدھر اُدھر سجا دیے تھوڑی دیر بعد کسان

دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے آیا تو گھر میں اتنے سارے برتن دیکھ کر چونک گیا۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ سارے برتن کہاں سے آئے؟'' بیوی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''دیکھو کتنے خوبصورت برتن ہیں یہ سب میں نے تمہارے ان فضول بٹنوں کے بدلے خریدے ہیں۔'' کسان اس کی بات سن کر چلا اٹھا۔

''جب میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ انہیں ہاتھ نہیں لگانا تو پھر تو نے ان کو کیوں نکالا۔''

''میں نے ان کو نہیں نکالا میں نے آپ کی پوری بات مانی تم نے مجھے انہیں چھونے سے منع کیا تھا اس لیے میں نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا صرف جگہ بتائی پھیری والے نے خود ہی کھود کر نکال لیے۔'' بیوی نے پوری وضاحت بیان کی۔

''او بے وقوف عورت .....'' کسان غصے سے اپنے بال نوچنے لگا۔

''تم نے اسے جگہ بتائی ہی کیوں؟''

''تم نے تو مجھے اس بات سے منع کیا ہی نہیں تھا۔'' بیوی معصوم سا منہ بنا کر بولی۔

''احمق عورت.....'' کسان اپنا سر پیٹنے اور دیواروں سے ٹکریں مارنے لگا۔

''ارے بے وقوف وہ سارے پیلے بٹن سونے کے سکے تھے۔''

''یہ تو تمہیں پہلے بتانا چاہیے تھا یہ تمہاری غلطی ہے۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔ کسان کچھ دیر غصے سے چلاتا رہا اور اس دوران بیوی کھڑی منہ بسورتی رہی پھر شوہر سے کہا۔

''میرا خیال ہے ہم وہ سونے کے سکے اب بھی واپس لے سکتے ہیں۔ وہ دونوں ابھی زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ آؤ ان کے پیچھے چلتے ہیں۔'' بیوی

غزل

میں یہ کس کے نام لکھوں جو الم گزر رہے ہیں
مرے شہر جل رہے ہیں مرے لوگ مر رہے ہیں

کوئی غنچہ ہو کہ گل ہو کوئی شاخ ہو شجر ہو
وہ ہوائے گلستاں ہے کہ سبھی بکھر رہے ہیں

کبھی رحمتیں تھیں نازل اِسی خطۂ زمیں پر
وہی خطۂ زمیں ہے کہ عذاب اُتر رہے ہیں

وہی طائروں کے جھرمٹ جو ہوا میں جھولتے تھے
وہ فضا کو دیکھتے ہیں تو اب آہ بھر رہے ہیں

بڑی آرزو تھی ہم کو نئے خواب دیکھنے کی
سو اب اپنی زندگی میں نئے خواب بھر رہے ہیں

کوئی اور تو نہیں ہے پسِ خنجر آزمائی
ہم ہی قتل ہو رہے ہیں ہم ہی قتل کر رہے ہیں

عبیداللہ علیم

کی بات سن کر کسان بھی کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

''ہاں ہم کوشش تو کر ہی سکتے ہیں۔ مگر اپنے ساتھ کچھ لڈو ضرور لے لینا تاکہ اگر راستے میں بھوک لگے تو ہم وہ کھالیں۔'' بیوی نے ایک ٹوکری میں دو لڈو رکھ لیے اور دونوں گھر سے نکل کر اس طرف چل پڑے جس طرف پھیری والا گیا تھا وہ راستہ جنگل کی طرف جاتا تھا کسان تیز چلتا تھا مگر اس کی بیوی کی رفتار دھیمی تھی اس لیے وہ بار بار پیچھے رہ جاتی۔ کسان اسے تیز چلنے کا اشارہ کرتا مگر اس نے سوچا اگر میں پیچھے رہ بھی جاؤں تو کوئی بات نہیں اس لیے کہ جب ہم گھر واپس جانے لگے تو مجھے شوہر کی نسبت کم فاصلہ طے کرنا پڑے گا اس طرح چلتے چلتے بیوی شوہر سے کافی پیچھے رہ گئی۔ سامنے چھوٹی سی پہاڑی تھی جب وہ اس پر چڑھنے لگی تو اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹوکری میں سے ایک لڈو باہر گر گیا جو پہاڑی کے نیچے چلا گیا کسان کی بیوی نیچے اتری اور لڈو تلاش کرنے لگی اس نے بہت تلاش کیا مگر وہ لڈو نہ ملا اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی وہ بھاگ کر دوبارہ پہاڑی پر چڑھی اس جگہ پہنچی جہاں سے وہ لڈو گرا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دوسرا لڈو نکالا اور اسے نیچے پھینکتی ہوئی بولی۔

''اب یہ لڈو بھی وہاں جائے گا جہاں پہلا گیا تھا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے جاؤں گی اور اس کے ساتھ مجھے پہلا لڈو بھی مل جائے گا۔'' اس نے لڈو پھینک دیا اور خود اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ بھی نجانے کہاں جا کر گم ہو گیا اب دونوں لڈو گم ہو چکے تھے کافی دیر ڈھونڈنے کے بعد وہ مایوس ہو کر چل پڑی یہاں پہاڑی کی دوسری طرف کسان ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ بولا۔

''اب جلدی سے لڈو نکالو مجھے بہت بھوک لگی ہے۔''

''لڈو تو گئے۔'' بیوی منہ بسور کر بولی۔

''کہاں گئے۔'' کسان چیخ کر بولا۔

''ایک لڈو گر گیا تھا دوسرا میں نے اس کی تلاش میں اس کے پیچھے بھیجا مگر وہ بھی نجانے کہاں کھو گیا۔'' بیوی نے اسے ساری کہانی سنائی تو کسان حیران ہو کر بولا۔

''تم ایسی بے وقوفانہ حرکتیں اتنی عقل مندی سے کیسے کر لیتی ہو۔''

''تم نے مجھے اس بارے میں منع بھی تو نہیں کیا تھا۔'' وہ بڑے آرام سے بولی تو کسان لاجواب ہو گیا۔ پھر اچانک کچھ سوچ کر بولا۔

''مجھے امید ہے کہ گھر سے نکلتے وقت تم بیرونی دروازہ بند کر کے آئی ہو گی۔''

''نہیں میں نے تو دروازہ بند نہیں کیا تھا کیونکہ تم نے توجہ ہی نہیں دلائی تھی۔'' بیوی نے جواب دیا۔ اس کی بات سن کر کسان پریشان ہو گیا اور غصے سے چیخا۔

''اس سے پہلے کہ ہم مزید آگے جائیں تم گھر واپس جاؤ اور دروازہ بند کر کے اسے تالا لگا کر آؤ اور ہاں آتے ہوئے کھانے کے لیے بھی کچھ لیتے آنا۔'' وہ فوراً گھر کی طرف بھاگی اور اس نے ایسا ہی کیا جیسا اس کے شوہر نے اسے کہا تھا کھانے کے لیے اس نے باداموں کی تھیلی اٹھائی اور پینے کے لیے جگ میں پانی بھر لیا اس کے بعد اس نے بیرونی دروازے کو تالا لگایا اور واپس چل پڑی ابھی دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ سوچا شاید شوہر اس پر اعتبار ہی نہ کرے کہ شاید تالا لگائے بغیر آ گئی ہو اس لیے ثبوت ساتھ لے کر جانا چاہیے یہ سوچ کر اس نے دروازہ اکھاڑ کر اپنے سر پر رکھ لیا اور شوہر کی طرف چل پڑی

جب وہ واپس وہاں پہنچی تو شوہر دروازہ اس کے سر پر دیکھ کر حیران رہ گیا اور پوچھا۔

''اے عقل مند عورت یہ کیا ہے؟'' بیوی بولی۔

''تم مجھے بے وقوف سمجھتے ہو نا مگر دیکھو میں کتنی عقل مند ہوں مجھے علم تھا کہ تم میری بات کا یقین نہیں کرو گے اس لیے میں پورا دروازہ ہی ساتھ لے آئی ہوں اب خود دیکھ لو میں نے اس میں تالا لگایا ہے کہ نہیں۔''

''ارے تم تو پورا دروازہ ہی اکھاڑ لائی اب تو ہر کوئی آسانی سے گھر میں گھس جائے گا۔'' کسان لال پیلا ہو کر بولا۔

''ارے کوئی کیسے گھس جائے گا۔ دروازہ تو میرے پاس ہے پھر کوئی کیسے گھر میں داخل ہو سکتا ہے۔'' بیوی آنکھیں گھما کر بولی تو شوہر نے مزید بحث سے جان چھڑانا ہی مناسب سمجھا۔

''واقعی ہی تم احمق ہی نہیں بلکہ بہت عقل مند ہو یہ دروازہ چونکہ تم لے کر آئی ہو اس لیے تم ہی اسے واپس لے کر جاؤ گی۔'' یہ کہہ کر وہ چل پڑا بیوی نے مجبوراً دروازہ دوبارہ اپنے سر پر رکھا اور اس کے پیچھے چل پڑی بادام والی تھیلی اور پانی کا جگ بھی اس نے دروازے کے ساتھ باندھ رکھا تھا جس کی وجہ سے وزن زیادہ ہو گیا تھا۔

چلتے چلتے وہ دونوں جنگل میں داخل ہو گئے چور تو ابھی تک نہیں ملے تھے اور رات کا اندھیرا بھی چھانے لگا تھا جب تاریکی زیادہ ہونے لگی تو انہوں نے ایک گھنے درخت پر رات گزارنے کا فیصلہ کیا ابھی وہ درخت کی گھنی شاخوں میں چھپ کر بیٹھے ہی تھے کہ چور بھی وہاں پہنچ گئے وہ درخت کے نیچے بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔

''دیکھا آج ایک عورت کو کیسے بے وقوف بنا کر سونے کے سکے لے لیے۔'' تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد دونوں چور رات گزارنے کے لیے آگ جلانے کی کوشش کرنے لگے کسان نے کچھ سوچ کر درخت کی شاخوں پر لگے پھل توڑ کر ان کے سروں پر مارنے لگا وہ دونوں اچانک آنے والی مصیبت سے بری طرح گھبرا گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

''ہوا آندھی تو ہے نہیں پھر یہ پھل کہاں سے اور کیسے گر رہے ہیں۔'' کسان کی بیوی نے جگ سے پانی نیچے گرا دیا جب پانی چوروں کے سروں پر گرا تو ایک چلا اٹھا۔

''ارے آندھی کے بعد بارش بھی ہونے لگی ہے۔'' اس کے بعد اس نے تھیلی سے بادام بھی نیچے گرا دیے یونہی وہ سارے بادام چوروں کے سروں پر برسے تو وہ چیخ اٹھے۔

''ارے اب تو اولے بھی برسنا شروع ہو گئے ہیں چلو کہیں اور بھاگ چلیں۔'' ابھی وہ بھاگنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ کسان کی بیوی نے دروازہ بھی نیچے گرا دیا کیونکہ دروازہ اس سے سنبھالا نہیں جا رہا تھا جب دروازہ چوروں کے سروں پر گرا۔

''ارے مارے گئے۔'' وہ ایک ساتھ چلائے اور پھر دیکھے بغیر کہ کیا چیز سر پر گری ہے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور کہتے جا رہے تھے۔

''پہلے آندھی آئی پھر اولے برسے اور اب تو آسمان ہی سر پر آن پڑا ہے۔'' بھاگتے ہوئے چور اپنا سارا سامان بھی وہیں چھوڑ گئے ان کو بھاگتا ہوا دیکھ کر کسان اور اس کی بیوی درخت سے نیچے اترے چوروں کے سامان سے ان کو اپنے سونے کے سکے واپس مل گئے انہوں نے چوروں کا سامان اٹھایا اور گھر کی طرف چل پڑے۔

رحیم یار خان سے ارسال کردہ شادی کی دلچسپ داستان

دھند میں بہاولپور کے درشن

سردیوں کی شادی کا بلاوہ

جو بنا بہاولپور جانے کا بہانہ.....

ایم اے خالق بھٹی

دارالحکومت اللہ آباد سے نواب بہاول خان عباسی اول نے اپنی فوج کے ہمراہ سوڈھا کی جھوک کا علاقہ فتح کر کے بہاولپور شہر کی بنیاد رکھی۔

تاریخ ٹاڈ کے مطابق ماضی میں سوڈھا کی جھوک اور اس علاقہ کا نام بھاٹیہ (بھاتیہ) تھا اور اس علاقہ پر بھٹی (بھاتیہ) خاندان کا راجہ حکمران تھا جو سلطان محمود غزنوی سے جنگ کی سکت نہ رکھنے کے باعث سیالکوٹ نقل مکانی کر گیا۔ سلطان محمود غزنوی اپنی فوج کے ساتھ اس علاقے سے گزر کر ملتان گیا تھا سلطان محمود غزنوی کے بعد یہ علاقہ مختلف حکمرانوں کے زیر قبضہ رہا آخر 1734ء کے بعد اس علاقہ کو نواب بہاول خان عباسی اول نے فتح کرنے کے بعد اور اس جگہ دفاعی لحاظ سے موضوع جان کر اس جگہ ایک نیا شہر بسایا اور اس کا نام اپنے نام پر بہاولپور رکھا اور 1748ء میں اللہ آباد سے دارالحکومت یہاں منتقل کر لیا اس نے اور اس کے جانشینوں نے اس نئے شہر میں علوم اسلامیہ کے فروغ کے لیے کثیر تعداد میں علمی ادارے قائم کرنے کے علاوہ یہاں خوبصورت محلات تعمیر کرائے جو اپنی خوبصورتی اور وسعت کے باعث عالمی شہرت رکھتے ہیں اس بے نظیر شہر کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے محققین، ادیبوں اور شعراء نے اسے دارالسرور کا خطاب دیا اور تاریخ دانوں و سیاحوں نے اسے عباسی خلفاء ہی کے بسائے ہوئے شہر فردوس بغداد کا ثانی قرار دیا۔

اب بھی اڑھائی صدیاں بیت جانے کے باوجود اس عروس البلاد کی خوبصورتی اور شہرت میں کمی نہیں آئی ہے آج بھی دنیا بھر سے سینکڑوں سیاح اور ملک کے مختلف علاقوں میں بسنے والے مرد و خواتین اور بچیاں کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے روزانہ بہاولپور میں نظر آتے ہیں۔ مابدولت بھی اس عروس البلاد کی خوبصورت تاریخی عمارات دولت خانہ عالیہ کے محلات، دربار محل، گلزار محل، نور محل کے علاوہ جامع عباسیہ موجودہ نام اسلامیہ

یونیورسٹی، صادق ڈین ہائی اسکول، صادق ریڈنگ لائبریری اور جامع عباسیہ کا نام بعد میں معلوم نہیں سینٹرل لائبریری اور اسلامیہ یونیورسٹی کے ناموں سے کیوں بدل دیا گیا ہے حالانکہ بانیوں کے نام کے ساتھ اداروں کا جو تعارف ہوتا ہے تو وہ نام بدلنے سے کچھ مشکوک شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ ریاستی دور کی تفریح گاہوں چڑیا گھر، گلزار صادق پارک اپنی خوبصورتی کے باعث صبح سویرے سے ہی رونق افروز نظر آتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ مقامی افراد کے رہن سہن، ثقافت اور اس شہر میں بسنے والے مرد و خواتین کا دلنشین انداز بیاں مجھے ہمیشہ اپنا گرویدہ کیے رکھتا ہے اسی طرح اس عروس البلاد کی بازاروں کی رونقیں بھی آدم زادوں اور آدم زادیوں کی بدولت اور خاص کر شاہی مسجد کی بغل میں واقع رنگیلہ بازار تو اپنی رنگیلی پریوں کی رونق کی بدولت نسل نو کی درشن بازی کی سوغات لیے ہوئے ہے اسی لیے آئے روز اس شہر دلنشین کے درشن کے لیے ہمارے نوجوان عازم سفر رہتے ہیں۔

کچھ ماہ دولت کی بھی سن لیں گزشتہ روز پندرہ روزہ میگزین حقیقت بہاولپور کے مدیر محترم سعید احمد صاحب کی طرف سے ایک دعوت نامہ ڈاک بابو کے ذریعے ماہ دولت کو ملا دعوت نامہ کو کھول کر پڑھا تو ان کے بیٹے اور بیٹی کی شادی میں نیک دعاؤں کے ساتھ شرکت کا اجازت نامہ تھا۔ یہ تحریر پڑھتے ہی ماہ دولت کی خوشی سے باچھیں کھل اٹھیں اور اب آپ یہ جان ہی چکے ہوں گے کہ اس انہونی مسرت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ بلاوا ہمارے خوابوں کی سرزمین اور نوابوں کی راجدھانی بہاولپور سے آیا تھا۔

شادی کارڈ میں میرے ساتھ میرے ازلی فضلی دوست اور ماضی کے اداکار جس نے ماضی

میں کئی اسٹیج ڈراموں میں اپنے فن اور ذہانت سے وہ ڈرامہ بازیاں کی ہیں کہ شائقین ان کی مکر فریبیوں اور اپنی نہ سمجھی کے باعث عش عش کر اٹھتے تھے تو صاحبوں ان موصوف والہ جاہ کا نام ہے محمد نفیس اللہ آبادی اور مابدولت نے فوراً ان کو فون کر کے یہ خوش خبری سنائی اور اسے تیاری کا عندیہ دے کر خود بھی بازار کا رخ کیا اور دیسی امیروں کے شاپنگ مال سے ایک نوانکور کوٹ خرید کر لے آیا تاکہ شادی کے ولیمے میں اسمارٹ اور دلنشین نظر آئیں اور پھر ہم دونوں کے 22 دسمبر کے انتظار میں دن گننے میں گزرنے لگے آخر وہ دن آ ہی گیا جس کا انتظار تھا اس حسین دن کی ٹھٹھرتی سہ پہر کو ہم دونوں اپنی نوک پلک سنوار کر اور بھٹی چوک اللہ آباد سے ایک چاند گاڑی میں سوار ہو کر پہلے پہل لیاقت پور پہنچے۔

اللہ والا چوک سے گزرنے والی ایک اے پی وی کو روکا لیکن اس نے ہمیں لفٹ کرانے کی بجائے نو دو گیارہ ہوگئی لہٰذا اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لیے اور اپنی قسمت کو کوستے ہوئے مجبوراً ایک کوسٹر بلائے جان کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس میں سوار ہوگئے جس نے اپنے ناز نکھرے دیکھاتے ہوئے اور اٹھکلیاں بھرتے ہوئے ساڑھے چھ بجے سابق ریاست بہاولپور کے دور حکومت میں بنائے گئے تاریخی صادق پارک کے باہر اتارا اور آگے چلتی بنی۔ ہم نے تو یہ سوچ کر قبل از وقت رخت سفر باندھا تھا کہ سورج میاں کی کرنوں کی روشنی میں بہاولپور پہنچے گے اور ایک چاند گاڑی میں سوار ہو کر قدیم شہر کا طواف کر کے اس کے تمام تاریخی دروازوں کے درشن کرنے کے ساتھ ان کے نیچے باادب کھڑے ہو کر اپنی تصویریں اور مووی بنوائیں گے تاکہ ہم بھی تاریخ کا حصہ بن سکیں لیکن اس ناز نخرے دیکھاتے والی کوسٹر اور قبل از وقت دھند کی جلوہ افشانی کی بدولت ہماری اس معصوم سی خواہش پر اوس پڑ گئی۔

دھند میں کوہ مری کا مزا لیتے ہوئے چوک فوارہ (ختم بنوت) پہنچے یہاں کے نظارے کرتے ہوئے فرید گیٹ سے احمد پوری بازار پہنچے شادی اور ولیمہ کی تقریب میں اپنی شان بڑھانے کے لیے احمد پوری بازار کی ایک کھسہ شاپ سے نیو ڈیزائن کا کھسہ خرید کر فوراً پہن کر بازار کے مٹر گشت پر چل پڑے پہلے پہل شہزادی چوک آئے یہاں صاحبان سے زیادہ صاحبزادیاں شاپنگ کر کے بازار کی رونق کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ اپنے خوبصورت لباس اور بہت ہی دلنشین انداز بیاں سے بازار کو سرزمین پریستان بنایا ہوا تھا یہاں سے عزت مآب نواب صادق محمد خان عباسی مرحوم کے دور حکومت میں تعمیر ہونے والی شاہی مسجد کے درشن کرنے کے لیے اندر داخل ہوئے تو صحن نے دھند کی چادر ایسے اوڑھ رکھی تھی کہ اپنے آپ کو چیونٹی کاٹنے کے بعد یقین ہوا کہ ہم مری کی سرزمین پر نہیں بلکہ شاہی مسجد میں کھڑے ہیں کچھ لمحے مری کی حسین یادوں کو انجوائے کرنے کے بعد ہم مسجد سے باہر آنے کے بعد سب سے پہلے شہزادی چوک سے بادشاہی سوغات امب رسے (مٹھائی) خرید کر محمد نفیس صاحب کے تھیلے میں ڈالی جس کو مابدولت نے عمرو عیار کی زنبیل کا خطاب دیا ہوا ہے یہاں سے گری گنج بازار سے ہوتے ہوئے شکار پوری گیٹ کے درشن کیے یہاں سے دھند کو اپنے ساتھ لیے ہوئے شاہی عیدگاہ کا بیرونی نظارہ کرتے ہوئے صادق پارک آئے اور پارک کے اندر جھانکا تو ہماری پیاریاں

اپنے چہیتوں کو جھولوں پر جھولے جھلا رہی تھیں اور ان کے نگہبان ان کے آگے پیچھے جی حضوری کرتے ہوئے بڑے پیارے لگ رہے تھے جی کرتا تھا کہ صاحبان والہ جاہ کے کان مروڑ کر کہوں آقا اصل ایوارڈ کے حق دار تو یہی ہیں لیکن اپنی اس معصوم خواہش کو اپنے ہی من میں سموئے سرائیکی چوک پہنچے یہاں کی ہر فوڈ شاپ پر کھانے والے اور کھانے والیاں رونق افروز نظر آئیں ان کو کھاتا دیکھ کر ہمارے پیٹ نے بھی احتجاج کرنا شروع کر دیا تو مارکیٹ کے ایک شاپ کیپر سے ہوٹل لاتسکا کا راستہ پوچھا تو اس نے یوں بتایا اومیاں اپنے ناک کی سیدھ پر مغرب کی طرف چلتے جاؤ آگے ایک عمارت سے تازہ کھانوں کی خوشبو آرہی ہوگی تم اپنی آنکھیں بند کر کے اس کے اندر کود جانا یہی تمہاری منزل ہے اور مابدولت نے بھی اس کی ہدایت پر اپنے ہمسفر کو اپنی بغل میں اینٹھ کر چلتے بنے چلتے چلتے ایک عمارت سے کھانوں کی مہکتی خوشبوں نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا تو ہم اپنی آنکھیں بند کر کے اندر داخل ہوگئے اور جب شادی ہال میں اپنی آنکھیں کھولیں تو حیران و پریشان ہوگئے کہ سارا ہال بھائے بھائے کر رہا تھا نہ بندہ نہ بندے کی ذات تھی فوراً گھبرا کر باہر نکل آئے اور ایک یونیفارم پہنے ہوٹل جنٹل مین سے پوچھا ارے صاحب عالم یہاں ایک سید زادے کی شادی کا ولیمہ ہے تو اس نے جواب کہ محترم آپ کو معلوم ہونا چاہیے اب ایسی تقریبات میں شریک ہونے کے لیے خواتین سے زیادہ مرد صاحبان تیاری شیاری میں دیر کر دیتے ہیں واقعی موصوف کا جواب سچائی پر مبنی تھا ہم دوبارہ ہال میں واپس آکر بیٹھ گئے کہ کچھ دیر بعد دولہا میاں کے ابا حضور محترم سعید احمد صاحب بھی

غزل

اپنے دل کو غم ہے صاحب
آنکھ ہماری نم ہے صاحب

اس حال میں زندہ ہیں
یہ بھی کیا کم ہے صاحب

بازو گرچہ شل ہوئے ہیں
آنکھوں میں تو دم ہے صاحب

کون سنے گا آہ و زاری
دلجوئی تو ختم ہے صاحب

کرے گا سحر نوحہ خوانی
نگر نگر ماتم ہے صاحب

محمد علی سحر

پہنچ چکے تھے پہلے تو انہوں نے اتنی دور سے شریک ہونے پر خوشی کا اظہار کیا اور ہم نے یاد رکھنے پر ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر باری باری مہمانوں سے ہال بھرنے لگا ہماری آنکھوں کے سامنے دولہا میاں بھی بینڈ باجوں اور اپنی ہلہ گلا ٹیم کے ساتھ شادی ہال میں داخل ہوئے تو بینڈ باجوں اور دولہا کے ہمراہیوں کے شور سے پورا پنڈال جھوم اٹھا جب یہ زندہ دلی تھک ہار کر کرسیوں پر فروکش ہوگئے تو اسٹیج پر دولہا میاں کے ساتھ تصاویر بنوانے کا سلسلہ شروع ہوگیا راقم نے بھی دولہا کے ساتھ سابق وفاقی وزیر محترم بلیغ الرحمن صاحب کے ساتھ بھی تصویر بنوائی اور ریٹائرڈ پروفیسر محترم ڈاکٹر شاہد حسن رضوی صاحب کو بھی ملے۔

اتنی دیر میں کھانا لگ چکا تھا کچھ دیر پہلے جو مہمان اپنی تعریفیں منظر عام پر لانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے کھانا لیتے اور کھاتے ہوئے ان کی اصل شخصیت ہماری آنکھوں کو چندھیانے لگی تھی اور جب وہ کھانا تناول کر کے جانے لگے تو ان کی آدھ بھری سالن کی پلیٹیں سنت رسول ﷺ اور اخلاقیات کی منادی کر رہی تھی حالانکہ ہم کو اتنا سالن لینا چاہیے جتنا ہم کھا سکیں۔ اتنے لذیذ کھانوں کی ڈشز اور وافر مقدار میں فراہمی اور احسن انتظام کرنے پر واقعی میزبان محترم سعید احمد صاحب ڈبل مبارکباد کے مستحق ہیں اس سے بڑھ کر مہمانوں سے نظر لینے کے لیے گیٹ پر منشی اور کیشیر نہ بٹھا کر ایک اچھی روایت قائم کی ہے جبکہ ہمارے علاقوں میں چوہدری سے لے کر بزنس مین تک سب شادی ہال یا پنڈال کے باہر آدھ درجن منشی اور کیشیر کاپیوں اور قلم کے ساتھ بٹھاتے ہیں کہ کہیں کوئی مہمان کھانا کھا کر رفو چکر نہ ہو سکے۔ ہم محترم سعید صاحب سے رخصت لینے لگے تو انہوں نے رات یہی قیام کا کہا تو ہم نے انہیں عرض کی ملکہ عالیہ نے رات کے قیام کی اجازت نہیں فرمائی ورنہ اس سوہنی دھرتی پر ضرور قیام کرتے اور اس ولیمہ کی دلکش روایات کو سینے سے لگائے جیسے ہی ہوٹل سے باہر آئے سردی نے ہمیں مرغا بنا دیا ہمارے تو وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ ہم معصوم مسافروں سے سردی کی دشمنی اتنی بڑھ جائے گی خیر جی دھند میں لپٹی ہوئی سردی کا مقابلہ کرتے ہوئے اور بس اسٹاپ کی طرف جانے والے راستے پر خرما خرما جا رہے تھے ایک چاند گاڑی ہمارے قریب سے گزر کر آگے جانے لگی تو ہم دونوں فل والیم آواز میں اس کے ڈرائیور کو پکارا اومیاں ٹھہر ذرا ہم سردی کے مارو کو بھی لیتا جا اس خدا ترس انسان نے اپنا رکشہ روک کر ہم کو پچاس روپے کے عوض سوار کیا اور جب بہاولپور لاری اڈہ کی تاریخی طرز پر بنی ہوئی عمارت کے سامنے اترے تو یہ جان کر ہمارے چودہ طبق روشن ہوگئے کہ اب کسی کوچ یا اے پی وی نے ہمارے شہر کی طرف نہیں جانا اس خبر کو سنتے ہی ہمارے ہاتھ پاؤں سن ہونے لگے اور ہمیں سعید بھائی کی پیشکش بے چین کرنے لگی کہ آج رات میرے پاس ٹھہر جائیں۔ خیر جی ہم بڑے اپنے آپ کو غازی ثابت کرنے کے لیے اس جنگ میں ڈٹ گئے اتنے میں ہماری طرح سردی کے مارے اور دھند میں لپٹے دو مسافر ہمارے قریب آئے تو منزل مقصود کا پوچھا تو انہوں نے یہ بتا کر ہمارا دل خوش کر دیا کہ وہ بھی ہمارے ہمسفر ہیں اسی وقت ایک اے پی وی ملتان آ کر رکی تو ہمارے ایک جواں ہمت ہمسفر نے کہا کہ لیاقت پور جاؤ گے اس نے پانچ

سو روپے بلیک ریٹ پر فی سواری کو لے جانے پر راضی ہوا اور ہم چاروں اس میں سوار ہو گئے اور سواریوں کے انتظار میں کھڑے تھے کہ ایک رحیم یار خان والا مسافر بھی سوار ہو گیا دو اور چنی گوٹھ جانے والی سواریاں بھی سوار ہو گئیں تو ڈرائیور نے سی این جی بھروانے کے لیے ایک سلنڈر گیس پوائنٹ پر لے آیا تو رحیم یار خان والا مسافر چپکے سے نو دو گیارہ ہو گیا شاید اسے شک پڑ گیا تھا کہ یہ رحیم یار خان نہیں جائے گی اس نے غائب ہونا تھا کہ ڈرائیور نے ہم سب کو حکم دیا چلو نیچے اترو میں اتنی کم سواریوں کے ساتھ رخت سفر نہیں باندھ سکتا تو مابدولت نے اپنے ہمسفروں کے سامنے انکشاف کیا کہ ان دونوں کا تعلق اس سرزمین سے ہے جو خانپور کا ضلعی ہیڈ کوارٹر لے اڑا تھا۔ جب ہر طرف سے مایوسی نظر آنے لگی تو ہم نے اپنے رب رحیم کو پکارا تو اسی وقت ایک لوکل کوچ آ گئی جس کے کنڈیکٹر نے یہ خوش خبری سنائی کہ اپنے رب کو پکارنے والوں سوار ہو جاؤ ہم آپ کو منزل مقصود پر پہنچائیں گے اور ہم سب دیوانہ وار اس میں سوار ہو گئے اور کوچ کے سفر میں اپنے ہمسفر سے تعارف ہوا تو ایک شخصیت تو ہمارے تحصیل کے چیف آفیسر صاحب تھے اب واپسی پر ایک دوسرے کی زندگی کے دلچسپ واقعات سنتے ہوئے اور نفیس بھائی سے پرانی پاکستانی فلموں کی اسٹوریوں پر محظوظ ہوتے ہوئے سفر تمام ہوا اور ہم آدھی رات کا چندا بن کر ساڑھے تین بجے اللہ آباد پہنچے اور اپنے کمرے کے دروازے کو پکڑ کر مابدولت نے دھند کو بائی بائی کہا اور اپنے گرما گرم کمرے میں قدم رنجا فرما کر اپنے بستر میں جا دبکے۔

❑❑.....❁.....❑❑

احساس

دیارِ غیر میں آ کر ہوا احساس یہ مجھ کو
یہ چہرے اجنبی سے ہیں، یہ انجانے سے لگتے ہیں

ہے ان کی جلد بھی گوری مگر چہرے پہ وحشت ہے
نہ جانے کیوں مجھے یہ اب بھی بیگانے سے لگتے ہیں

ملنساری، اُخوت جو مسلمانوں میں ہوتی ہے
نہیں ہیں یہ مسلماں پر مسلمانوں سے لگتے ہیں

ہے عورت جنسِ ارزاں، چوک شاہراہوں پہ سجتی ہے
نہ جانے کیوں یہ عاشق مجھ کو پروانے سے لگتے ہیں؟

ترقی کے لیے اپنی گزر جاتے ہیں ہر حد سے
جنونی ہیں، یہ پاگل ہیں، یہ دیوانے سے لگتے ہیں

سلمیٰ غزل

کراچی سے بھیجی گئی تحریر جس کو پڑھ کر آپ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جائیں گے

بارش، بادل، ہم اور کراچی

ٹائی ٹینک اگر کراچی میں ڈوبتا جو کہ برسات کے موسم میں ممکن بھی ہے تو جیک ڈیفنس میں ڈوبتا اور ملیر ندی سے نکلتا اور باجی روز تختے پر بہتی بہتی گجر نالے سے کٹی پہاڑی پر جا پہنچتی.....

ڈاکٹر جویریہ ندا

بزرگوں سے سنا تھا کہ جب گیدڑ کی شامت آتی ہے تو وہ شہر کا رخ کرتا ہے لیکن یہاں معاملہ یکسر مختلف تھا کہ ہماری شامت زبردستی لائی گئی تو ہم نے چھٹی والے دن ایمرجنسی کیس کے لیے اسپتال کا رخ کر لیا۔ شومئی قسمت بھی اس اس دن کہ جس دن محکمہ موسمیات والوں نے بارش برسانے والے سسٹم کی کراچی میں دھواں دار انٹری کی بریکنگ نیوز دی تھی۔ اسپتال میں موجود ڈیوٹی ڈاکٹر نے گھریلو مسئلہ کی بنا پر دیر سے آنے کا عندیہ دیا تھا۔ ایسے میں وہ مریض جو ہمارے یہاں عید بکرا عید' 14 اگست' 9' 10 محرم اور دیگر چھٹیوں پر عموماً غیر حاضر ہوتے ہیں یعنی ان خاص دنوں میں شاید انہیں بیماری چھو کر نہیں گزرتی' وہ بھی آج ہی کے دن آ کر ایڈمٹ ہو گئے وہ بھی بطور ایمرجنسی کیسز..... حبس زدہ جولائی کا مہینہ تھا مون سون کا آغاز' صبح صبح موبائل بجا' چار و ناچار آنکھیں مل مل کر دیکھا کہ کس ناہنجار نے اس چھٹی والے دن کو غارت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کچھ مزید آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کہ اسپتال سے کال تھی کہ ڈاکٹر صاحب آج کچھ دیر سے آئیں گے گھریلو چپقلش کی بنا پر..... معاف کیجیے گا گھریلو مسئلہ کی وجہ سے' اور دو مریض آ چکے ہیں برائے مہربانی کچھ گھنٹوں کے لیے اسپتال میں قدم رنجہ فرما دیں۔ مریض آپ کو دعائیں دیں گے۔ اسپتال سے گاڑی بھیجی جا رہی ہے' تیار رہیے گا ڈاکٹر صاحبہ..... مابدولت کا موڈ تو آف ہو ہی چکا تھا۔

لیکن کیا کریں نوکری' نوکری ہے۔ اماں بی کی شکل پر البتہ کوئی ٹینشن نہ تھی الٹا یہی سننے کو ملا کہ.....

''بی بی ڈاکٹری اپنی مرضی سے لی ہے ناں تو موڈ آف کرنے کی کیا تک ہے۔ ہم تو تمہیں انجینئر یا پائلٹ بنانا چاہتے تھے اب بھگتو لیکن میرا دماغ خراب نہ کرو۔'' بات میں دم تھا تو چپ ہی رہنے میں عافیت جانی جلدی جلدی ڈبل روٹی کے دو تین لقمے زہر مار کیے اور چائے کے بڑے

بڑے گھونٹ بھر کر اسپتال جا پہنچے۔ راستے بھر دعائیں کرتے رہے کہ اللہ میاں بس ابھی بارش نہ برسانا ابھی جیسی بھی دھوپ نکلی ہے تہہ دل سے منظور ہے۔ محکمہ موسمیات کی پیش گوئی غلط ثابت ہوجائے۔ خیر پھر ہوا کچھ یوں کہ وہ ایمرجنسی والے دونوں مریضوں کی طرف قدم بڑھایا ایک مریضہ ایمرجنسی روم میں تھی یہ کہ 68 سالہ 'اچھی صحت' مطلب کہ جن کو دیکھ کر چین کے سومو پہلوان یاد آجائیں۔ موجود تھیں دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو ہماری پرانی مریضہ ہیں..... لیکن نہیں..... یک دم ذہن میں ایک جھماکہ سا ہوا' ان کو تو میں نے ایک ہفتے پہلے بلایا تھا معائنہ کے لیے قبض کی شکایت تھی دوا بھی لکھ دی تھی ٹیسٹ بھی لکھ دیے اور ایک ہفتہ کے بعد آنے کے لیے کہا اب تو تین ہفتے بعد آنے کی تک کیا تھی جبکہ مقررہ دن پر نہ آئے۔

پردہ سرکا کر دیکھا تو خاتون بڑے اطمینان سے ایمرجنسی بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی ہیں۔ بظاہر شکل سے کوئی تکلیف کے آثار نمایاں نہیں ہورہے تھے۔

''جی اماں کیسی ہیں' کیا ہوا؟'' ہم نے پوچھا۔ ان کی بہو آگے بڑھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ اماں کو کل رات سے پیٹ میں درد تھا۔''

''کل کھانے میں کوئی چیز باہر کی تو نہیں کھائی؟'' ہم نے پوچھا۔

''ناں کڑیے.....'' اماں بول پڑی۔

''پچھلی بار جو دوا دی تھی ناں اس سے زیادہ فرق نہ پڑا کل رات زیادہ نہیں کھایا بھلا مجھ جیسی بڑھیا کتنا کھالے گی۔''

''پھر بھی اماں کچھ تو کھایا ہوگا ناں وہی بتادیں۔'' ہم نے لہجے میں مزید مٹھاس پیدا کی۔

''کچھ بھی نہیں بیٹا' صرف آدھی پلیٹ بہاری بوٹی کھائی گھر کی بنی ہوئی میری بیٹی میدے اور گھی کے پراٹھے بنالائی تھی۔ اتنے دنوں میں تو آتی ہے اپنے میکے تو اس کے اصرار پر تھوڑا چکھ لیا بہاری بوٹیوں کے ساتھ.....'' یہ سب بھی اماں نے بے چارگی والے لہجے میں بتایا۔

''اچھا پھر بھی کتنا پراٹھا کھایا؟''

''کھایا کہاں چکھا ہے صرف یہی کوئی دو روٹیاں۔'' اس کے بعد ہمیں غصہ آنے لگا۔

''اور کچھ تو نہیں کھایا؟'' غصے پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''وہ نگہت بھابی کے سسرال سے نہاری آئی تھی تھوڑی سی وہ لی تھی ساتھ میں' اور باقی قسم لے لیں کچھ اور لیا ہوا ماں جی نے..... ویسے بھی دن بدن دبلی ہوتی جارہی ہیں۔'' ان کی بہو نے کہا۔ اس کے بعد ہم کچھ لمحوں کے لیے اپنی ڈاکٹری بھول گئے۔ بہاری بوٹیوں کی ایک پوری پلیٹ' مبدہ اور اصلی گھی کے دو پراٹھے' آدھی پلیٹ نہاری..... اس کے بعد بندہ دبلا ہوسکتا ہے کیا اور کیا اس کے بعد معدہ اور آنتیں صحیح حالت میں رہ پائیں گی۔ قدرے وقفے کے بعد ہوش آیا۔

''یہ بتائیں اب بھی پیٹ میں درد ہے الٹیاں ہورہی ہیں؟''

''نہیں تو' اب تو ایسا کچھ نہیں ہے۔'' ساتھ آئے بیٹے نے کہا۔

''وہ ہم نے صبح نمک زیرہ کا چمچ دے دیا تھا اور چورن دے دی تھی شاید گیس کا مسئلہ تھا وہ بھی ٹھیک ہوگیا حاجت بھی ہوگئی۔''

''تو پھر جب ٹھیک ہوگیا تو اسپتال کیوں آئے ہو؟'' ہم نے پوچھا۔

''ڈاکٹر صاحبہ! وہ بس ہم کو یہ پوچھنا تھا کہ اماں کو دوائی لینا پسند نہیں ہے۔'' ان کے بیٹے نے بات شروع کی۔

''وہ جو آپ نے تین ہفتے پہلے دوا دی تھی وہ بھی نہیں لی پھر ہم نے یہ ہی ٹوٹکا دیا تو سب ٹھیک ہوگیا اب دو چار دن سے پھر قبض والا مسئلہ تھا کل کھانے کے بعد پیٹ درد ہوا اور اسی ٹوٹکے سے ٹھیک ہوگیا۔ تو جی..... ڈاکٹر صاحبہ..... سو باتوں کی ایک بات پوچھنا یہ ہے کہ اگر آئندہ یہ مسئلہ ہو تو زیرہ نمک اور چورن دے دیں بس دوا نہ کہیے گا وہ پسند نہیں۔'' ہماری ڈاکٹریٹ کی ڈگری ٹوٹکے کے آگے ہیچ تھی۔

''ٹیسٹ کروالیے آپ لوگوں نے؟'' ہم نے پوچھا۔

''وہ جی مسئلہ ہی ٹھیک ہے تو ٹیسٹ کی کیا ضرورت ہے۔ میں بتا رہا ہوں ناں کہ اماں کو چورن سے افاقہ ہے۔'' جواب ملا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ کو ٹیسٹ نہیں کروانے دوائیاں نہیں لینی تو میرے علاج کا کیا فائدہ' صرف چورن تو سارے مسائل کا حل نہیں ہے۔'' ہم نے کہا۔

''ڈاکٹر صاحبہ دوا تو نہیں لیں گی یہ۔'' گویا

حتمی فیصلہ سنایا گیا ہے۔

''ڈاکٹر صاحبہ آپ وہ دوا لکھو جو سفید بوتل میں آتی ہے گلابی رنگت والی دو سال پہلے ہمارے محلے کے ڈاکٹر نے لکھی تھی۔ وہ سوٹ کی تھی آپ بس وہی لکھ دیں۔''

''دیکھیں محترم۔'' ہم نے بات شروع کی۔

''ایسے علاج نہیں ہوتا ہے اور گلابی رنگت والی دوا کا مجھے کیا پتہ کہ وہ کیا چیز تھی۔ میں نے معائنے کے بعد ہی دوا لکھی تھی اور آپ تو مقررہ وقت پر معائنہ کے لیے بھی نہیں آئے ایسے کیسے چلے گا۔''

''تو اب وہ دوا آپ کو نہیں معلوم؟'' بہو نے پوچھا۔

''جی نہیں۔''

''مہ پارہ چلو عجیب ڈاکٹر ہیں اس گلابی رنگت والی دوا کا نہیں پتہ صدیوں کے مانے ہوئے چورن سے انکار کر رہی ہیں۔'' بیٹے نے بیوی سے کہا۔

''اماں کو اسی سے آرام ہے اسی ڈاکٹر کو دکھا دیں گے فیس بھی پچاس روپے ہے مریض سے زیادہ پوچھ تاچھ بھی نہیں کرتا صرف مرض پوچھ کر دوا دیتا ہے وہی بہترین ہے یہاں تو پچھلے کھاتے بھی کھول کر بیٹھ جاتے ہیں کہ شوگر تو نہیں' بلڈ پریشر تو نہیں چلو چلو.....'' پھر وہ مریض چلا گیا اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری قوم کی جاہلانہ سوچ کے سامنے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ دوسرا مریض ایڈمٹ تھا جو اپنی مرضی سے ایڈمٹ تھا یعنی اس کی انگلی دیوار میں کیل ٹھونکنے کے دوران زخمی ہوئی تھی۔ ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ ہم بمعہ اسٹاف مریض کو دیکھنے وارڈ میں گئے۔ لگ بھگ 35 سے 40 سالہ اچھی صحت کا بندہ بیٹھا ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ کی انگلی زخمی ہوئی تھی۔ ڈریسنگ کر دی گئی تھی۔ ابتدائی طبی امداد اور ادویات بھی دے دی گئی تھی۔

ایکسرے چیک کیا کوئی فریکچر نہیں پوچھا بھائی کس خوشی میں ایڈمٹ ہو گئے جواب ملا کہ ڈاکٹر صاحبہ ہاتھ جوڑتا ہوں مجھے یہاں اسپتال میں ایڈمٹ رہنے دیں ورنہ گھر کے کام کر کر کے میں نے آدھا ہو جانا ہے۔''

''تو بھائی کیا ہوا تھوڑی وائف کی مدد کر دو گھر میں بے چاری ویسے تو سارا دن کام کرتی ہے ناں۔'' ہمارے ساتھ موجود نرس نے کہا۔

''او بہن جی آپ کو پوری بات نہیں پتہ۔'' ان صاحب کو غصہ آ گیا۔

''لاک ڈاؤن کے دوران میں نے گھر کے کاموں میں اس کی مدد کی اب تو لاک ڈاؤن بھی کھلنا شروع ہو گیا وہ گھر کی بھی ساری ذمہ داری ڈال کر ڈرامے دیکھ رہی ہے صرف سبزی کبھی کبھار کاٹ کر دے دے گی وہ بھی ڈرامے کے سامنے' میں سختی کروں اس کے دو بڑے بھائیوں نے مجے حوالات میں جہنم دکھا دینا ہے دونوں پولیس میں ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ روہانسا سا ہو گیا۔ ہم سب کو ذرا ترس آنے لگا تو گلے جملے نے ہم سب کی طبیعت اچھی طرح سے صاف کر دی۔

''ڈاکٹر صاحبہ میں نے سنا ہے کہ جس اسپتال میں جاؤ وہاں ڈاکٹر کرونا کا ٹیکہ لگا کر مریض کو ایڈمٹ کر لیتے ہیں اور کسی سے ملنے نہیں دیتے علاج بھی کر دیتے ہیں اور پیسہ لیتے ہیں صحیح کرنے کے لیے۔'' اس شخص نے بولنا شروع کیا۔

''دیکھیں میں آپ سب کو اجازت دے رہا ہوں کہ آپ لوگ مجھے کرونا کا ٹیکہ لگا کر ایڈمٹ کریں آپ لوگوں پر الزام نہیں آئے گا۔ اس طرح میری بیگم مجھے نہ دیکھنے آئے گی اور نہ ہی گھر میں

گھسنے دے گی وہ کرونا سے بہت ڈرتی ہے میں گھر کے کاموں سے نجات پالوں گا کچھ دن سکون سے گزر جائیں گے۔ الحمدللہ اتنی قوت مدافعت ہے کہ کرونا کا مقابلہ کرلوں گا لیکن بیگم سے ناممکن ہے۔ آپ جتنی چاہے فیس لے لیں لیکن ٹیکہ لگا کر ایڈمٹ کریں۔'' ہمارا دماغ تقریباً ماؤف ہوگیا ابھی سوشل میڈیا پر ایک عدد ایکسپرٹ منحوس شخص کی ویڈیو وائرل ہورہی تھی جس میں وہ کہہ رہا ہے کہ کرونا سے مرنے والوں کو علیحدہ اس لیے دفن کیا جارہا ہے تاکہ گھر والوں سے چھپتے چھپاتے اسے WHO کو ڈالرز کے عوض فروخت کردیں ڈالرز کے عیوض WHO آگے امریکہ کو ریسرچ کے لیے فروخت کررہے ہیں۔ گویا امریکیوں کے پاس اتنا ٹائم ہے کہ ہم پاکستانیوں کے دماغوں پر ریسرچ کریں اور دماغ بھی کس کے لیے ہیں ہم پاکستانیوں کے' شاید ریسرچ کرنا چاہ رہے ہوں کہ نت نئے خیالات آتے کہاں سے ہیں اور اتنا ٹائم کہاں سے لیتے ہیں ٹک ٹاک بنانے کے لیے..... خیر..... یہ کہاں ہم آگئے..... واپس اصل مدعے پر آتے ہیں۔ تو بات ہورہی تھی مریض کے کرونا ٹیکہ کے اپیل کی۔ جو مسترد کرتے ہوئے اسے فوراً اسپتال سے بلکہ تقریباً زبردستی ڈسچارج کیا۔

ہم واپس اپنے آفس میں آگئے' ابھی تک ان ڈاکٹر صاحب کا کچھ پتہ نہ تھا جن کو دو گھنٹے لیٹ آنا تھا۔ موسم میں حبس بڑھتا جارہا تھا۔ ساری علامت بارش ہونے کا چیخ چیخ کر اعلان کررہی تھیں۔ ہم تنگ آکر اپنے آفس سے باہر اسپتال کے صحن کی طرف آئے اسپتال کے دیگر عملے سے بھی لوگ جمع تھے۔ بارش کی زبردست پیش گوئی کے باعث آج اسپتال میں مریضوں کی آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ جس کی وجہ ہم ابتداء میں بیان کرچکے ہیں ہم حیران کہ عملے کے لوگ مین گیٹ کے قریب اوپر آسمان میں بیک وقت ایک جیسی ہونقوں والی شکلیں بنائے کیا دیکھ رہے ہیں کچھ کی نظریں آسمان پر کچھ تلاش کررہی تھیں مگر کیا؟ عید کا چاند..... مگر وہ اس ٹائم کہاں نظر آئے گا وہ تو شام میں نظر آتا ہے۔'' ہم نے دل ہی دل میں سوچا پھر خود ہی اس خیال پر لاحول پڑھ دی بھلا عید کا چاند کہاں نظر آئے گا نہ بڑی عید ہے اور نہ ہی چھوٹی عید قریب ہے تو پھر..... تھوڑا آگے بڑھ کر ہم نے بھی شتر مرغ کی طرح گردن لمبی کرکے آسمان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی اور پھر بقول اسماعیل میرٹھی کہ.....

گھنگھور گھٹا تلی کھڑی تھی
پر بوند اب تک نہیں پڑی تھی

اب تو ہاتھوں سے طوطے' مینا' کوے' تیتر' بٹیر' تمام پرندے اڑ گئے ان ڈاکٹر صاحب کو بھی آج ہی اپنی بیگم سے پنگا لینا تھا (جو ہمیں شک نہیں پورا یقین تھا کیونکہ اکثر انہیں ہم سب نے فون پر بیگم سے گھر کا سامان کی لسٹ لیتے ہوئے سنا تھا) یہ ڈاکٹر صاحب اسپتال سے زیادہ دور نہیں تھے لیکن ہم کافی دور سے اسپتال آتے ہیں اور کراچی کی بارش کا مطلب سب سمجھتے ہیں۔ کراچی کی بارش مطلب گٹر کا کھل جانا' کراچی کی بارش مطلب سمندر کا کراچی مٹر گشت کرنے آنا' کراچی کی بارش مطلب بجلی کے تاروں کا پانی میں آئٹم ڈانس' کراچی کی بارش مطلب K.E (کے الیکٹرک) کا کراچی کی عوام کو نقصانات سے بچانے کے لیے بارش ختم ہونے کے بعد لوڈ شیڈنگ کرنا اور اور..... بس بس..... اس کے آگے ہم سے سوچا نہیں جارہا تھا۔ کہتے ہیں بارش میں مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے۔ ہم نے گڑگڑا کر بارش نہ ہونے کی دعا مانگنا شروع کردی۔ لیکن..... پہلا قطرہ' دوسرا

قطرہ' پھر بارش کی بوندوں کا لگاتار' تار بن گیا جو آہستہ آہستہ شدت اختیار کررہا تھا۔ اتنے میں اسپتال کے سامنے والے گھر میں کسی منچلے نے اونچی آواز میں ایف ایم لگادیا اور گانا ہمارے دل پر جلتی پر تیل کا کام کرنے لگا۔

اے ابر کرم آج اتنا برس
اتنا برس کہ وہ جا نہ سکے
قسم لے لیں اس وقت محسوس ہورہا تھا کہ کوئی ہمیں چڑا رہا ہے پہلا خیال یہی آیا کہ شاعر نے یہ گانا لکھا ہی کیوں؟ اور گلوکار نے گایا ہی کیوں اور اگر گا بھی لیا تو یہی گانا اس وقت لگانا تھا۔ دو سے تین گھنٹے اور زیادہ ہوگئے کہ ڈاکٹر صاحب بھیگتے بھاگتے چھتری پکڑے آتے دکھائی دے۔ اللہ کا شکر ادا کیا ابھی بارش نے زور نہیں پکڑا تھا ابھی کراچی میں ندی نالے نہیں بھرے ہوں گے یہی سوچ کر ان ڈاکٹر صاحب کے اسپتال میں قدم رنجہ کرتے ہی ہم نے اپنا بیگ اٹھایا اور بمعہ اپنے دو نرسنگ اسٹاف کے اسپتال کی ایمبولینس میں بیٹھ گئے۔ جن کو گاڑی تیار رکھنے کے لیے ہمارا اسٹاف پہلے ہی کہہ چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب بھی بے چارے یوں دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے ہوں گے کہ کیا میں بارش میں نہا دھو کہ بھوت کی طرح لگ رہا ہوں جو مجھے دیکھتے ہی یہ لوگ غائب ہوگئے۔

خیر ایمبولینس میں بیٹھنے کے بعد ہمارا دورہ کراچی ان رین اسٹارٹ ہوا کچھ منٹ تک صرف بارش تھی لیکن سڑکوں پر پانی جمع نہیں ہوا تھا ماسوائے فٹ پاتھوں کے کناروں پر ہم سمجھے شاید تبدیلی آنے کے باعث یہ ہوا ہے لیکن اگلے ہی لمحے ہمیں اپنے خیال میں ترمیم کرنی پڑی کیونکہ آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بارش کا زور بڑھ رہا تھا۔ اور پھر ہم اسی دور میں واپس آگئے جہاں کراچی 1960ء میں کھڑا تھا۔ برستا ہوا مینہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر' موجوں کی روانی تھی اور زندگی کچھ بھی نہیں بارش اور کراچی کے ان ٹوٹ رشتے کہانی تھی۔

''یا اللہ.....'' ہمارے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''خیریت و عافیت سے گھر پہنچا دینا جلدی گھر پہنچا دینا۔''

''ڈاکٹر صاحبہ.....'' ہمارے برابر بیٹھی اسٹاف نرس ثانیہ نے منہ کھولا۔

''ہمارے پنجاب میں جب بارش ہوتی ہے تو ہری ہری گھاس مزید ہری ہوجاتی ہے بعض دفعہ بیر بوٹی (ریشم کا کیڑا) بھی نکل آتی ہیں۔''

''تو..... پھر.....'' ہم نے پوچھا۔

''تو پھر ڈاکٹر صاحبہ یہ کہ یہاں تو ہری ہری گھاس تو دور پہلے سے لگے ہوئے درخت بھی ہرے نظر نہیں آرہے ہیں بیر بوٹی نظر آتی ہے کیا؟'' وہ بولے چلی جارہی تھی۔

''ہمارے یہاں تو گھر میں بھی پکوان بنتے ہیں آپ کراچی والے تو صرف پکوڑوں اور چائے پر گزارا کرکے بارش کو انجوائے کرتے ہو' آپ کبھی ہمارے پنجاب آؤ برسات کے پکوان ہم آپ کو کھلائیں گے' پکوڑے' بھنی مکئی' آلو کے پکوڑے' پالک کے پکوڑے تے آلو کے پروٹھے وغیرہ۔'' ہم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ یہاں کراچی میں عنقریب طغیانی آنے والی ہے اور اسے بیر بوٹی اور میگھ ملہار کے پکوان سوجھے ہیں۔ ہمارا خاطر خواہ رسپانس نہ پاکر اسٹاف بھی منہ بنا کر چپ ہوکر بیٹھ گئی۔ لمحہ بہ لمحہ بارش بڑھتی جارہی تھی کراچی کی سڑکیں سیلابی ریلے کی نظر ہوئی جارہی تھیں اور دیگر گاڑیوں کی طرح ہماری ایمبولینس اس ریلے میں پھنسی ٹریفک جام کی قطار میں لگی تھی۔ ہماری والی سائیڈ پر خوش قسمتی سے بارش کا پانی سطح سے زیادہ

بلند نہ تھا تاہم فٹ پاتھ کی دوسری سائیڈ والی سڑک پر گویا طغیانی آچکی تھی اور سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ کیا منظر تھا۔

ماشاء اللہ چشم بدور جوں جوں ہماری ایمبولینس آگے کی جانب کھسک رہی تھی توں توں کھڑکی سے کراچی کے نایاب مناظر دیکھنے کو مل رہے تھے۔ گاڑیاں نصف سے زیادہ ڈوب چکی تھیں۔ ایک فٹ پر نیم کا پیڑ لگا ہوا تھا پتہ نہیں کراچی جیسے شہر میں غلطی سے اُگ آیا یا اس درخت کے آس پاس بلڈنگیں اُگ آئیں۔ معاف کیجیے گا ذرا زبان پھسل گئی ہمارا مطلب کہ بلڈنگیں تعمیر ہو گئیں خیر بات ہو رہی تھی نیم کے پیڑ کی جو کراچی کی سالہا سال کی آلودگی کے باعث میک اپ زدہ ہو چکا تھا اب بارش میں اپنے اطراف کے بہتے نالوں سے بے خبر میک اپ سے آزاد ہرا بھرا ہو کر لہلہا رہا تھا اور اس پر کوؤں اور چیلوں کا جوڑا بیٹھا میگھ ملہار الاپ رہا تھا۔

جس نے ٹریفک کے شور بارش کی کھنک کو سر تال کا نیا لُک دے دیا تھا۔ آخر ان کو بھی تو پورا حق تھا موسم انجوائے کرنے کا..... موسم انجوائے کرنے سے یاد آیا کہ چند ایک آوارہ کتے بمعہ پلے بھی اس پانی میں اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ ویسے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ بطور خاص کراچی کی بارشوں میں ہی یہاں کے کتے چیاؤں میاؤں اور بھوں بھوں کرتے ہوئے اچھل کود کیوں کرتے ہیں کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ خیر چھوڑیے ہم نے اس بات پر سوچنے کا ٹھیکہ تھوڑی لیا ہے۔ آگے چلے تو چوراہا آ گیا ایک چوراہا کو بند کیا ہوا تھا کیونکہ وہاں کراچی الیکٹرک کی جانب سے بارش شو کا انعقاد ہو چکا تھا۔

بجلی کی تاروں کا آئٹم نمبر ڈانس شاید جاری تھا دور کسی دکان سے ناہید اختر کا پرانا گانا با آواز بلند لگایا ہوا تھا۔

''بجلی بھری ہے میرے انگ انگ میں.....''

بس اسی کی کمی تھی بجلی کی تاروں کے لیے ہی لگایا ہوا تھا۔ تیز طوفانی ہواؤں کے باعث پہلے ہی سے کمزور و ناتواں بجلی کے تار ٹوٹ کر بارشی پانی میں آن گرے وہ تو کسی بھلے مانس نے دیکھ لیا تو فوراً اپنے تئیں لوگوں کو بتا کر ٹریفک اور لوگوں کا اژدھام کو رکوا دیا ورنہ ہم پاکستانیوں کو کسی کی کیا سننی تھی یہیں سے گزرنا تھا۔

ہم تو وہ قوم ہیں جو لاکھ منع کرنے کے بعد بھی بارش میں بجلی کے کھمبوں کو ہاتھ ضرور لگائیں گے' بچا لیا تو اللہ اللہ خیر سلا ورنہ K.E اور واپڈا ذمہ دار..... مسئلہ پتہ ہے کیا ہے؟ ہم دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں نقص نکالتے ہیں مگر اپنے آپ میں ایک انچ کی بھی تبدیلی نہیں چاہتے اور نہ ہی اپنی کوتاہی کا حصہ تسلیم کرتے ہیں۔ واقعتاً وہ بھلا مانس شاید کوئی فرشتہ ہی تھا ورنہ اس موسم میں ہماری بعض کم عقل ماؤں کو تو اپنے جگر گوشوں کو پکوڑوں کے لیے بیسن یا صرف گھومنے کے لیے سائیکل پر بھیج دینا تھا اور پھر یہ معصوم جب لاعلمی میں ان تاروں بھرے پانی میں آتے تو انجام سامنے تھا۔

ہمارا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا ہمارے ساتھ بیٹھی دو نرسیں بھی اب کوفت کا شکار نظر آ رہی تھیں۔ دو گھنٹے سے اوپر ہو چکے تھے اور ایمبولینس کھسک کھسک کر بمشکل چند ہی فرلانگ کا راستہ طے کر پائی تھی۔ موبائل کے سگنلز کا چھپن چھپائی کا کھیل جاری تھا۔ ہم نے بور ہو کر موبائل ریڈیو آن کیا اور لگے ایف ایم سیٹ کرنے ایک چینل ان ہوا۔ R.J کی آواز ابھری۔

''سامعین کرام کراچی کا موسم دلفریب ہوا جاتا ہے خوب انجوائے کیجیے ویسے بھی کراچی والوں کو بھی

کبھار یہ رُت میسر آتی ہے۔ بس بجلی کے کھمبوں سے بچ کر رہیں اور گٹر بھی کھلے ہیں ان سے بھی محتاط رہیں اور ہاں ٹریفک شدید جیم ہے گاڑیوں کا پیٹرول ختم ہو رہا ہے' بچے رو رہے ہیں اور خواتین چیخ رہی ہیں لیکن آج آپ ہمیں کال کر کے یہ ضرور بتائیں کہ آپ بارش کو کیسے انجوائے کر رہے ہیں آپ کوئی گانا گنگنا سکتے ہیں کوئی ریسپی شیئر کر سکتے ہیں کوئی شعر برسات کی مناسبت سے..... اس گانے کے بعد آپ کی کالز کا سلسلہ جاری ہوگا۔'' خوبصورت آواز کے ساتھ یہ پیغام اتنی خوبصورت اطمینان کے ساتھ ادا کیا گیا کہ ایک لمحے کے لیے یہ خیال گزرا کہ شاید غم اور پریشانی نے R.J کو بھی تقریباً دیوانہ کر دیا ہے یا وہ خان صاحب کا فین ہے بھی تو ساری بری بری خبریں دے کر کہہ رہا ہے آپ نے گھبرانا نہیں ہے اور پھر مہدی حسن صاحب کی غزل.....

کیوں ہم سے خفا ہو گئے اے جانِ تمنا
بھیگے ہوئے موسم کا مزا کیوں نہیں لیتے

گانا تو اچھا تھا لیکن کھڑکی کے باہر مناظر دیکھ کر گانا نامناسب لگنے لگا۔ اب آپ ہی بتائیں باہر نہ صرف بارش کی طغیانی تھی بلکہ اس میں تیرتا' بھڑکتا' لچکتا ہوا' بل کھاتا اور پانی کی لہروں کے دوش پر تیرتا کچرا نظر آئے گا تو بندہ بھلا خاک بھیگے ہوئے موسم کا مزا لے گا۔ ہیڈ فون ڈسکنکٹ کر دیا۔ یقین مانیں پہلے پہل تو ہم واقعتاً سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ بھائی اتنا کچرا آتا کہاں سے ہے۔ کیا پورا پاکستان اپنا کچرا کراچی چھوڑ کر جاتا ہے۔ کراچی میں کچرا ہے یا کچرے میں کراچی ہے۔ جا بجا کولڈ ڈرنکس کی خالی بوتلیں شاید سب سے زیادہ کولڈ ڈرنکس کراچی میں پی جاتی ہیں۔ Lay`s کے خالی ریپرز' پتہ نہیں ہم نے تو سنا تھا کہ Lay`s کے ریپرز میں صرف ہوا رہ گئی ہے پھر بھی شاید ہمارے پاس پیسوں کے درخت لگنے شروع ہو گئے جبھی ہم نے Lay`s بھاری مقدار میں خرید رہے ہیں۔ کہیں کہیں ربر کی چپلیں خوف لیے اس پانی میں تہلتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کچھ دور جا کر تو حد ہی ہو گئی تھی۔ نئی نویلی سینڈلوں کی جوڑی بھی ٹائی ٹینک کے روز اور جیک کی جوڑی کی طرح کارٹن بکس کے چھوٹے سے ٹکڑے پر ڈوبتی ابھرتی نظر آ رہی تھی۔

جبکہ ہماری اسٹاف نرس بضد تھیں کہ یہ سینڈلوں کی جوڑی کسی دل جلے مظلوم شوہر نے اپنی بیوی کے ظلم سے بچنے کے لیے 'ان آلاتِ ظلم' کو موقع پا کر پانی میں پھینکا ہے۔ بارش کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ سڑکیں تقریباً ڈوب چکی تھیں اور اب فٹ پاتھ کی طرف یہ بارشی لہریں اٹھ اٹھ کر بڑھ رہی تھیں۔ لگتا تھا کہ عنقریب فٹ پاتھ بھی زیرِ آب آ جائیں گی..... اور..... آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ عائشہ منزل کے قریب پانی کے ریلے نے نہ صرف فٹ پاتھ توڑ پھوڑ کر رکھ دی بلکہ اسے ڈبو بھی دیا اور بے چارے فٹ پاتھ ڈوبتے ڈوبتے اس شعر کے مصداق بن گئے۔

ہم بنے تھے تباہ ہونے کو
تیرا ملنا تو اک بہانہ تھا

واقعی آج کراچی کی ہر نئی تعمیر تباہ ہونے کے لیے بنی ہے شاید' پھر وہ چاہے سڑکیں ہوں فٹ پاتھ ہو فلائی اوورز ہوں بلڈنگیں ہوں یا پل ہوں اس شہر نے سب کو بہت کچھ دیا ہے لیکن ہم اس کے لیے کچھ نہ کر سکے بے چارا کراچی بھی سوچتا ہوگا۔

لفظوں کا اعتبار کر کے
میں نے خود کو تباہ کر لیا

خیر بات ہو رہی تھی بارش اور فٹ پاتھ کی..... کراچی میں دنیا کا 'نمبر ون' اور 'اعلیٰ ترین' نکاسی آب کا نظام موجود ہے۔ اتنا 'بہترین' سسٹم شاید ہی

کہیں پایا جائے۔ بارش کے نتیجے میں جمع ہونے والا پانی' گھنٹوں میں نہیں منٹوں میں نہیں بلکہ تین چار دن بعد آہستہ آہستہ اس نکاسی کے نظام سے نیچے آتا ہے۔ ارے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم دیوانے ہوگئے ہیں بھئی یہ سب ایک وزیر موصوف کہہ رہے تھے۔ ہماری تحقیقات کے مطابق بے چارے بارش کے پانی کا اتنا قصور نہیں ہے جتنا اس نکاسی کے سسٹم کا ہے' پہلے سے ہی کوڑے سے بھرا ہوتا ہے ذرا سی بارش ہوکر گٹر بہہ نکلتے ہیں۔ یعنی بقول شاعر کے......

ہم سے ملنا ہے تو گہرائیوں میں آیئے جناب
لاجواب موتی کناروں پر نہیں ملا کرتے

درحقیقت اس شہر میں شاعر نے ڈھکے چھپے الفاظ کی کارگری سے کراچی کے نکاسی کے سسٹم اور بارش کے پانی کا حال بیان کیا ہے۔ یعنی بارش کے پانی کو اگر فوراً نیچے آنا ہے مطلب جمع نہیں ہونا ہے اور وہ بذریعہ 'جدید ترین' نکاسی آب سے نکل جانا چاہتا ہے تو اسے مزید گہرائیوں میں جانا ہوگا۔ کوڑے اور کچرے کی دبیز تہوں کو چیرتے ہوئے جانا ہوگا (لاحول ولاقوۃ...... کہیں اس شعر کا شاعر ناراض نہ ہوجائے)

یہ تو ہوگئی سسٹم کی بات...... ہم نے ایمبولینس سے کراچی کی عوام کی وہ حرکتیں دیکھی ہیں بارش میں کہ ڈگڈگی پر ناچنے والے بندر بھی کنارے پر بیٹھ کر ان کی حرکتیں دیکھیں تو اپنا سر پھوڑ ڈالیں۔ زیادہ بارش ہوتی ہے تو زیادہ پانی آتا ہے کہ فارمولے پر عمل کرتے ہوئے انڈر پاس پانی سے اتنا بھر چکا تھا کہ عارضی تالاب بلکہ سوئمنگ پول وجود میں آچکا تھا لہٰذا آمدورفت کو لمبا روٹ اختیار کرنا پڑ رہا تھا۔

اور اس 'عظیم الشان' سوئمنگ پول میں بچے بڑے سب ڈبکیاں لگا رہے تھے۔ پہلے پہل تو خیال آیا کہ یہ اولمپکس 2020ء یہاں تو منعقد نہیں ہو رہے ہیں پھر یاد آیا کہ وہ تو کینسل ہوچکے ہیں پھر یہ کیا ہے؟ اچھا یہ تو بغیر ٹکٹ والا سوئمنگ پول ہے جو برساتی مینڈک کی طرح مون سون میں نمودار ہوتا ہے اور عوام یہاں لطف اندوز ہوتی ہے اور پھر سوشل میڈیا پر کلپ بنا کر ویڈیوز وائرل کرتی ہے کہ دیکھیے کراچی میں کیا ہوا ہے کوئی سسٹم صحیح نہیں ہے' پاگلوں' اگر نکاسی کا سسٹم ٹھیک نہیں ہے تو تم نے کیا کچرا صحیح جگہ پھینکا ہے' جہاں دل چاہا کچرا پھینک کر کچرا کنڈی وجود میں لے کر آگئے' کبھی ایک ہوکر ایوان اقتدار میں اپنی آواز پہنچائی نہیں ناں......

لڑتے ہی تو رہے ہو۔ K.E کی بہت غلطیاں ہیں لیکن کنڈا ڈال کر بجلی تو تم نے بھی چوری کی ہے۔

کرپشن تو دونوں ہی جگہ ہے بھائی میرے۔

''ثانیہ...... تم بہر بوٹی کا پوچھ رہی تھی ناں؟'' ہم نے اسٹاف سے پوچھا۔

''جی ڈاکٹر صاحبہ...... یہاں ہوتی ہیں؟''

''ہاں جی بالکل ہوتی ہیں بس تھوڑا بڑے سائز میں ہوتی ہیں اور پانی میں ڈبکیاں لیتی پھرتی ہیں۔'' ہم نے اطمینان سے جواب دیا۔

''کہاں ہے دکھائیں......'' وہ بے چینی سے بولی۔ جواباً ہم نے باہر انڈر پاس کی طرف اشارہ کردیا جہاں لال گلابی نیکروں میں ملبوس بچے اور بڑے غوطہ خوری کی پریکٹس کررہے تھے۔ ایک لمحے کو تو ثانیہ کو کچھ سمجھ نہ آیا اور پھر جب سمجھ آیا تو منہ بنا کر بیٹھ گئی گویا ہم نے بہر بوٹی کی شان میں گستاخی کردی ہو۔

یقین مانیے۔ دفتروں سے واپس آنے والے اور اسٹوڈنٹس اور دیگر لوگ جن کا کاروبار تھا ان کی واپسی مشکل ہو رہی تھی یہ وہ لوگ تھے جو جان بوجھ کر گھر سے نہیں نکلے تھے لیکن خواتین...... اللہ معافی...... لاک ڈاؤن نیا نیا کھلنے کے بعد عید ختم

ہونے کے بعد بھی تاحال شاپنگ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی زیادہ اسکوٹر والے حضرات کے پیچھے پانی میں شرابور' جوتیاں ایک ہاتھ میں اور دوسرے ہاتھ میں شاپنگ کے تھیلے اٹھائے خواتین بیٹھی تھیں اسکوٹرز بے چاری نصف درجن سے زیادہ ڈوبی ہوئی تھیں اور خاتون خود کو سنبھالنے کے بجائے شاپنگ بیگز سنبھال رہی تھیں مبادا کہیں گر کر پانی میں کھو نہ جائے۔ غرض اس دن کراچی کا آوا کا آوا بگڑا ہوا تھا اور پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ جلد ہی نظام صحیح نہ کیا گیا تو آئندہ بارشوں میں کراچی یہ کہتا ہوا نظر آئے گا۔

مجھ سے کیا ڈوبنے والوں کا پتہ پوچھتے ہو
میں سمندر کا حوالہ نہ کنارے کی مثال

ویسے بھی یہاں بارشوں میں اتنا پانی آتا ہے اتنا پانی ہے کہ پاکستان سمندر کے متعلق بنا کچھ خرچ کیے کوئی فلم بنا سکتا ہے۔ فلم 'ٹائی ٹینک' کے ڈائریکٹر جیمز کیمرون نے خواہ مخواہ پیسہ خرچ کیا۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ اپنی فلم یہاں کراچی میں فلم بند کرتا تو اس کے پیسے بچ جاتے۔ صرف مون سون کا انتظار کرنا تھا اور نہ سیٹ تو بنا بنایا ملنا تھا۔

اب یہ بات اور ہے کہ فلم میں کئی کئی ری ٹیک ہوئے تھے اور پانی کی سطح کو خاص مشینری سے کم زیادہ لیول پر کیا گیا تھا تاہم یہاں صرف یہی سہولت میسر نہیں تھی اور ٹائی ٹینک کے آخری سین میں جہاں روز لکڑی کے تختے پر ہوتی ہے اور جیک پانی میں یہ سین اگر یہاں پکچرائز ہوتا تو جیک بھائی صاحب کو ڈوبنا ڈیفنس میں تھا اور ان کی لاش کو ملیر ندی سے نکلنا تھا رہ گئی روز بہن تو وہ تختے سمیت گجر نالہ میں 'مائی ہارٹ ول گو آن' کہتی کٹی پہاڑی کے دوسری طرف جا نکلتی۔ راستے بھر دعائیں کرتے ہوئے خیر و عافیت سے گھر پہنچ گئے۔

راستے بھر جو بارش کی روداد دیکھی وہ اتنی زیادہ ہے جو یہاں احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔ بس کچھ باتوں کو نوٹ کیا جو لگ بھگ کراچی میں بارشوں میں ضروری ہوتی ہیں۔

دوران برسات نہ سڑک کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی فٹ پاتھوں کا گویا ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے والا معاملہ ہوتا ہے۔

کتے ضرور پانی میں اٹھکیلیاں کرتے ہیں شاید ہم سب کو اپنا رشتہ دار سمجھنے کی غلطی کر بیٹھتے ہیں۔

فلیٹوں کی کھڑکیوں اور گھروں کی بالکونیوں سے لٹک لٹک کر سامنے روڈ کے ٹریفک ویڈیو بنا کر اور مکمل لعن طعن کے ساتھ سوشل میڈیا پر وائرل کی جاتی ہیں۔

ہمارے یہاں بجلی دوران برسات نہیں بلکہ بعد از برسات جاتی ہے۔

ٹک ٹاک پر دو ٹکے والے عاشق برسات میں برساتی مینڈکوں کی طرح ویڈیوز بنا کر ضرور اپ لوڈ کریں گے۔

اور..... اب اس سے زیادہ نہ ہی لکھ سکتے ہیں اور نہ ہی یاد ہے۔ اگر یاد ہے تو بس اتنا کہ گھر میں قدم رکھنے کے بعد بارش تھم چکی تھی اور لائٹ بھی جا چکی تھی نامعلوم مدت کے لیے اماں جی ہمارے ہاتھ میں چائے کا بھاپ اڑاتا ہوا کپ تھما گئی تھیں اور ہم بھی دوسروں کی طرح بے حس ہو کر موسم انجوائے کرنے لگے۔ کھڑکی کے پاس' چائے کا کپ ہاتھ میں اٹھائے۔

میری بات مانو
تلخیاں پینا چھوڑو
اس بارش کے موسم میں
آؤ مل کر چائے پیتے ہیں

جہلم سے بھیجی گئی دلچسپ تحریر

چڑ چڑی بڑھیا

ایک بد دماغ بڑھیا اور شرارتی بڈھے کی
نوک جھوک کی دلچسپ داستان.....

قاری عثمان غنی

چیڈ اس وقت اپنے نسلی کتے سوپر کو نہلانے میں مصروف تھا۔ سوپر دیکھنے میں بے ضرر اور بھولا بھالا سفید رنگ کا پستہ قد جانور تھا۔ اُس کے لمبے لمبے فر جیسے بال زمین کو چھوتے تھے۔ چیڈ اس کے خوب ناز اٹھاتا۔ وہ اس کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھتے ہوئے ہر دو روز بعد اُسے مہنگے خوشبو دار شیمپو سے نہلاتا اور دانتوں کی صفائی کرنے کے لیے بھی بلاناغہ اہتمام کرتا۔

سوپر کو کھانے میں ہر وہ شے مرغوب تھی جو کسی امیر زادے کی پسند ہو سکتی ہے۔ خود چیڈ سیاہ فام تھا۔ سر کی جلد میں چپکے گول گول چھلوں سے بال گویا اُون کتر کر گوند سے جوڑ دی گئی ہو۔ موٹے سیاہی مائل لکیر زدہ ہونٹ میچی میچی سی آنکھیں جن سے طراری جھلکتی تھی۔ البتہ ہر کالے کی طرح دانت کافی گورے تھے۔

وہ جب کبھی صبح کی سیر کی غرض سے سوپر کے ہمراہ قریبی پارک کا رخ کرتا تو برابر والے گھر کی آنٹی مارگریٹ منہ دبا دبا کر ہنستی۔ وہ اکثر اپنی سہیلیوں کے ساتھ برملا چیڈ کا مذاق اڑایا کرتیں۔

''مالک سے تو کتا گورا ہے۔''

''معاف کرنا چیڈ کوئی اپنے جیسا کتا پالو.....''

اور کبھی اُس کے روبرو کھڑی ہو کر متنفر ہوتی۔

''چیڈ تم سوپر کو کس برانڈ کی کریم استعمال کرواتے ہو؟'' اُس لمحے چیڈ کا جی چاہتا وہ اس شرارتی بڑھیا کی گردن کے گرد لپٹے سرخ مفلر سے اس کا گلا گھونٹ دے۔ مگر وہ بس دانت کچکچانے پر قادر تھا۔

کیونکہ آنٹی مارگریٹ کا شمار محلے کی خطرناک حد تک بااثر شخصیات میں ہوتا تھا۔ اُس کا مقابلہ اگر کوئی کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا تو وہ صرف انکل بش تھے۔ آنٹی مارگریٹ اور انکل بش ایک دوسرے کی چڑ تھے۔ یوں تو پورا محلہ مارگریٹ کو آنٹی اور بش کو انکل پکارتا تھا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کو بھی 'انکل آنٹی' ہی سے القاب کرتے۔

اور اس کی وجہ محض ایک دوسرے پر اپنی کم عمری ثابت کر کے چڑانا مقصود تھا۔ حالانکہ وہ کم و بیش ہم

عمر تھے۔ وہ ایک دوسرے سے لڑائی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ چیڈ آنٹی مارگریٹ کا بائیں ہاتھ اور انکل بش دائیں ہاتھ کے پڑوسی تھے۔ آنٹی مارگریٹ کی یوں تو کسی سے بھی نہ بنتی تھی۔ مگر چیڈ اور انکل بش سے اس کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ وہ ان پر خوب جملے کستی..... مصیبت یہ تھی کہ وہ زیادہ مذہبی نہ تھی۔

وہ زیادہ تر کرسمس کو ہی چرچ کا رخ کرتی اور واپس آ کر وہ گرجا گھر میں دعا کروانے والے مقدس باپ کی نقلیں بھی اتارا کرتی۔ مجال ہے اگر وہ کسی پادری یا پاپشپ کو بخش دے۔ ایسی عورت سے بھلائی کی توقع کم از کم چیڈ کو تو نہ تھی۔ جو عورت مذہبی رہنماؤں کو تنقید اور تضحیک کا نشانہ بناتی ہو۔ وہ اس کے نزدیک صرف شر ہی پھیلا سکتی تھی۔ جو وہ خوب پھیلا رہی تھی۔

آئے دن محلے میں غل غپاڑہ اکثر اسی کی وجہ سے ہوتا۔ وہ ساس کو بہو سے اور بہو کو ساس سے، شوہر کو بیوی اور بیوی کو شوہر سے لڑوانے میں ماہر تھی۔ ایک دو طلاقوں کا کریڈٹ بھی اسے جاتا تھا۔ اب جبکہ چیڈ سوپر کو نہلا رہا تھا تو برابر والے مکان سے آنٹی مارگریٹ کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ اپنی بطخوں سے باآواز بلند محو گفتگو تھی۔ جن کی مسلسل 'کیں کیں' کی آوازوں سے محلے والے حد درجہ تنگ تھے اور انہیں برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ چیڈ نے ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔ عین اس لمحے جب وہ سوپر کے بال خشک کر رہا تھا اس کے کانوں میں اپنا نام گونجا۔

"یہ جو چیڈ ہے نا...... اس کا منحوس کتا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا...... شکل سے کیسا معصوم اور اندر سے پورا شیطان...... آفت کا پڑا ہے بدنظرا......" چیڈ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ کیونکہ آنٹی مارگریٹ اپنی بطخوں سے خطاب کر رہی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ چیڈ اور سوپر کی برائیاں کر کے غیبت کی مرتکب ہو رہی تھیں۔ چیڈ نے سیڑھیوں کا رخ کیا اور دیوار کے پار آنٹی مارگریٹ کے صحن میں جھانکا۔ وہ صحن کے بیچوں بیچ بنے پانی کے حوض میں تیرتی بڑی بطخوں کے سامنے ڈبل روٹی کے ٹکڑے پھینکتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔ چونکہ پشت دیوار کی جانب تھی۔ اس لیے وہ چیڈ کے جھانکنے سے بے خبر تھی۔ وہ اپنی اڑنے والی بھاری بھرکم بطخوں سے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"تُو جو چھوٹی والی ہے نہ پپی...... تو بڑی آوارہ ہے یاد ہے ایک مرتبہ تجھے سوپر نے دبوچ لیا تھا۔ عین ممکن تھا کہ وہ تجھے تر نوالہ جان کر ہڈیاں تک چبا لیتا اور ایک پر بھی نہ چھوڑتا مگر شکر کر میں پہنچ گئی ورنہ وہ تجھے کب سے ہضم کر کے ڈکار چکا ہوتا۔"

"اُف کتنی دروغ گو بڑھیا ہے۔" چیڈ کا خون کھول اٹھا اس کی نظروں میں چند ماہ قبل کا واقعہ گھوم گیا جب آنٹی مارگریٹ کی بطخ 'پپی' اُڑ کر دیوار پر بیٹھی اور سیڑھیوں پر ٹھک ٹھک چلتی چیڈ کے صحن میں اتر آئی۔

جہاں سوپر کھیل کود میں مشغول تھا پپی سوپر کے قریب کھڑی ہوگئی۔ غلطی سے سوپر کا پنجہ پپی کے پر پہ جا پڑا۔ نتیجتاً وہ زخمی ہوگئی اور اس نے یہ بدلہ کچھ یوں چکایا کہ اپنی لمبی پیلی چونچ سے ٹھونگیں مار کر سوپر کے سر سے خون نکال دیا۔ اس سے پہلے کہ چیڈ سوپر کی درگت بننے سے بچاتا اس لمحے آنٹی مارگریٹ اپنی بطخ کی تلاش میں سرگرداں گیٹ سے اندر داخل ہوئی اور اپنی طوفانی آمد کے ساتھ ہی کھپ ڈال دی۔ کچن میں اپنے لیے کافی تیار کرتا چیڈ دوڑ کر آیا۔ یہ واضح تھا کہ زیادتی مارگریٹ کی بطخ کر رہی ہے مگر مارگریٹ نے طوفان بدتمیزی برپا کرتے ہوئے سوپر کو لات رسید کر دی۔ وہ اچھل کر دو فٹ پیچھے جا گرا۔ جبکہ مارگریٹ نے لپک کر بطخ کو بازور پر اٹھایا اور عالم طیش میں گویا ہوئی۔

"تم جیسے لونڈوں لفنٹروں کی وجہ سے محلے بھر کا سکون غارت ہے۔ اپنے منحوس کتے کو آداب معاشرت کی تعلیم دو یا پھر پٹہ ڈال کر رکھو اگر میری بطخ کو کچھ ہو جاتا تو؟"

وہ محلّہ داروں کی ہمدردی سمیٹنے کی خاطر جھوٹ موٹ کے آنسو بھی بہانے لگی۔ ظاہر ہے محلّہ داروں نے مارگریٹ کا ساتھ دیا اور چیڈ ممیا کر رہ گیا۔ اسے معذرت کرنا پڑی۔ چیڈ کو اس واقعے کی یاد نے تکلیف سے دوچار کیا۔ وہ بھاگ کر فریج سے کیلا نکال لایا۔ سوپر بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا وہ لوٹا۔

مارگریٹ ابھی تک اپنے بوائے کٹ سنہرے بالوں کا سامنے والا لیف ہلا ہلا کر ہاتھ نچا نچا کر کاندھے اُچکا اُچکا کر بطخوں سے تقریر میں مصروف تھی۔ آنٹی مارگریٹ کے کانوں میں گول دائرے کی شکل والے جھولتے ہلتے بڑے بڑے بندے چیڈ کو اپنا تمسخر اڑاتے محسوس ہوئے۔

"میری پیاری بطخو...... لاڈلی اور شہزادی بطخو...... حاصل کلام ہے کہ اُس منحوس شخص کے منحوس کتے سے بچ کر رہنا...... اور خاص کر پپی تم ہوشیار ہو کر رہنا...... اب میں جاتی ہوں کیونکہ لمبے منہ والی ریٹا کے ہاں پارٹی ہے ہاں ہاں بھئی...... اُس کی چالیسویں سالگرہ کی تقریب میں میں بطور مہمان خصوصی مدعو ہوں سو لباس کی تیاری کرنا ہے اور کچھ مزید......"

وہ یہ کہہ کر مڑی تب تک چیڈ کام کر چکا تھا۔ وہ جونہی اندر کی طرف بڑھی ماربل کے چکنے فرش پر پڑا کیلے کا چھلکا پیر تلے آیا۔

''آؤچ.....'' وہ تکلیف دہ چیخ کے ساتھ رپٹ کر نیچے گری۔ چیڈ دانت نکوستے ہوئے سیڑھیوں سے اترا۔ وہ اپنے معصوم کتے کی بدگوئیوں کا بدلہ لے چکا تھا۔ اس نے جھک کر سوپر کو اٹھایا اور گنگناتا ہوا کمرے میں چل دیا۔ اسے یقین تھا کہ مارگریٹ اپنی دوست ریٹا کی چالیس ویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت کرنے سے معذور ہو جائے گی۔

☆.....☆.....☆

مارگریٹ پاؤں میں پھسلنے کی وجہ سے آنے والی موچ کے باعث ڈیڑھ ہفتہ نظر نہ آئی۔ محلّہ داروں نے یقیناً شکر کیا ہوگا۔ چیڈ نے اس وقت کو خوب لطف اندوزی میں گزارا تھا۔ مگر آج جب وہ موسمی تبدیلی کی وجہ سے سست اور سوپر کو بھی فلو ہونے کے سبب گھر پر آرام کر رہا تھا کہ گلی میں شور سا مچ گیا وہ اس غل کی کھوج لگانے بنیان نیکر میں ہی جمائیاں لیتا گلی میں وارد ہوا۔

انکل بش اور آنٹی مارگریٹ میں دلچسپ جھڑپ ہو رہی تھی۔ چیڈ کو جلد ہی سمجھ آ گئی۔ آنٹی مارگریٹ کا موقف تھا کہ ہفتہ ڈیڑھ قبل انکل بش نے اس کے صحن میں کھیلے کا چھلکا پھینکا جس کے سبب وہ چلنے پھرنے سے معذور رہی اور پیاری سہیلی کی سالگرہ میں شرکت نہ کر سکی۔ جبکہ انکل بش تردید کرتے ہوئے تھک کر آخر کار برہم ہو گئے۔

اس برہمی کا آنٹی مارگریٹ پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔

اگرچہ اس کی ٹانگ میں لڑکھڑاہٹ تھی پھر بھی زبان میں کوئی لکنت نہ تھی۔ چیڈ سینے پر بازو لپیٹے گیٹ کے ستون سے کمر ٹکا کر کھڑا ہو گیا اور ان کی بحث سے محظوظ ہونے لگا۔ انکل بش سلیپنگ سوٹ پہنے ہوئے لال بھبھوکا منہ کیے چیخ کر بولے۔

''میں تمہارے صحن میں چھلکا کیوں کر پھینکوں گا..... خبطی بڑھیا..... یہ سارا محلّہ میری نفیس طبیعت پر شاہد ہے تم اپنے جھوٹ کا پلندا بند کر دو..... میں ایک معزز اور شریف آدمی ہوں..... کوئی بھی مجھ سے اس حرکت کی توقع نہیں کر سکتا۔'' چیڈ نے پیٹ میں گردش کرتے 'ہنسی' کے فواروں کو حلق تک پہنچنے سے بمشکل روکا اور سنجیدہ شکل بنا کر کھڑا رہا یہ بات چیڈ کے مفاد میں تھی کہ آنٹی مارگریٹ کو اس پر شک نہ ہوا تھا۔ وہ گلابی اسکرٹ میں ملبوس ہاتھوں کو 'لڑاکا عورتوں' کے انداز میں پسلیوں کے دائیں بائیں رکھے برف کی طرح سفید بالوں والے انکل بش پر بری طرح چلائی۔ اُس نے اپنی شہادت کی انگلی کو انکل بش کی طرف اٹھایا اور قریب ہو کر اپنی آنکھوں کو میچتے ہوئے ہر لفظ پر زور دے کر بولی۔

''تم بزدل چوہے..... تم نے سارا کھڑاگ کیا ہی اس لیے ہے کہ کوئی تم سے اس بات کی توقع نہ کرے..... اور تمہارا مطلب بھی پورا ہو جائے..... تم دراصل میری کم عمر نظر آنے کی خوبی سے جلتے ہو..... کیونکہ میں کافی چست ہوں..... اور یہ تم نے کیا کہا معزز اور شریف اور تم ..... ہاہاہا.....'' مارگریٹ نے قہقہہ لگا کر تالی بجائی اور محلے کے ہجوم پر نظر ڈالتے ہوئے گویا ہوئی۔

''جو شخص کسی کے گھر میں دن دیہاڑے کیلے کا چھلکا پھینک کر اسے اپاہج بنانے کی کوشش میں کامیابی حاصل کرے..... کیا وہ شخص معزز کہلانے کے لائق ہو سکتا ہے..... تم ہی بتاؤ محلے والو؟'' انکل بش اپنے دبلے پتلے وجود کو چوہے سے تشبیہ دیے جانے پر پیچ و تاب کھا کر بھڑکے اور عینک ناک پر جماتے ہوئے بولے۔

''تم دراصل بوڑھی ہوچکی ہو اسی لیے سٹھیا گئی ہو محلے والے تمہاری اس عادت سے واقف ہیں کہ تمہیں نوٹنکی کرنے کا بہت شوق ہے اور تم تقریر کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ شاید تم خود کو ہیلری کلنٹن سمجھ بیٹھی ہو..... یا پھر چارلی چپلن کا ناکام کردار ادا کرنے کی کوشش میں بالکل تیسرے درجے کی اداکارہ لگ رہی ہو۔ بہتر..... مگر میں تمہیں دیکھ لوں گا عنقریب.....'' انکل بش نے بھنا کر گیٹ بند کرلیا اور آنٹی مارگریٹ باؤلی کتیا کی طرح چیخنے لگی۔

''خبیث بڈھا..... سنکی مردود کہہ رہا تھا..... تم بڈھی ہوگئی ہو مائی فٹ' سٹھیا گئی ہو'' آخر میں آنٹی مارگریٹ نے منہ بگاڑ کر انکل بش کی نقل اتاری۔

''دیکھ لوں گا تمہیں عنقریب.....'' چیڈ کو ہنسی روکنا دوبھر ہوگیا۔ وہ بے وجہ کھانسنے لگا۔

''ہیلری کلنٹن سے تو میں دو تین سال چھوٹی رہی ہوں گی مگر اس بوڑھے سے تو بہت چھوٹی ہوں۔'' وہ گلی میں لنگڑاتی ہوئی کبھی انکل بش کے گیٹ کے سامنے جا کھڑی ہوتی اور کبھی محلّہ داروں سے خطاب کرتی۔

''ڈیڑھ ہفتہ میں نے انگاروں کے بستر پر گزارا ہے ورنہ جی چاہتا تھا اس معزز انسان کا سر پلپلا کردوں۔'' وہ بولتے ہوئے چیڈ کے قریب رکی۔ چیڈ ٹانگوں میں فاصلہ رکھے سر کے پچھلی طرف بازو باندھے کھڑا تھا۔ عین اسی وقت چیڈ کو بڑی زوردار جمائی آئی۔ اس نے منہ کے سامنے ہاتھ دھرنے کا تکلف نہ کیا وہ بھول چکا تھا کہ آنٹی مارگریٹ پاس کھڑی ہے۔ آنٹی مارگریٹ نے خشمگیں نظروں سے اُسے گھورا۔ ناگواری سے ناک کے نتھنوں پر دو انگلیاں رکھیں۔

''تم آداب سے یکسر نابلد انسان ہو۔ اتنا تھوبڑا کھول کر جہنمی ہوائیں خارج کرکے پاکیزہ ماحول کو جراثیم زدہ کرنے میں تمہارا کوئی ثانی نہیں ہے۔''

چیڈ نے فوری طور پر منہ بند کرکے رفو چکر ہونے میں عافیت جانی۔ تھوڑی دیر بعد مارگریٹ بھی بکتی جھکتی مکان میں چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

اصل ہنگامہ آرائی ایک روز بعد وجود میں آئی۔ چیڈ کھانے کی میز پر سوپر کو بٹھائے دلیہ کھلانے میں مشغول تھا۔ سوپر پیٹ کے عارضے میں مبتلا موسمیاتی تبدیلی کا شکار تھا۔ اچانک آنٹی مارگریٹ کی چنگھاڑتی آواز کانوں سے ٹکرائی اور پھر انکل بش کی دھاڑ سنائی دی۔ چیڈ نے سوپر کا منہ نیپکن سے صاف کیا اور گلی میں جادھمکا گلی میں کوئی نہ تھا۔ وہ آوازوں کی سمت پر اندازہ کرتے ہوئے انکل بش کے گھر پہنچا۔

انکل بش سیخ پا کھڑے تھے اور آنٹی مارگریٹ سر پر تنکوں کا ہیٹ جمائے ہمیشہ کی طرح تقریر کررہی تھی۔

''مسٹر بش..... آج تمہاری نفاست پسندی کی قلعی خوب کھل کر سامنے آچکی ہے..... مہذب لوگ تمہارے گھر کے ہال کمرے میں غلاظت ملاحظہ کرچکے ہیں..... مجھے قوی امید ہے کہ اب تم محلّہ داروں کو روزانہ ہر دو گھنٹے بعد گلی کی صفائی پر مامور کرنے سے باز رہوگے۔''

''خدا کی پناہ صفائی پسند ہونا اچھی عادت ہے مگر ایسا بھی نہیں کہ تم ہر دو گھنٹے بعد شریف لوگوں کے آرام میں خلل انداز ہوتے رہو۔ خیر اصلیت سامنے آگئی۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں مہذب لوگو؟'' آنٹی مارگریٹ نے تائید چاہی۔ محلے دار خواتین جو انکل بش کی حد سے بڑھی صفائی پسندی کے ہاتھوں زچ

تھیں انہوں نے فوری تائید کی انکل بش نے دانت پیسے۔

''محترمہ مارگریٹ برائن..... اگر آپ شوق خطابت پورا کر چکیں تو مہذب لوگوں کو یہ اطلاع بھی کر دیں کہ میرے ہال کمرے کا قالین آپ کی لاڈلی بطخوں نے اپنی 'ہری مٹیالی کالی پیلی' بیٹوں سے غلیظ کر دیا ہے آپ کی لاف زنی بے حقیقت ہے کیونکہ محلے کی چند ایک کام چور اور تساہل پسند خواتین کے علاوہ تمام معزز لوگ میری صاف گوئی اور نفاست پسندی سے آگاہ ہیں۔'' آنٹی مارگریٹ نے ماہر وکیل کی طرح جرح جاری رکھی۔

''انکل بش ..... آپ ناحق میری بطخوں کی شفافیت کو مشکوک کرنے پر تلے ہیں۔ وہ بہت سیدھی سادی ہیں..... مہذب لوگ یقیناً یہ جاننا چاہیں گے کہ آخر پنجرے میں قید بطخیں خود بخود آزاد ہو کر تمہارے گھر کیسے پہنچیں..... نیز ہال کمرے میں گھس کر قالین کو کیوں کر بدبودار کر دیا؟'' انکل بش کا ضبط جواب دے گیا۔

''آنٹی مارگریٹ..... کیا قالین پر موجود بیٹوں کے نمونے ثبوت کے لیے ناکافی ہیں جبکہ تمہارے علاوہ محلے بھر میں کسی نے مرغی تک نہیں پال رکھی..... تم باتونی بڑھیا جوش خطابت میں حقیقت کو چھپانا چاہتی ہو..... اصول تو یہ ہے کہ شرفاء کا طریقہ اپناتے ہوئے معذرت کرو اور قالین بھی دھو کر واپس کر دو۔''

آنٹی مارگریٹ کا منہ احساسِ توہین سے سرخ ہو گیا۔

''چڑچڑے بابے..... حقیقتاً تم عزت سے مخاطب کیے جانے کے قابل نہیں ہو۔ بہت ممکن ہے تم نے یہ گند خود مچایا ہو۔ تمہارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے..... البتہ میرے پاس ثبوت ہے مہذب لوگ جانتے ہیں تم نے ایک روز پہلے مجھے برے نتائج کی دھمکی دی تھی۔ تم چوہے کی طرح شکنجے میں جکڑ کر تڑپتے رہو یا دم مارتے رہو۔ کوئی تمہاری بات کا یقین نہیں کرے گا۔''

''اپنی بات کی گرفت میں آنا بالضرور اسی کو کہتے ہیں..... لہٰذا اب تم بغلیں جھانکنے کا کام کرو۔'' انکل بش کی بے بسی عروج پر تھی۔ مگر عین وقت پر وہ لیک کر کاؤچ کے نیچے پڑا چھوٹا سا سفید نرم بالوں کا گچھا برآمد کر لائے۔

''یہ دیکھو ثبوت..... یہ نرم گچھا اصل میں تمہاری بطخوں کے پروں سے نکلے بال ہیں..... تم الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مقولے پر پوری طرح عمل پیرا کم از کم اب نہیں ہو سکتی واضح ہوا کہ تم اپنی بطخوں کے ذریعے شرفاء کو تنگ کرنا معمول بنا چکی ہو۔ اس روز بھی تم نے مجھے رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور آج بھی تم میری صاف گوئی کو داغدار کرنے پر کمربستہ ہو۔ تاہم یہ واقعہ میری سچائی کی روشن دلیل ہے تم قالین اٹھاؤ اور مجھے دھو کر واپس کر دو۔''

آنٹی مارگریٹ کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے پریشانی اور شرمندگی نمودار ہوئی مگر وہ کچھ دیر تک سنبھل گئی اور چیخ کر بولی۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ.....'' انکل بش نے قطع کلامی کرتے ہوئے زور سے کہا۔

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں یہ بیٹیں اور پر کیوں اور کہاں سے اکٹھا کر کے اپنے گھر میں گندگی کا انبار لگاؤں گا؟'' آنٹی مارگریٹ نے ڈھٹائی سے شانے اچکائے۔

''میں کیا جانوں..... تم مجھے بدنام کرنے کی خاطر شاید اس حد تک بھی گر سکتے ہو۔'' انکل بش نے تلملا کر ڈھیلی پینٹ کے بیلٹ کو دوبارہ کسا۔

''تم بہت نوسر باز عورت ہو..... اس عمر میں بھی تمہارا بچپنا نہیں گیا..... تم سب جانتی ہو۔'' آنٹی مارگریٹ' انکل بش کے قریب ہو کر بولی۔

''میں کچھ نہیں جانتی..... تم میرے ساتھ چل کر دیکھ سکتے ہو بطخیں پنجرے میں بند ہیں..... تم خواہ مخواہ ضد پر مصر ہو..... مجھے اور میری بطخوں کو بدنام کرنے میں تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور ہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت تم کہاں تھے جب میری بطخیں قالین پر گند پھیلا رہی تھیں۔''

''میں اپنے کمرے میں خبریں سنتے ہوئے اونگھ گیا تھا میں نہیں جانتا تمہاری لاڈلیوں نے کب ہلا بول دیا؟''

''حد ہوگئی بطخوں کی 'کیں کیں' میں تم کیسے اونگھ گئے حالانکہ تم ہمیشہ شکوہ کناں رہتے ہو کہ یہ میری بطخیں تمہاری نیند میں مخل ہوتی ہیں تب تو وہ اپنے ٹھکانے پر موجود ہوتی ہیں۔'' وہ مزید بولی۔

''تم عقل کا استعمال کرو اور سوچو بطخیں..... پنجرے کا دروازہ کھول کر ہال کمرے کے بند دروازے سے اندر کیسے داخل ہوئیں..... آخر کار وہ بطخیں ہیں ہوائی مخلوق یا جاسوسی سیریز کا تربیت یافتہ کردار نہیں.....''

''تم بطخوں کے پنجرے کا دروازہ جان بوجھ کر کھلا بھی تو چھوڑ سکتی ہو اور ممکن ہے تم چپکے سے خود ہی بطخوں کو یہاں فارغ کروا کر لے گئی ہو۔'' انکل بش کے چہرے پر سوچ کے آثار تھے لیکن سوئی مارگریٹ پر ٹکی تھی۔ البتہ انداز میں پہلے والی گرمی مفقود تھی۔ انکل بش کی غیر مدلل قیاس آرائی پر آنٹی مارگریٹ جز بز ہوگئی۔

''تم دراصل احمق اور بیوقوف بوڑھے ہو تم عقل نامی کسی شے کے وجود پر اعتبار نہیں رکھتے جبھی عقلی توجیہات کی بجائے جارج اول کے زمانے کی بوڑھیوں کی طرح قیافے لگاتے رہتے ہو' خدارا باریک بینی سے جائزہ لو..... کیونکہ یہ طے ہے کہ میری بطخوں کی رفع حاجت کے لیے بہرحال تمہارے گھسے پٹے قالین سے بہتر جگہ موجود ہے..... اور اگر مزید کچھ برا نہیں چاہتے تو اپنی چونچ کو بند رکھنا'' وہ تن فن کرتی چلی گئی اور انکل بش کھسیا کر بھڑاس نکالنے لگے۔

''بوڑھی گھوڑی لال لگام..... ہری طوطی..... دو ٹکے کی بڑھیا.....''

انکل بش کے طرفداران کی دل جوئی کر رہے تھے۔ جن میں چیڈ بھی شامل تھا پھر ایک شام محلے میں 'ہاہا کار' مچ گئی۔ آنٹی مارگریٹ نے چیڈ کے گیٹ سے سر اندر کر کے پریشان چہرے سے فکرمندی کے ساتھ آواز لگائی۔

''اوکالے..... تم نے میری بطخ کو تو نہیں دیکھا؟'' چیڈ کے ہاتھوں میں شام کا اخبار تھا اس نے اخبار میز پر رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''جی نہیں آنٹی۔''

اس کے کچھ دیر بعد گرجا گھر میں اعلان ہوا۔

''خواتین و حضرات محلے کی معزز خاتون آنٹی مارگریٹ برائن کی پالتو بطخ پپی لاپتہ ہوگئی ہے بطخ کے پَر سرخ رنگ سے رنگے گئے ہیں اگر کسی کو بطخ ملے تو وہ آنٹی مارگریٹ برائن کی رہائش گاہ پر پہنچا دے۔''

چیڈ نے بھی یہ اعلان سنا اور ہنس دیا۔ اگلی صبح اور بھی قیامت خیز تھی کیونکہ پپی تو نہ مل سکی مگر باقی کی بطخیں بھی غائب ہوگئیں۔ یہ بڑی تشویشناک صورت حال تھی۔ اب تو چیڈ بھی سنجیدہ ہوگیا۔ اگرچہ اسے مارگریٹ کی حالت مزہ دے رہی تھی۔ پھر بھی وہ فطری نرم دلی کے تحت پشیمان ہوا تھا۔

اور آنٹی مارگریٹ کا گھر چلا آیا جہاں آنٹی کو پرسہ دینے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا ہر کوئی اسے مختلف مشوروں سے نوازنے لگا۔ چیڈ کو اندازہ تھا کہ آنٹی مارگریٹ کی بطخوں کے لاپتہ ہونے سے اکثر لوگ من ہی من میں خوش ہوں گے۔ وہ خاموشی سے

رونی صورت بنائے کھڑا تھا۔ آنٹی مارگریٹ 'سیاہ اسکرٹ' میں غم کی تصویر بنی رو رو کر نڈھال ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ٹشو پیپر کے ساتھ نزاکت سے ناک صاف کرتی اس کی سہیلی ریٹا اس کے قریب بیٹھی تسلیاں دے رہی تھی۔

''اوسوئٹی..... رو رو کر تم نے اپنا حال خراب کرلیا ہے..... تم پریشان نہ ہو خداوند سے دعا کرو سب ٹھیک ہو جائے گا..... ہم بطخوں کی تلاش جاری رکھیں گے وہ ضرور مل جائیں گی۔'' آنٹی مارگریٹ نے دلگرفتگی سے کہا۔

''پہلے تو میری ایک بطخ گم ہوئی اگر ملنا ہوتا تو وہ بھی مل جاتی۔ جانے کون خبیث یہ ہاتھ کر گیا..... نہ جانے میری لاڈلیوں نے کچھ کھایا پیا بھی ہوگا کہ نہیں..... چھوٹے والی پپی تو ابھی سب سیکھ رہی تھی..... او خداوند.....'' پھر وہ کچھ رک کر ذہین پر زور دیتے ہوئے بولی۔

''ہو نہ ہو یہ کام انکل بش کا ہے۔ میں ضرور ایف آئی آر کٹواؤں گی۔''

چیڈ نے گردن گھما کر ہجوم کا جائزہ لیا محلے کے تقریباً سب لوگ جمع تھے۔ صرف انکل بش غیر حاضر تھے۔ محلے کے چند افراد جن میں لارا' ایڈوف' ہارڈی اور تھامس شامل تھے انہوں نے مارگریٹ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ تاہم چیڈ کچھ سوچ کر گلا کھنکارتے ہوئے بولا۔

''آہم..... معزز خاتون..... اگر آپ میری تجویز پر عمل کریں تو کچھ عرض کروں؟'' ممکن تھا کہ آنٹی مارگریٹ اس پر برس پڑتی وہ دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر اُسے پُرسکون رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے لب کشا ہوا۔

''حوصلہ..... مادام آپ پہلے میری بات سن لیں..... عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔''

ریٹا نے مارگریٹ کا شانہ دبا کر کہا۔

''سوئٹی..... تم پہلے اس لڑکے کی تجویز سن لو' یہ ٹھیک کہہ رہا ہے ہوسکتا ہے کوئی کارآمد حال سامنے آجائے۔''

مارگریٹ نے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں اُسے تجویز پیش کرنے کا عندیہ دیا۔

''بکو..... اگرچہ مجھے تم سے کسی کارآمد حل کی توقع نہیں ہے..... بلکہ عین ممکن ہے میری بطخوں کو تم نے اغواء کروایا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یاد رکھنا میں تمہیں اس قصور پر ہرگز معاف نہیں کروں گی۔''

چیڈ نے خود کو مشتعل ہونے سے روکا۔

''معزز خاتون آپ مجھے اس سنگین جرم سے بری پائیں گی..... بہتر..... میں تو صرف یہ چاہ رہا تھا کہ کیوں نہ بطخوں کے ساتھ آپ کے تصویری اشتہار گمشدگی کی اطلاع درج کر کے چھاپ دیے جائیں اور بطخوں کی بازیابی کرنے والے کے لیے انعام کا اعلان بھی کیا جائے اور یہ اشتہار اخباروں اور ٹی وی پر بھی چلایا جائے نیز تصویری اشتہار قصبے کے ہر بازار میں چسپاں کیا جائے تاکہ ہم پولیس کی مداخلت کے بغیر معاملہ خود حل کرلیں..... اور.....''

آنٹی مارگریٹ نے تنفر سے چیڈ کی بات کاٹی اور ہونٹوں کو گول کر کے بولی۔

''اوہ تم تو بڑی دور کی کوڑی لائے..... واقعتاً یہ عمدہ حل..... تمہارے اعلیٰ دماغ میں ہی آسکتا تھا۔ ہم تو ویسے بھی کند ذہن لوگ ہیں۔ اگر ایسے بطخوں کی واپسی ممکن ہوتی تو ضرور پپی کل گھر پر موجود ہوتی۔ نہ کہ پورا پنجرا ہی غائب ہوا جاتا ہو نہہ آیا بڑا آئن اسٹائن.....'' یہاں پر ریٹا نے چیڈ کی حمایت کردی۔

''ارے سوئٹی پہلے تو محض گرجا گھر میں اعلان ہوا تھا شاید وہ کوئی چرچ سے سن کر سمجھ بھی پایا ہوگا کہ نہیں..... جبکہ قصبے کے مشہور چوراہوں پر چسپاں

تصویری اشتہار تو سب ہی دیکھیں گے.....لڑکے کی بات پشت کے پیچھے ڈالنے والی نہیں ہے ہاں اگر کچھ سراغ نہ مل سکا تو پھر تم مقدمہ کر سکتی ہو...... مجھے کوئی اختلاف نہ ہوگا۔“

اور بات آنٹی مارگریٹ کے دماغ میں آ گئی۔ پھر آنٹی مارگریٹ کے موبائل سے بطخوں کے ہمراہ لی گئی سیلفی منتخب کر لی گئی۔ قصبے کے مرکزی چوراہوں پر تصویری اشتہار چسپاں کرنے میں چیڈ نے اپنی خدمات پیش کیں۔ ان کے اپنے محلے میں یہ تصویری اشتہار انکل بش کے مکان کی دیوار پر لگایا گیا تھا۔

☆......☆......☆

اگلے روز انکل بش لوٹ آئے۔ انہوں نے اپنے مکان کی دیوار پر چسپاں تصویری اشتہار کو غور سے دیکھا۔ جہاں نو بطخوں کے درمیان آنٹی مارگریٹ سرخ اسکرٹ میں ملبوس ہو کر دسویں بطخ پپی کو بازو پر اٹھائے وکٹری کا نشان بنائے کھڑی تھی۔ اور سر پر تنکوں والا مخصوص ہیٹ دھرا تھا۔ تصویر کے نیچے یہ عبارت درج تھی۔

”معزز خاتون آنٹی مارگریٹ کی دس بطخوں کا سراغ لگانے والے کو 50 ڈالر انعام انکل بش نے غصے میں بل کھاتے ہوئے اشتہار کو نوچ کر دیوار سے اتارا اور پھاڑ کر گلی میں پڑے ڈسٹ بن کی نذر کر دیا۔ اُسی لمحے آنٹی مارگریٹ اپنے گھر سے نکلی اور سامنے انکل بش کو پا کر ہونٹ سکیڑے۔

”اوہ......خوش آمدید......“ وہ ابھی تک اپنے تصویری اشتہار کے پھاڑے جانے سے بے خبر تھی۔ انکل بش آندھی کی رفتار سے آنٹی مارگریٹ کے روبرو آئے اور ہموار لہجے میں بولے۔

”شکریہ...... سنا ہے آنٹی آپ کی بطخیں گم ہوگئیں۔ مجھے اس کا بہر حال افسوس ہے۔ لیکن میں اپنے مکان کی دیوار کو اشتہارات کے لیے وقف نہیں کر سکتا۔ معاف کرنا میں نے تمہارا تصویری اشتہار ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا ہے۔ یوں بھی میری دو روز کی غیر موجودگی میں کسی نے گلی کو صاف کرنے کا اہتمام نہیں کیا تو ردی کی ٹوکری کچھ کھانے کو مانگ رہی تھی۔“

”میں نے مناسب سمجھا کہ اس کی بھوک مٹا دوں تم چاہو تو اپنا اشتہار نکال کر گوند سے سے جوڑ سکتی ہو اور اسے میرے مکان کے علاوہ جہاں مرضی چپکا دینا......مہربانی۔“

”کیا......“ آنٹی مارگریٹ صدمے کے زیر اثر تڑپ کے بولی۔

”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“

”میں ایسا کر چکا ہوں...... جاؤ شاباش دیکھو آگے جا کر......“ انکل بش نے اطمینان سے کوڑا دان کی طرف اشارہ کیا۔ آنٹی مارگریٹ جنونی انداز میں کوڑا دان کی طرف لپکی اور پھر ناک کے نتھنوں کو پھلاتے ہوئے پھنکاری۔

”تم اخلاق سے عاری بوڑھے ہو، تم نہیں جانتے کہ انسانیت کس چڑیا کا نام ہے تمہاری ہمت کیسے ہوئی اشتہار کو کوڑا دان میں ڈالنے کی۔“

”جیسے تمہاری ہمت ہوئی اس اشتہار کو دیوار پر چپکانے کی۔“ انکل بش نے اسی انداز میں جواب دیا۔

”اس سے تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ میری بطخوں کی گمشدگی میں تم ملوث ہو۔“

”تمہاری مرضی ہے جو چاہے مطلب نکالتی پھرو میرا مطلب تو یہ ہے کہ میں 50 ڈالر کی خاطر بطخوں کا اغوا کار بننے سے بہتر خودکشی کو ترجیح دوں گا۔ بوڑھی عورت میرے پاس زندگی کے گزارنے کے لیے خرچ کے نام پر اپنی دولت کافی ہے۔ مجھے تمہارے چندے کی ضرورت نہیں جس کو ضرورت ہوگی وہ ضرور تمہیں بطخوں کی وصولیابی کر دے گا۔“

یہ کہہ کر انکل بش نے گیٹ کا تالا کھولا اور مکان میں جا کر دروازہ بند کرلیا۔ آنٹی مارگریٹ بند دروازے کو گھور کر رہ گئی۔

☆.....☆.....☆

آنٹی مارگریٹ اونچی آواز میں بھبک بھبک کر رو رہی تھی۔ پورا محلّہ اس کے غم میں شریک تھا اور انکل بش بھی محلّہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے بادل نخواستہ سہی مارگریٹ کے گھر موجود تھے۔ سامنے والے گھر کی جینا نے ناک بھوں چڑھا کر خود کو آنٹی مارگریٹ کا ہمدرد ثابت کیا اور ایک سانس میں بولی۔

''اوہ آنٹی..... یقیناً یہ بہت بڑا سانحہ ہے مجھے بہت تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ ایسا کرنے والا بہت سنگدل انسان تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کو بہت سزا ملنی چاہیے۔ بے زبان کے ساتھ یہ سلوک رکھنا بہت سخت گناہ ہے۔ آپ نے مقدمہ کرنے میں بہت دیر لگادی۔ جبکہ بہت پہلے آپ کو کوئی عملی قدم سختی سے اٹھانا چاہیے تھا۔ بہت سارے اشتہار چلا دینے سے کیا ہوگا۔ آخر بہت سے لوگ.....'' وہ مزید بولنے پر بھی تیار تھی اگر انکل بش بات کو اُچک نہ لیتے۔

''آخر بہت سے لوگ تمہارے خاموش ہوجانے کے شدت سے منتظر ہوں گے۔ کیونکہ تم بہت بول چکیں..... اب بہت مہربانی کر کے چپ کر جاؤ تاکہ ہم بہت غور کرسکیں..... اور ان خاتون کے بہت بڑے غم کو دور کرنے میں مدد کریں۔'' انکل بش نے شاید موقع کی نزاکت کے پیش نظر مارگریٹ کو آنٹی کہنے سے گریز کیا۔ وہ جینا کی 'بہت' 'بہت' والی گردان سے تنگ آچکے تھے اور یہ بھی اتفاق تھا کہ جینا اُن کی صفائی پسندی والی عادت کے ہاتھوں زچ ہونے والی صف اول کی تساہل پسند عورت تھی۔ اس لیے دونوں ایک دوسرے سے خار کھاتے تھے۔

''انکل میں آپ کا احترام کرتی ہوں کیونکہ آپ میرے بزرگ ہیں۔'' وہ کاٹتے ہوئے انداز میں بولی۔

''بہت لاجواب..... میں بہت ممنون احسان ہوں۔'' انکل بش کے طنزیہ لہجے پر وہ چپ کر گئی۔ ریٹا نے میز پر پڑے کوریئر سروس سے موصول شدہ درمیانے سائز کے ڈبے کو دوبارہ کھولا۔ اس ڈبے میں آنٹی مارگریٹ کی چھوٹی بطخ مردہ حالت میں بند تھی۔ ڈبے کے اوپر درج تھا۔

''تمہاری لاڈلی پپی.....'' آنٹی مارگریٹ نے کربناک چیخ کے ساتھ ڈبہ بند کردیا۔

''خداوند کے لیے اسے بند رہنے دو..... میں یہ منظر دیکھنے کی سکت نہیں رکھتی۔''

''اگر آپ یہ منظر دیکھنے کی سکت نہیں رکھتیں تو چیڈ سے دریافت کریں آخر اس کے منصوبے پر عمل کے نتیجے میں اُلٹا ردعمل کیوں ہو رہا ہے؟'' یہ آنٹی مارگریٹ کا کزن تھامس تھا۔ چیڈ گڑبڑا کر رہ گیا۔ جبکہ محلے والوں کی نظریں اُسی پر جمی تھیں۔

''ہاں ہاں پوچھو اس سے..... اگر میں مقدمہ دائر کردیتی تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔'' مارگریٹ نے سرخ پڑتی ناک کو ٹشو پیپر سے رگڑا۔

''معزز خاتون.....'' وہ منمنایا لیکن اسے سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ جبھی انکل بش بول پڑے۔

''آنٹی سوری..... محترمہ مارگریٹ برائن صاحبہ..... کسی کی نیت پر شبہ کرنے سے بہتر ہے کہ کام کیا جائے..... آپ نے تصویری اشتہار چھپوا کر ماڈلنگ کا شوق پورا کرلیا بہتر..... اب چونکہ میں دو روز گھر سے غائب رہا تو غالب امکان ہے کہ آپ سب مجھ پر شک کریں، لیکن میں بتانا چاہتا ہوں میری دادی کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی اس لیے میں اپنے آبائی گاؤں گیا ہوا تھا۔ آپ اس پر یقین نہ کریں

تو یہ آپ کی مرضی..... بہرحال اب مقدمہ دائر کروانا ناگزیر ہوگیا ہے۔'' ریٹا نے مزید روشنی ڈالی۔

''ہاں سوئٹی..... اب چونکہ چیڈ کا منصوبہ کارآمد نہیں ہوسکا تو ہمیں پولیس اسٹیشن کا رخ کرنا چاہیے۔ مرنے والی تو مرگئی اب باقیوں کو.....''

ریٹا کا اتنا کہنا تھا کہ آنٹی مارگریٹ نے زور و شور سے آہ وزاری کرنا شروع کردی۔

''مت کہو اسے مردہ..... یہ میرے دل میں زندہ ہے' میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو۔''

''ہونہہ..... سٹھیا گئی ہے بڑھیا..... پاگل عورت بطخوں کے پیچھے اتاؤلی ہورہی ہے۔'' اگرچہ انکل بش کی بڑبڑاہٹ کافی دھیمی تھی۔ لیکن چیڈ اسے سن چکا تھا۔ آنٹی مارگریٹ کا واویلا جاری رہا۔ تب انکل بش چڑ کر بولے۔

''میں انسانی ہمدردی کے تحت یہاں چلا آیا ہوں مگر اس اداکاری کا مزید متحمل نہیں ہوسکتا بھئی جب تک تم چپ نہ کروگی تو کوئی قابل عمل بات ذہن میں کیسے آئے گی اور پھر سچ پوچھو تو یوں روتے ہوئے تم کچھ اور بوڑھی اور مزید بدصورت نظر آنے لگتی ہو' چلتا ہوں۔'' وہ تو چلتے بنے مگر آنٹی مارگریٹ کا رونا دھونا بھی بند ہوگیا۔ اب وہ افسردگی سے کہہ رہی تھی۔

''میری لاڈلی..... دیکھو لوگ میرے غم کو اداکاری قرار دے رہے ہیں..... تم فکر نہ کرو میں تمہارے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لوں گی۔''

پھر سب لوگ آنٹی مارگریٹ کو صبر کی تلقین کرکے چلے گئے البتہ ریٹا رکی رہی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز آنٹی مارگریٹ نے پہلی فرصت میں مقدمہ درج کروادیا۔

مشتبہ لوگوں کی فہرست میں چیڈ اور انکل بش کا نام لکھوایا چند ایک اور.....

مگر آنٹی مارگریٹ کی نظر میں زیادہ اہم چیڈ اور انکل بش تھے۔ باوجود یہ کہ انہوں نے ہر قدم پر مارگریٹ کی اخلاقی اور جذباتی مدد کی تھی۔

مگر وہ ان کو اس فہرست سے خارج کرکے کسی پہلو کو خالی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔

انکل بش نے کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا۔ ہاں چیڈ پریشان تھا۔ کیونکہ اس کے پاس تھانے کچہریوں کے چکر کے لیے نہ تو رقم تھی اور نہ وہ انکل بش کی طرح دوبدو آنٹی مارگریٹ کے مقابل آسکتا تھا۔

پولیس نے انکل بش سے تفتیش کا آغاز کردیا اور اس سلسلے میں انکل بش کے آبائی گاؤں جاکر بیمار دادی سے ملاقات بھی کی۔

تحقیق کے بعد انکل بش بے گناہ ثابت ہوگئے۔ جس پر وہ پھولے نہ سمائے۔ وہ محلے داروں سے کہتے پھرتے۔

''میری صاف گوئی اور بے گناہی پر قانون بھی شاید ہوگیا اور اُس خبطی بڑھیا کی عقل بھی ٹھکانے آگئی ہوگی' اُسے میرا شکرگزار ہونا چاہیے میں اس کے غم میں انسانی ہمدردی کے تحت شریک رہا۔ مگر اس نے میرا نام مشتبہ لوگوں کی فہرست میں ڈلوایا۔ حالانکہ میں چاہتا تو بڑھیا پر ہتک عزت کا دعویٰ اس وقت کرسکتا تھا جب اس نے میرے ہال کمرے میں گند پھیلانے کے لیے بطخوں کو استعمال کیا۔ مگر میں اُس کی طرح گھٹیا نہیں ہوں' میں اُس کی بطخ کا قاتل اور اغوا کاروں کو پکڑنے میں ہر ممکن تعاون کروں گا۔''

محلے والے انکل بش کے معترف ہوگئے۔ چند ایک ابھی بھی اسے مشکوک سمجھتے تھے۔ مگر اسے چنداں پرواہ نہ تھی۔ شامت اعمال تو چیڈ کی آنے والی تھی۔ پولیس کی تفتیش کا دھارا اب چیڈ کی طرف

مبذول ہو چکا تھا اور ایک شام چیڈ کے تہہ خانے سے مردہ بطخیں پولیس نے چھاپہ مار کر برآمد کرلیں۔

پولیس کی چھاپہ مار ٹیم کے ہمراہ آنٹی مارگریٹ بھی تھی۔ شدتِ غم اور حیرانی کی زیادتی سے مارگریٹ کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

''کالے چور..... کالے قاتل.....'' وہ حلق کے بل اتنا زور سے چلائی کہ حلق خشک ہو گیا۔ چیڈ نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز پھنس کر رہ گئی۔

اس کا بس چلتا تو چیڈ کو عدم کا مسافر بنا دیتی مگر اس کے تیور شیرف بھانپ کر بولا۔

''خاتون..... قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی فضول کوشش نہ کریں اب جو کرنا ہے وہ ہم کریں گے۔''

چیڈ کی حالت کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی تھی۔ اور سوپر اپنے مالک کی آزرگی میں برابر کا شریک سر نیہوڑائے بیٹھا تھا۔

''آنٹی یہ سب میں نے نہیں کیا۔'' چیڈ نے کمزور لہجے میں مارگریٹ سے مخاطب ہو کر کہا۔

''تو کیا یہ سب جھوٹ ہے؟'' مارگریٹ نے طنزیہ رویہ اختیار کیا چیڈ ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

مارگریٹ نے ڈبڈبائی نظروں سے بطخوں کی مردہ باقیات کو دیکھا۔ جن سے حشرات چمٹے تھے۔ پھر وہ باہر آ کر زور سے رونے لگی۔

پولیس چیڈ کو لے جا چکی تھی۔ تہہ خانہ سیل ہو چکا تھا سوپر چیڈ کے ساتھ ہی گیا تھا۔ آنٹی مارگریٹ کی آواز پر محلے دار بشمول انکل بش جو گلی میں کھڑے تھے' اندر داخل ہوئے۔ آنٹی مارگریٹ نے رو رو کر سب کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ انکل بش نے افسوس سے سر ہلایا اور گویا ہوئے۔

''محترمہ مارگریٹ برائن..... ہم سب بالخصوص میں اس محلے کا معزز ترین فرد آپ کے غم میں شریک ہیں..... خداوند آپ کو صبر اور پھر صبر کا صلہ دے مگر آپ یوں رونا بند کر دیجیے کیونکہ دہرانے پر معافی چاہتا ہوں اس طرح رونے سے آپ کافی بوڑھی بدمشکل اور خبطی نظر آتی ہیں۔''

''شرارتی بوڑھے..... تم جو مرضی کہہ ڈالو..... آج میں ضرور روؤں گی میری لاڈلی بطخو..... میری شہزادیوں..... جانے کہاں مجھ سے چوک ہو گئی اور تم منحوس کالے چیڈ کا شکار بن گئیں..... اوہ خداوند.....''

انکل بش اور محلے والے جا چکے تھے۔ تاہم آنٹی مارگریٹ اپنی دوست ریٹا کے گلے لگ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے میں مصروف تھی۔

☆.....☆.....☆

پھر تمام اہل محلہ نے ایک دوپہر یہ حیرت ناک منظر دیکھا۔ چیڈ کو باعزت رہائی ملی اور آنٹی مارگریٹ برائن کی سیاہ فام ملازمہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اس وقت کچن میں لگے سنک پر برتن دھونے کے ساتھ کچھ گنگنا رہی تھی۔ آنٹی مارگریٹ نے 'ایں' کہہ کر حیرانی کا اظہار کیا۔

''یہ سب کیا ہے شیرف؟''

''ہمیں چیڈ کے گھر میں موجود تہہ خانے کی تفصیلی از سر نو تلاشی کے دوران یہ تصویری لاکٹ ملا تھا۔'' تفتیشی افسر نے آنٹی مارگریٹ کی طرف لاکٹ بڑھایا۔ جسے دیکھ کر مارگریٹ کے ہوش اور ملازمہ 'لیوی رونالڈ' کے رنگ اڑ گئے۔ آنٹی مارگریٹ نے اپنے چہرے پر صدمے کے زیر اثر دو ہتھڑ مارے۔ پھر منہ چھپا کر رونے لگی۔ لیوی رونالڈ کے ہاتھ سے کپ گر کر زمین بوس ہو چکا تھا۔

سارا محلہ ششدر ہو کر آنٹی مارگریٹ کی تقریر سننے لگا۔

''تم کلموہی..... دو مونہی..... آستین کی

سانپ..... اس طرح وار کرو گی مجھے بالکل اندازہ نہ تھا' میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا آخر..... تم نے میری معصوم بطخوں سے کس بات کا انتقام لیا۔ مہذب لوگو..... ملاحظہ کرو..... پیٹھ میں چھرا گھونپنا شاید اسی کو کہتے ہیں..... اوخداوند..... مجھے کیوں نہ معلوم ہوسکا کہ میری لاڈلیوں کی قاتلہ میری ناک نیچے دندناتی پھر رہی ہے۔'' انکل بش نے بیزار ہوکر آنٹی مارگریٹ کو ٹوکا۔

''تمہیں اس لیے معلوم نہ ہوسکا کیوں کہ تم ناک اونچی رکھنے کی فکر میں آنکھیں کھلی رکھنا بھول گئی تھی..... خدا کی پناہ..... کسی وقت تو خطاب کرنا بھول جایا کرو..... تم آفیسر کے کام میں رخنہ ڈالنے کی بجائے وجوہات جان لو تو یہ اچھا ہوگا۔ بہتر..... آفیسر آپ کارروائی مکمل کرلیں..... اس بڑھیا کے تماشے پر توجہ نہ دیں۔'' آنٹی مارگریٹ کو مرچیں سی لگیں۔

''یہ بوڑھا میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے انہیں ادھیڑنے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ اسے میرے دکھ کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔'' انکل بش نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''میں آخر تمہارے زخموں پر مرہم کیوں رکھنے لگا..... تم کون سا میری شریک زندگی ہو اور میں تمہارے زخم ادھیڑ نہیں رہا..... محترمہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے' میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم پولیس کو ضابطے کی کارروائی کرنے دو۔''

لیوی رونالڈ نے ماتھے پر پڑے اپنے کٹے بالوں کو ہٹایا اور خوف زدہ ہوکر رونے لگی۔ آفیسر نے تفتیش شروع کردی۔ لیوی رونالڈو بہت کمزور نکلی اور جلد ہی پھٹ پڑی۔

''اگر مجھے گرفتار کرنا ہے تو پہلے تھامس کو ہتھکڑیاں لگائیں۔''

''یہ تم کیا بک رہی ہو؟'' آنٹی مارگریٹ نے اس کے منہ سے اپنے کزن کا نام سنا تو اسے پتنگے لگ گئے۔

اس سے پہلے کہ تھامس ہجوم سے نکلتا..... انکل بش نے اسے جکڑ لیا اور آنٹی مارگریٹ سے بولے۔

''اوہ..... بڑھیا تم خدا کے واسطے..... کچھ دیر چپ ہوجاؤ..... لیوی خواہ مخواہ یہ الزام تمہارے کزن پر نہیں دھر سکتی۔'' آفیسر نے مداخلت کرتے ہوئے آنٹی مارگریٹ کو سختی سے چپ کروایا۔

''محترمہ..... ہمیں اپنا کام کرنے دیں یا پھر اپنی ملازمہ کو خود سزا دے لیں۔'' آنٹی مارگریٹ بے عزتی کروا کر چپکی رہ گئی۔ لیوی رونالڈ نے دوبارہ کہا۔

''تھامس نے مجھے شادی کا جھانسہ دے کر یہ جرم کروایا ہے۔''

''یہ جھوٹ ہے۔ میں سفید فام بھلا اس 'کالی بھنگن' سے شادی کیوں کر کروں گا..... کیا میرا دماغ چل گیا ہے' نہیں نہیں ابھی میری عقل قائم ہے۔''

''شٹ اپ.....'' آفیسر چلایا۔

''اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا..... تم پہلے لیوی رونالڈ کو بات مکمل کرنے دو۔'' لیوی رونالڈ نے منتقم نظروں سے تھامس کو دیکھا۔

''لیڈی مارگریٹ میں نے آپ کی پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپا اصل مجرم تھامس ہے اور میں بھی لالچ میں آگئی۔''

''تو کیا تم نے محض بہت سے ڈالرز کے لیے ضمیر گروی رکھ دیا یہ سب بہت شرمناک ہے لیوی رونالڈ..... اب تم دونوں کو بہت.....''

''اوہ گاڈ.....'' انکل بش نے اپنے بال نوچے اور جینا کو قہر بار نظروں سے دیکھا۔

''ارے کوئی اس کی بات مکمل ہونے دے گا؟''

''میں کہہ رہی تھی میں لالچ میں آگئی اور یہ لالچ

ڈالرز کا نہیں..... پیار اور محبت کا تھا۔ میں پیار اور خلوص کو ترسی ہوئی عورت تھی۔ تھامس نے مجھے محبت کا اندھا یقین دلایا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیا۔ اس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کر لیا۔ شادی کے لیے یہ شرط تھی کہ میں لیڈی مارگریٹ کی بطخوں کو قتل کر دوں۔ میں خود بطخوں کی بدبو سے تنگ تھی کیونکہ بطخوں کی بیٹوں والا پنجرہ صاف کرنا میرے فرائض میں شامل نہیں تھا۔''

''مگر لیڈی مارگریٹ مجھے پنجرہ صاف کرنے پر مجبور کرتی اور اضافی کام کا معاوضہ بھی نہیں دیتی تھی۔ ہاں..... میں ایک بار کمزور ضرور پڑی تھی لیکن یہ لمحاتی کیفیت تھی۔ مجھے تھامس کا دکھایا ہوا شادی کا سبز باغ نظر آنے لگا۔''

''ہم بخوبی جانتے تھے کہ آنٹی مارگریٹ' انکل بش اور چیڈ کی ذرا نہیں بنتی تھی۔ اس طرح قتل کا الزام یقیناً چیڈ یا انکل بش پر آتا..... اور ہاں..... انکل بش کے ہال کمرے کا قالین میں نے ہی بطخوں کا کوڑا ڈال کر گندا کیا تھا تاکہ لیڈی مارگریٹ اور محلّہ داروں کی نظر میں یہ مشتبہ قرار پائیں..... ہمارا منصوبہ مکمل تھا کہ انکل بش کو آبائی گاؤں جانا پڑ گیا..... اور مجبوراً مجھے بطخوں کو چیڈ کے گھر کے تہہ خانے میں بند کرنا پڑا۔ یہ کام میرے لیے مشکل نہیں تھا۔''

''لیڈی مارگریٹ فنکشن میں گئی ہوئی تھی..... اور چیڈ گھر کے کمروں کو بغیر تالا لگائے کسی دوست کے ہاں گیا ہوا تھا اور یہ بھی میرے لیے آسان ثابت ہوا کہ سوپر بھی اس کے ساتھ تھا..... سو میں نے بطخوں کا پنجرہ چیڈ کے تہہ خانے میں منتقل کیا اور ان کو آزاد کر دیا پھر چونکہ ان کی مسلسل کیں کیں سے منصوبہ کھل جاتا۔ اس لیے باری باری قتل کرنے کے بجائے ایک بار ہی ان کو تھامس کے مشورے سے زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا اور پھر میں تھامس کے وعدے کے ایفا ہونے کا انتظار کرنے لگی اور انکل بش کے بعد چیڈ کے گرفتار ہونے سے لے کر اب تک کے تمام حالات آپ لوگوں کے سامنے ہیں۔ اگر معافی کی کوئی گنجائش نکلتی ہو تو لیڈی مارگریٹ سے معافی کی درخواست ہے۔'' لیوی رونالڈ کی آواز بھرا گئی۔ ہجوم میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ تھامس کو ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔

وہ آنسو بہاتی مارگریٹ برائن کے پاس رُکا۔

''مارگریٹ میں نے جو کچھ کیا صرف تم کو راہِ راست پر لانے کے لیے کیا۔ کیونکہ تم ہر کسی کو تضحیک کا نشانہ بناتی تھی..... یاد ہے تم نے میرا رشتہ بھی ٹھکرا دیا تھا۔ صرف اس لیے کہ میری ناک لمبی تھی اور تم مجھے بگلے سے تشبیہ دیتی تھی۔ آج جبکہ تم غم زدہ ہو تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ تمہارے مذاق کا نشانہ بننے والوں کے دل پر کیا بیتتی ہوگی۔ خصوصاً چیڈ..... اور لیوی رونالڈ جو سیاہ فام ہونے کی وجہ سے تمہاری تنقید کی زد میں رہتے ہیں..... اور میں لیوی رونالڈ سے معذرت کرتا ہوں میں نے اس کو محبت کے نام پر استعمال کیا۔ لیڈی مارگریٹ کو شاید اندازہ ہو گیا ہو کہ اس کی تلخ کلامیوں اور طنز کی وجہ سے کتنے دل ٹوٹے ہیں۔''

''بہرحال جانوروں پرندوں سے زیادہ انسان محبت کا مستحق ہے۔ میں اقرارِ جرم کرتا ہوں اور لیڈی رونالڈ سے جاتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے بہتر کوئی مل جائے گا تمہارا دل اچھا ہے تم کوئی بوجھ نہ لو.....'' ہجوم کی آنکھیں بھیگ گئیں آنٹی مارگریٹ شرمسار کھڑی تھیں۔ جب آفیسر تھامس کو پولیس وین میں لے جانے کے لیے بڑھا تو مارگریٹ نے کہا۔

''رکو.....''

''اب کوئی نیا سین یاد آ گیا ہے بڑھیا کو۔'' انکل بش نے بدمزہ ہو کر کہا۔

''انکل..... معاف کرنا میں ہر وقت اداکاری کی طرف مائل نہیں ہو سکتی..... میں محض یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں نے لیوی رونالڈ اور تھامس کو یہ جرم معاف کر دیا..... ہاں میری بطخوں کا غم مجھے نہیں بھول سکتا۔ میں ان کی یاد میں بے سہارا جانوروں کے لیے ادارہ کھولوں گی..... اس طرح شاید غم کچھ کم ہو جائے..... مگر میں اب اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں دوں گی۔''

''آفیسر آپ کا بہت شکریہ اگر آپ لیوی رونالڈ کا ڈھیلا ہو کر گر جانے والا لاکٹ برآمد نہ کرتے تو مجھے کبھی اندازہ نہ ہوتا کہ میں نے لوگوں پر کتنے ستم کیے ہیں اور میں کتنی بری ہوں مگر میرا وعدہ ہے میں اب کسی کو مذاق یا تنقید کا نشانہ نہیں بناؤں گی..... میں خاص طور پر لیوی رونالڈ اور چیڈ سے معذرت خواہ ہوں..... پلیز آپ سب مجھے معاف کر دیں۔''

آفیسر رسمی کلمات کہہ کر رخصت ہو گیا۔ جبکہ اہل محلہ آنٹی مارگریٹ کی تبدیلی پر بے حد خوش ہوئے۔ چیڈ نم آنکھوں سے بولا۔

''معزز خاتون..... آپ نے بڑے پن کا ثبوت دیا ہے..... ہمیں آپ سے کوئی شکوہ نہیں رہا اور یقیناً لیوی سمیت تمام لوگ آپ کو معاف کر چکے ہوں گے..... اور میں اس موقع پر اعلان کرتا ہوں کہ میں چیڈ لوئیس لیوی رونالڈ سے شادی کے لیے تیار ہوں اور اسے بھرپور محبت دوں گا۔''

تمام اہل محلہ نے خوش ہو کر 'اوو' کا نعرہ بلند کیا اور چیڈ کو باری باری گلے لگایا۔ تھامس نے آنٹی مارگریٹ کے ہاتھوں کو گرمجوشی سے دبایا۔

''تمہارا بہت شکریہ..... یقیناً تم اب میرے بارے میں سوچو گی۔'' آنٹی مارگریٹ نے رضامند ہو کر سر جھکا دیا۔

''اوو.....'' کی آوازیں دوبارہ بلند ہوئیں انکل بش بھی شاید پہلی بار مسکرائے۔

''دیر آید درست آید..... محترمہ مارگریٹ اور چیڈ کو مبارک فیصلوں پر بہت مبارکباد.....'' جینا کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔ جلدی سے بولی۔

''ہم آنٹی مارگریٹ اور چیڈ کے بیاہ پر بہت خوشی منائیں گے، بہت پٹاخے پھوڑیں گے اور بہت رقص کریں گے۔''

''ہاں ہاں ضرور.....''

☆.....☆.....☆

اس واقعے کے ہفتہ بھر بعد آنٹی مارگریٹ اور تھامس اور لیوی اور چیڈ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

ریٹا ان تمام انتظامات میں پیش پیش تھی۔ انکل بش کے ماتھے کی تیوریاں غائب تھیں اور وہ بات بے بات قہقہے لگا رہے تھے۔ تھامس سے شادی کے مہینہ بعد ایک بطخ چیڈ کی دیوار پر اڑ کر آ بیٹھی اور دس بطخیں پھر سے 'کیں کیں' کرنے لگیں۔

چیڈ سوپر کی ناز برداریوں میں مصروف تھا۔ لیوی چائے کا مگ لیے کرسی پر بیٹھی صبح کا اخبار دیکھ رہی تھی اور بطخوں کی کیں کیں سے انکل بش کی نیند خراب ہو گئی۔ وہ تلملا کر اٹھے۔

''میں اس بوڑھی آنٹی او.....'' انہیں یاد آیا کہ وہ اس انداز تخاطب کو چھوڑنے کا وعدہ کر چکے تھے۔ انہوں نے آہ بھری اور صحن سے اٹھ کر کمرے میں باقی کی نیند پوری کرنے چلے گئے۔

زندگی باہمی اتفاق اور پیار سے جنت بنتی ہے یہ بات سب سمجھ گئے تھے۔

□□.. ....□□

بہاولپور سے بھیجی گئی مسکراتی تحریر

بلیلہ

پرانی گاڑی بھی نئی محبوبہ کی طرح ہوتی ہے وہ بات بات پر نخرے دکھاتی ہے اور ہر گیئر پر ذلیل.....

میمونہ عباسی

البیلا اپنی پرانی گاڑی اپنے دوست رویت کے گیراج آخرکار بیچنے لے ہی آیا۔

''بیچ دے اسے رویت یار۔'' وہ بولا۔

''بہت اچھی حالت میں ہے یار فکر نہ کر ایک دو دن میں اچھے داموں فروخت ہو جائے گی کئی گاہک ہیں اس کے۔'' رویت نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے دل بھر گیا ہے اب تیرا اس سے' یقین نہیں آتا کہ تو اپنی اس لاڈلی کو بیچنے آیا ہے۔'' رویت نے اپنی حیرانگی کا اظہار کیا۔

''وجہ تو بتا.....'' تو البیلا اپنے دکھڑے سنانے لگا۔

''روزانہ صبح صبح اپنے ہاتھوں سے رگڑ رگڑ کر اس کو صاف کرتا ہوں بہت محنت سے چمکاتا ہوں' خوب صفائی ستھرائی کرتا ہوں اس کی' لیکن یہ منحوس ہے باز نہیں آتی تنگ کرنے سے.....اب تو اس پر لمبا سفر کرتے ہوئے بھی دل گھبراتا ہے کہیں خراب نہ ہو جائے بار بار مستریوں کو دکھاتا ہوں' ان کی چھیڑ چھاڑ سے محترمہ بگڑ جاتی ہے پھر کچھ عرصہ چلانے پر خود بخود ٹھیک ہو جاتی ہے۔ مستریوں کو اس کا فالٹ کبھی سمجھ آتا ہے اور کبھی نہیں۔'' البیلا بولتا چلا گیا۔

''شاید کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہے آؤ بیٹھو چائے پیو۔'' رویت نے مسکراتے ہوئے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''میں نے تو کئی مرتبہ تم سے کہا تھا کہ اسے بیچنا چاہو تو کئی لوگوں کی نظر میں ہے تمہاری گاڑی' اچھے پیسے مل جائیں گے تمہیں اس کے' کیونکہ نایاب ہے یہ۔'' رویت نے ستائش بھرے لہجے میں کہا۔

''یار کوئی ایک واقعہ ہو تو بتاؤں' اس کی وجہ سے میرے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے وہ میں ہمیشہ یاد رکھوں گا سب سے پہلی بات تو یہ کہ میری گاڑی اس چمک دمک کے باوجود سڑک پر کسی کو نظر نہیں آتی۔ جیسے کہ یہ کوئی Invisible Car ہو۔ اس کے لیے کوئی گاڑی رکشہ' بس یا موٹر سائیکل

بریک لگانے کو تیار نہیں ہوتا حتیٰ کہ پیدل چلنے والے لوگ بھی نہیں رکتے۔ اس کے آگے سے ایسے خراماں خراماں گزر جاتے ہیں جیسے کہ یہ کوئی نہ نظر آنے والی روح ہو یا کوئی ایسی چیز جس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔'' البیلا چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔

''Very Strange۔'' رویت نے ابرو اچکاتے ہوئے کہا۔

''نظر اتارا کرو اس کی ضرور کسی کی نظر لگ گئی ہوگی۔''

''اب واقعات سنو جو اس کی بدولت رونما ہوئے۔ ایک دن میں نے اس کی پیچھے کی لائٹیں بنوائیں اسی دن پیچھے سے ایک رشہ نے ٹکر مار کر توڑ دیں۔ کچھ دن بعد نئی نمبر پلیٹ لگوائی تو ایک گاڑی نے ایسا مارا کہ نمبر پلیٹ بھی ٹوٹ گئی۔ ایک دن شہر سے باہر جا رہا تھا راستے میں ہیٹ اپ ہوگئی۔ جیسے تیسے شہر واپس آیا۔ مستری کو دکھایا تو وہ ہنسنے لگا بولا۔ پنکھا اُلٹا لگا ہے۔'' رویت کو البیلا کی بے چارگی پر ہنسی آ گئی۔

''ایک اور واقعہ سنو عید پر بیگم اور بچوں کے ساتھ پارک گیا۔ بہت رش تھا سڑک پر ہی میری گاڑی پھنس گئی۔ عورتوں اور بچوں نے بھیڑ میں پھنسنے کا سارا غصہ مس' یعنی میری گاڑی پر اتارا واپسی پر اس کے جگہ جگہ لگے ڈنٹ پر میں کفِ افسوس ملتا رہ گیا اور بیگم سے بولا۔ میں بہت تنگ آ گیا ہوں اس سے' بس سوچتا ہوں اب اسے بیچ کر نئی موٹر سائیکل لے لوں۔ تو وہ بولی سردی' گرمی' دھوپ اور بارش ہر موسم میں ہمیں بچاتی ہے یہ..... بہت کام کی چیز ہے نہ بیچو۔'' البیلا بے بس دکھائی دے رہا تھا۔ پھر بولا۔

''ایک دن بیگم کے ساتھ گھر جا رہا تھا کہ اچانک گڑگڑ کی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ روک کر نیچے اترا دیکھا تو پہیہ پنکچر تھا۔ بیگم پردہ کرتی ہے اس کے وظیفوں کے زور پر ہمت کر کے پہیوں کی دکان تک لے آیا۔ سارا راستہ لوگ عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے ایسا

لگ رہا تھا جیسے کہ میں چاند پر گڑگڑ کی آواز کے ساتھ چاند گاڑی چلا رہا ہوں۔'' رویت کا قہقہہ نکل گیا۔

''یہ بڈھی اب ہر مہینے دس بارہ ہزار کھا جاتی ہے۔ کل ملا کر اس پر میرے دو تین لاکھ تو لگ ہی چکے ہوں گے۔ سیٹوں کے کور' چھت' وائپر' میٹ' بیٹری سب نئے ڈلوائے ہیں میں نے' مجھے تو اس سے بہت پیار تھا لیکن اس نے قدر ہی نہیں کی۔ آگے سن' اس محترمہ کو جب کہیں پارک کرتا ہوں تو کوئی نہ کوئی گاڑی رکشہ یا موٹر سائیکل اس کے آگے یا پیچھے راستہ روک کر ٹھہرا دیا جاتا ہے میں اپنی جگہ کسمسا کر رہ جاتا ہوں کہ یار اب نکلنے کی سبیل کہاں سے لاؤں؟'' البیلا رونسا ہوتے ہوئے بولا' پھر کچھ دیر کے توقف کے بعد گویا ہوا۔

''یار بیگم کہتی ہے اس سواری سے عزت و مرتبہ' وقار اور رتبہ میں اضافہ ہوتا ہے لوگ جھک کر سلام کرتے ہیں لیکن مجھے تو لگتا ہے کہ اس کی وجہ سے میری بے عزتی اور مشکلات میں دن بدن اضافہ ہو جاتا جا رہا ہے۔

یہ میرے لیے کانٹوں کی سیج بن کر رہ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے میں انگاروں پر لوٹتا ہوں پیسہ اس پر پانی کی طرح لگ رہا ہے لگتا ہے یہ بڈھی مجھے زچ کر کے خوش ہوتی ہے گدھی نہ ہو تو۔''

''پریشان نہ ہو میرے بھائی' دیکھنا کل میرے گیراج پر لوگوں کی قطاریں لگی ہوں گی اسے خریدنے کے لیے ہیرا ہے ہیرا تیری یہ گاڑی۔'' رویت نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''تو تو بس اس کی تعریفیں ہی کرتے رہنا کیوں گن گاتا ہے اس بوڑھی گھوڑی لال لگام کے' اس کی خوبصورتی پر مت جا یار ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی جس پر گزرتی ہے وہی جانتا ہے ایک دو دن اسے چلا کر دیکھ لگ پتہ جائے گا۔'' البیلا کے چہرے پر ابھی بھی مایوسی کے سائے لہرا رہے تھے۔

تو اگر کہتا ہے تو ابھی بھی رکھ لیتا ہوں اس کو سال دو سال بعد بیچ دوں گا۔'' وہ ارادہ بدلتے ہوئے بولا۔ رویت سٹپٹاتے ہوئے بولا۔

''نہیں نہیں یار میں تو مذاق کر رہا تھا۔

''بیچ دے اب یہ کسی کام کی نہیں رہی روز روز کی خواری سے تو بچ جائے گا تو۔'' رویت نے اپنی تعریف کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

''تجھے نہیں لگتا یار کہ اس پر کوئی اثرات ہیں دو واقعات اور تجھے سناتا ہوں اس کی بدولت پچھلے ہفتے میں اپنے بیٹے کا کے کا یونیفارم لینے نکلا سیدھا جا رہا تھا چوک پر ٹریفک پولیس کے دو بندوں نے مجھے روک لیا کہنے لگے آپ گاڑی بہت تیز چلا رہے ہیں مجھے کچھ سجھائی نہ دیا تو خیال آیا کچھ دنوں سے دائیں آنکھ پھڑک رہی ہے اس کا بہانہ بنالوں میں نے کہا کہ اس آنکھ سے دکھائی نہیں دے رہا شاید اس لیے تیز رفتاری پر دھیان نہیں گیا۔ معاف کر دیں۔''

ٹریفک پولیس والے نے معذرت کرتے ہوئے مجھے جانے دیا۔

''واہ یار تیرا Emotional Intelligence تو بہت اچھا ہے۔ صاف بچ گیا۔'' رویت نے اس کو سراہتے ہوئے کہا۔

''اسی طرح کچھ روز پہلے سرگودھا جانے کا پروگرام بنا' میرا وکیل کے ساتھ کام تھا میری بیگم اور بچوں نے فرمائش کی کہ ہمیں ننھیال (یعنی بیگم کے میکے) چھوڑ دیں۔ گھر کے کام کاج اور

ضروری امور سے فارغ ہو کر جب میں گاڑی کے پاس آیا تو دم بخود رہ گیا۔ گاڑی کی لائٹیں روشن تھیں یعنی کہ رات کو میں نے انہیں بند ہی نہیں کیا تھا۔ اب اس کی بیٹری جواب دے گئی تھی۔ بیگم کا موڈ ہمیشہ اچھا ہی رہتا ہے چاہے دل میں مجھے کتنی ہی گالیاں کیوں نہ دیتی ہو۔ اللہ کی بندی نے برقع اتارا اور مجھے تسلیاں دینے لگی۔

''کوئی بات نہیں میں نہیں جاتی تم جاؤ' تمہارا کام بہت اہم ہے۔''

میں نادم اور شرمندہ سا بیگم اور بچوں کو گھر چھوڑ کر بس پر سرگودھا روانہ ہو گیا۔ یار رویت اس گاڑی نے مجھے جتنا ذلیل کیا ہے شاید ہی کسی نے کبھی کسی کو کیا ہو۔ ایئر کنڈیشنڈ اور ہیٹر اب اپنی نئی گاڑی میں چلاؤں گا۔ میری جان چھڑا اس سے..... وبال جان ہے یہ میرے لیے..... غریب بندہ ہوں جتنا کماتا ہوں اس سے زیادہ کھا جاتی ہے یہ منحوس۔ اب تو جدید ترین گاڑی لوں گا اور مزے کروں گا۔'' البیلا نے مستقبل کے ارادے بتاتے ہوئے کہا۔ رویت بولا۔

''چل ٹھیک ہے یار کرتے ہیں کچھ۔'' البیلا بولا۔

''ہاں یار بس تنگ آ گیا ہوں اس نکمی سے' کہاں 1980ء کہاں 2020ء' بیچ دے اسے جو رقم آئے یا سودا ہو مجھے اطلاع کر دینا۔ لینے آ جاؤں گا۔ باقی سب ٹھیک ہے۔'' البیلا اپنی طرف سے بات ختم کر کے چلا گیا لیکن رویت کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔ اس پریشانی سے کہ اس 'محترمہ چشمِ بدور' کو کون اناڑی لینے کے لیے آمادہ ہوگا۔

□□.....❁.....□□

غزل

ستاروں سے بولا قمر دھیرے دھیرے
ملے گی نظر سے نظر دھیرے دھیرے
چلو ساتھ میرے اگر دھیرے دھیرے
سہانا بنے گا سفر دھیرے دھیرے
نہ پھیرو نظر کو ملا کے نظر سے
نہ بھڑکے کہیں یہ شرر دھیرے دھیرے
سخاوت کے چرچے تھے دنیا میں جن کے
وہ ہوتے گئے تنگ نظر دھیرے دھیرے
گری ہے جو بجلی نشیمن پہ میرے
لرزتا رہا بام و در دھیرے دھیرے
نہ دیکھو خدارا' یوں تیور بدل کے
کہ رِستا ہے خونِ جگر دھیرے دھیرے
خدا پر تمہارا جو کامل یقیں ہو
دُعاؤں میں ہوگا اثر دھیرے دھیرے

ایس امتیاز احمد۔ کراچی۔

''سچی کہانیاں/دوشیزہ'' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ 'سچی کہانیاں' اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر 'سچی کہانیاں' ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسیج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی 'سچی کہانیاں' ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے 'سچی کہانیاں' کے درمیان جو دوریاں پیدا کر دی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ 'سچی کہانیاں' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 23-22-021-35893121

موبائل نمبر 0309-0364564

پنڈی سے بھیجی گئی معصوم سی تحریر :

بانو بے بے

ناچ گانے کے شوق نے بانو بے بے کو خوب جوتے
پڑوائے مگر مجال ہے جو اس پر ذرا بھی اثر ہو.....

حمیرا انجم وحید

''بانو بے بے رات کو اصغر خان کی مہندی ہے' لڑکیوں کے اصرار پر ڈھولک رکھی ہے۔ رات کو آنا خوب گانا بجانا ہوگا اور سب عورتیں مل کر ناچ گانا کریں گی۔'' ماسی بخت جان نے بانو بے بے کے کان کے قریب جا کر زور سے یہ ساری باتیں کیں کیونکہ بانو بے بے کی سماعت بہت کم تھی اور وہ بہت اونچا سنتی تھی۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے بخت جان میں ضرور اؤں گی۔'' قریب ہی بیٹھے بانو بے بے کے شوہر اللہ دین دونوں کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ بخت جان کے جانے کے بعد انہوں نے بانو بے بے کو شادی والے گھر جانے سے منع کر دیا کیونکہ وہ ایک مذہبی خیالات رکھنے والے نماز و روزے کے پابند انسان تھے۔ لیکن بانو بے بے کو ناچ گانے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنے خاوند سے چھپ چھپ کر یہ شوق لوگوں کی شادی بیاؤں پر پورا کرتی تھیں۔ رات کو بانو بے بے کے شوہر نے مسجد سے واپس آ کر کھانا کھایا اور چھت پر چارپائی بچھا کر سو گیا۔ بانو بے بے نے اس موقع کو غنیمت جانا کپڑے بدل کر چادر لی اور شادی والے گھر پہنچ گئی۔

جیسے ہی بخت جان کی نظر بانو بے بے پر پڑی تو اس نے دور سے ہی بانو بے بے آ گئی کہہ کر اس کا خیر مقدم کیا جس طرح گاؤں میں عام طور پر کیا جاتا ہے۔ آواز اتنی اونچی تھی کہ چھت پر لیٹے ہوئے بانو بے بے کے شوہر اللہ دین نے سن لی اور غصے سے سرخ ہونے لگا۔ ساری رات بانو بے بے گانے بجانے میں مصروف رہی پھر اذان کے وقت اُس نے دروازے کی کنڈی کھولی اور آرام سے چلتی ہوئی اپنی چارپائی کی طرف بڑھی لیکن یہ کیا اس کا شوہر ہاتھ میں ڈنڈا لیے اسی کی چارپائی پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا جیسے ہی اس کی نظر بانو بے بے پر پڑی اس نے اس پر ڈنڈے برسانا شروع کر دیے اور اونچی آواز میں ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی۔

''مجھے بچہ سمجھ کر میرے منع کرنے کے باوجود

مجھے سوتا سمجھ کر چلی گئی اب میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔'' ان کی آواز سن کر گھر کے دوسرے پورشن میں سوئے ہوئے اللہ دین کے بھتیجے اور ان کی فیملی جاگ گئے اور بانو بے بے کو بچانے کے لیے دوڑ پڑے۔

''چاچا سحری کے وقت جبکہ اذانیں ہو چکی ہیں اللہ کو یاد کرنے کے بجائے بیوی کی پٹائی کر رہے ہو۔'' انہوں نے روتی ہوئی بانو بے بے کو پکڑ کر دوسری طرف کرتے ہوئے چاچا کو مخاطب کیا۔

''میاں احمد یہ مجھے بتائے بغیر اصغر کی مہندی پر جا کر ساری رات گانے گا گا کر ابھی آئی ہے مجھے بے وقوف سمجھتی ہے میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔'' لیکن میاں احمد بانو بے بے کو اپنے ساتھ گھر لے گیا۔

بانو بے بے اور اللہ دین کے درمیان اس طرح کے مسائل اکثر ہوتے جنہیں میاں احمد اور اس کی فیملی سلجھاتے رہتے بانو اور اللہ دین کی اولاد نہیں تھی وہ دونوں اپنے بھتیجے میاں احمد کے گھر کے ایک حصے میں رہتے تھے۔ میاں بیوی ایک دوسرے سے پیار بھی بہت کرتے تھے اور لڑائی جھگڑا بھی بہت کرتے بانو بے بے اپنی بے وقوفیوں کی وجہ سے مار کھاتی اور اپنی سماعت کمزور ہونے کی وجہ سے بھی اکثر مسئلہ پیدا کر لیتی ایک دن ثریا جو کہ ان کے محلے میں رہتی تھی اس کی گائے مر گئی گاؤں میں رواج ہے کہ جب کسی کا مویشی مر جائے تو گاؤں کی عورتیں ان کے گھر افسوس کے لیے جاتی ہیں۔ خالدہ نے بے بے کو اطلاع دی کہ ثریا کی گائے مر گئی ہے آؤ ان کے گھر چلیں۔

خوش خبری

اخبار کے دفتر میں ایک صحافی نے دوسرے صحافی سے پوچھا۔ ''وزیر صاحب اپنے استعفے کی خبر چھپنے پر اتنا ناراض کیوں ہو رہے تھے؟''

''تم نے شاید توجہ نہیں دی، ہم نے ان کے استعفے کی خبر غلطی سے خوش خبریوں والے کالم میں چھاپ دی تھی۔''

مرسلہ: جمنہ دانش۔ کراچی

تعارف

جب میرے دوست، اجنبی حضرات سے میرا تعارف بطور مصنف بجنگ آمد کراتے ہیں تو بالعموم مجھے تین قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ایک وہ جو یہ کتاب پڑھ چکے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے پڑھی تو نہیں مگر اس کے متعلق کچھ سن رکھا ہے۔ تیسرے جنہوں نے دیکھی ہے نہ سنی بلکہ اپنی چیک بک کے سوا کسی بک سے آشنا ہی نہیں..... پہلی قسم کے کرم فرماؤں سے کوئی تعارف کرائے تو وہ کسی قدر شوق اور شفقت بلکہ بعض اوقات تپاک سے مصافحہ کرتے ہیں اور ملاقات ہو جانے پر اظہار مسرت فرماتے ہیں مگر دوسری قسم سے تعارف کرانے پر انہیں ہمارا نام یوں لگتا ہے جیسے کبھی خواب میں سنا ہو مگر مروت میں آ کر اظہار مسرت کا بھی تھوڑا سا انتظام کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''اچھا تو آپ ہیں جنہوں نے ''تنگ آمد بجنگ آمد'' لکھی ہے۔ ماشاءاللہ کیا عمدہ کتاب ہے۔''

مجھے بارہ سالوں کے تجربے سے یقین ہو گیا ہے کہ جب بھی کوئی مہربان اجنبی کتاب کے نام پر پورا محاورہ تنگ آمد بجنگ آمد صرف کر دیتے ہیں تو انہوں نے کتاب کے متعلق کچھ سنا ضرور ہوتا ہے لیکن پڑھی نہیں ہوتی۔ فقط ایک ملائم سا دروغ مصلحت آمیز بول کر میرا دل رکھتے ہیں، گو دل رکھنا بھی اتنی بڑی نیکی ہے کہ بریں نیکی گرجاں فشانم رواست۔ چنانچہ حتی المقدور جانفشانی کرتا ہوں لیکن کچھ زیر لب ہنسی بھی آتی ہے کہ موصوف مروت کا کتنا بھاری بوجھ جھوٹ کے بل پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

(کرنل محمد خان کی ''بجنگ آمد'' سے اقتباس)

''ہائے میری ثریا کیسے مر گئی مجھے تو کل ہی ملی تھی میری ثریا کو کیا ہو گیا۔ تیرے چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے اب ان کی ذمہ داری کون اٹھائے گا۔''

''بے بے ثریا نہیں مری اس کی گائے مر گئی ہے۔'' خالدہ نے چیخ کر کہا بانو بے بے کے دماغ میں بات بٹھائی اور آئندہ انہیں کوئی بھی بات بتانے سے توبہ کر لی۔ لیکن ایک دن محلے کے لڑکوں کو شرارت سوجھی اور انہوں نے بانو بے بے کے کان میں یہ بات ڈال دی کہ آپ کی اولاد نہیں ہے اس لیے چاچا اللہ دین دوسری شادی کر رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ بانو بے بے نے رو رو کر گھر سر پر اٹھا لیا۔

''ہائے اب میں کیا کروں گی میرے سر پر والدین کا سایہ بھی نہیں۔'' سب سمجھا سمجھا کر تھک گئے لیکن بانو بے بے کسی کی بات سننے کو تیار ہی نہیں تھی۔ اللہ دین دوسرے گاؤں میں اپنے بھائی سے ملنے گیا ہوا تھا۔ شام کو جب گھر واپس لوٹا تو بانو بے بے کو زار و قطار روتے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

''بانو..... بانو کیا ہوا ہے کیوں رو رہی ہو۔''

''اللہ دین مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی کہ تم اولاد کے لیے دوسری شادی کرو گے اور مجھے چھوڑ دو گے۔''

''تمہاری تو مت ہی ماری گئی ہے 70 سال کی عمر میں اب دوسری شادی کروں گا جب شادی کرنے کی عمر تھی تب نہیں کی اب بڑھاپے میں شادی کر کے خود کو مصیبت میں ڈال دوں اور تمہارے جیسی ایک اور سر پھری عورت پلے باندھ لوں۔'' یہ کہہ کر اللہ دین اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بانو بے بے اپنی نادانی پر اندر ہی اندر شرمندہ ہو کر گائے کو چارہ ڈالنے کے لیے چل دی۔

□□.....❁.....□□

میاں چنوں سے ارسال کردہ مسکراتی سی تحریر

بالے

بالے نے چوری چکاری میں نام پیدا کیا پھر سیاست میں بھی کود پڑا اور اب اس کا نام کتابوں میں چھپنے لگا تھا.....

مہر پرویز احمد دولو

میں ان دنوں نکے جیسے سے تھوڑا سا بڑا ہوتا تھا' چھی طرح رونا بھی نہیں آتا تھا بے سرے گانے والوں کی طرح بیک وقت کتنے ہی راگوں میں روتا تھا۔ ماں علی الصبح تیار کرتی' شلوار قمیض پہنانے سے قبل منہ دھلواتی۔ صابن سے منہ دھونے کی بجائے دودھ کی چھاچھ سے سر' منہ اور ہاتھ دھلواتی۔

اس کی تحقیق تھی کہ 'چھاچھ ٹھنڈی ہوتی ہے دماغ ٹھنڈا ہو کر اپنے مقام پر فریزر کی برف کی طرح جم جاتا ہے' شیطان بچوں کی طرح غصے میں نہیں آتا اور نہ ہی اچھل کود کرتا ہے۔'' ہاتھ منہ دھونے کپڑے پہننے کے بعد اپنے ہاتھوں سے ڈالڈا گھی کی بنی چُوری کے لقمے منہ میں ڈالتی۔

اس سے قبل پرانے وقتوں میں دیسی گھی کی چُوری بنتی تھی میں ایک غلطی کی وجہ سے ان دنوں پیدا نہیں ہوا تھا زمانے اور حکومتوں کی تبدیلی سے مہنگائی کا جن جب رات کی تاریکی میں بستروں میں سوئے خواتین و حضرات کو ڈرانے کے ساتھ ان کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں کچے امرودوں کی طرح کرچ کرچ کر کے چبانے لگا تو جن لوگوں کی گائے' بھینسیں' بھیڑ اور بکریاں تھیں اور دودھ جیسی نعمت سے ان کے گھر کے برتن لبریز کرتی تھیں' انہوں نے اس خدائی نعمت کو بیچنا شروع کر دیا۔

ان لوگوں کے دروازوں پر دودھ دہی کے ڈرموں کے ہمراہ فقیروں سے بھی پہلے آ دھمکتے ہیں اور ایسے بے خوفی کے ساتھ دودھ ڈرموں میں انڈیلتے ہیں جیسے سارا دن ان کو چارہ یہ لوگ ڈالتے رہے ہیں۔

جو بے چارے جانوروں کے مالک ہیں وہ سارا دن ان کو چارہ ڈالتے ہیں۔ پانی پلاتے ہیں' دھوپ چھاؤں میں باندھتے ہیں' بارش اور کیچڑ سے نکال کر صاف ستھری خشک جگہ پر باندھتے ہیں اگر کام کر کے تھکاوٹ سے ان لوگوں کے سر میں درد ہو جائے تو دکان سے ڈبے والا دودھ لے کر چائے بناتے ہیں اور اس سے سر درد کی گولی لیتے ہیں۔

دیسی گھی' چُوری اور دیسی گھی کے پراٹھے بھی انصاف کی طرح دور کہیں کالے پانی کے علاقے میں سو کر خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔ ماں مجھے

ڈالڈے گھی کی پوری کھلاتی اور ہمسائے میں رہنے والی خالہ موداں کے حوالے کر کے چلی جاتی۔ ماں کو جلدی جانے کی اس لیے ہوتی تھی کہ اسے صبح سویرے مزدوری والی ٹرالی پر دیگر خواتین کے ساتھ آلو چننے جانا ہوتا۔

گرمیوں میں مکئی کی کٹائی' بھٹے الگ کرنا' پردوں سے چھلیاں الگ کرنا' کھیتوں میں مونجی لگانا' بھنڈی چننا' لہسن لگانا اور مرچ کی چنائی' سردیوں میں کپاس کی چنائی کرنا ہوتا تھا غرض بارہ مہینے مزدوری کے لیے ماں چارج ہونے والی مشین کی طرح کام کرتی۔ میری پیدائش پر ایک اور فرد کا اضافہ ہوا۔ گھریلو اخراجات بڑھے' اگر مجھے لاڈ پیار کرتی محبت کے جھولے میں سلاتی' بانہوں میں جھلاتی تو گھر کا چولہا جلنا مشکل ہوجاتا۔

اس کا حل یہ نکالا کہ مجھے اوں آں کرتے ہی اسکول بھیجنا شروع کردیا۔ ماں کی بجائے استاد میری آیا کا کردار ادا کرنے لگے۔ ماں کی جدائی میں روتا تو استاد سختی سے جھڑکتا ایک اور مہربان استاد تھا وہ اکثر پیار کرتا اور ٹافیاں دے کر چپ کروانے کی کوشش کرتا۔

اسکول میں استانیاں بھی تھیں مگر ان کا رویہ ہمیشہ کرخت سوتیلی ماں جیسا ہوتا' لال آنکھیں نکال کر غصے سے چیت مارتیں۔ میں ان سے اور وہ مجھ سے ہمیشہ نالاں رہتیں۔

ساری استانیاں بغل میں بیگ لٹکائے اسکول میں داخل ہوتیں ایک کمرے میں بیٹھ کر بیگ سے ڈبہ نکال کر اس سے مختلف رنگ نکالتیں اور چہروں کو رنگین کرنا شروع کردیتیں۔ ان رنگوں کے استعمال سے ان کا چہرہ بدل جاتا' رکشے سے اترنے والا چہرہ کہیں غائب ہوجاتا اور جادوئی رنگ یکدم ان کے چہرے کی ہیبت اور شخصیت کو نکھار دیتے۔

ایک دن غلطی سے وہ ڈبہ میرے ہاتھ لگ گیا اور میں نے لڑکوں کے چہرے رنگین کرنے شروع کردیے۔ ہوا یوں میری ٹیچر موبائل پر بات کرتے کمرے سے باہر نکل گئی اس دوران اس نے صرف آدھا چہرہ تبدیل کیا تھا۔

ماں کی جدائی میں رو رو کر میرا برا حال تھا استاد نے مجھے تنگ آ کر استانی کے پاس بھیج دیا کمرے میں میز پر

بکھرے رنگ دیکھ کر میرا رونا دور افق پر ڈوب گیا۔ سب رنگ اکٹھے کیے کلاس میں آ کر بچوں کے چہروں کو رنگین کرنا شروع کر دیا وہاں سے فراغت پا کر دیواروں پر تصویریں بنانا شروع کر دیں۔ جب استانی نے بچوں کی بگڑی شکلیں دیکھیں تو فوراً ڈبے کو تلاش کیا مگر وہاں ہوتا تو ملتا۔

خالہ موداں کا بیٹا 'بالا' میرے ساتھ اسکول آتا تھا اس نے استانی جی کو بتا دیا بس پھر کیا تھا میرا معصوم چہرہ تھا اور روحانی ماں کا انگوٹھی والا پنجہ..... کافی دیر مار کر اپنا غصہ نکالا اور اگلے دن ماں کو بلا بھیجا۔ ماں تو کام پر چلی گئی ابا جی اسکول آ گئے۔ ماں کی غیر موجودگی میں ابا جی گھر میں پہرہ داری کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ جب خطرہ ٹل جاتا تو ہوٹل پر جا کر چائے پیتے' ساتھ ہی پیپل کے درخت کے نیچے تاش کھیلنے والی ٹولیوں میں شامل ہو کر تاش کھیلتے' شام کو ماں لوٹتی تو وہ بھی تشریف لاتے' آتے ہی ماں سے دن کے کام کا حساب لیتے پیسے جیب میں ڈالتے' کھانا کھاتے اور نکل جاتے' پھر پتہ نہیں رات کے کس پہر واپس آتے میری شکایت آنے پر انہوں نے اسکول جا کر ماں پر بہت بڑا احسان کیا۔ استانی صاحبہ کی منت سماجت کی یوں میری غلطی رفع دفع ہوئی۔

☆.....☆.....☆

روتا بلکتا ماں کی جدائی میں تڑپتا کچھ بڑا ہوا بستہ اٹھانے کی سکت جسم میں وارد ہوئی تو اسکول کے رجسٹر میں میرا نام لکھ لیا گیا روزانہ میرا نام پکارا جانے لگا۔ شروع میں ہم 'حاضر جناب' بولتے تھے۔ پھر وقت آیا ہم نے 'لبیک' کہنا شروع کیا اور ترقی کرتے کرتے 'یس سر' تک پہنچ گئے آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔ ان دنوں میں کافی بڑی جماعت میں پڑھتا تھا ایک دن استاد محترم پڑھانے لگے۔

'لڑکے بالے اچھلے کودے' یہ سننا تھا کہ میری آنکھوں کے آگے جگنوؤں کی مانند ننھی ننھی چنگاریاں اچھل کود کر کے جھومر ڈالنے لگیں۔ میں حیرت کے دریا میں ڈوب گیا۔

'خالہ موداں کے بیٹے بالے کا نام کتابوں میں چھپ گیا اور میں ابھی پڑھائی کی دلدل میں دھنسا باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ 'بالے' نے بڑی مشکل سے پرائمری کے بورڈ کا امتحان دیا تھا اور نتیجے کا انتظار کیے بغیر کاروبار شروع کر دیا۔

شروع میں دکانوں سے ٹافیاں اور خالہ موداں کے لیے سگریٹ چوری کرتا تھا خالہ موداں کو بچپن میں حقہ پینے کی عادت پڑ گئی تھی۔ وہ اپنے باپ کو حقہ گرم کر کے دیتی باپ کہتا۔

''بیٹی کش لگا کر بتاؤ 'تمباکو میں نشہ ہے یا نہیں۔'' آئے روز کے کش لگانے سے وہ حقے کی عادی بن گئی۔

جب اس کی شادی ہوئی تو گھر والوں نے جہیز میں حقہ اور تین کلو سا ہیوال والا تمباکو دیا اس کے ساتھ دو کلو گڑ اس نے خود سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ سسرال آتے ہی خالہ موداں کے حقے کی دھوم مچ گئی اکثر رنڈوے شام کو حقہ پینے اس کے ہاں مقیم ہوتے۔ اس کا میاں بھی بیوی کی صحبت میں رہ کر موداں کا کم اور حقے کا زیادہ عادی ہو گیا۔

موداں حقے کی نشئی ہو گئی' میاں حقہ پینے کے علاوہ اور کوئی کام جانتا نہیں تھا۔ جب فارغ ہوتا چوک میں پکوڑے والی دکان پر چلا جاتا۔ پکوڑے بنانے کے لیے چولہا گرم کرنے کی ذمہ داری نبھاتا۔

پکوڑے بنانے کے دوران دکاندار کی نظر چوکتے ہی پکوڑا اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا۔ خالہ موداں گھروں میں لگائی بجھائی کے فرائض سرانجام دیتی کسی بھی گھر میں نئی بہو آنے کی صورت میں پہلے تو اس کی ساس کی طرح تعریفوں کے پل باندھ دیتی' مکلاوے سے

واپسی پر اس کی ساس کی ہمرکاب ہوجاتی برائیوں کی فہرستیں تیار کرتی اور گلی محلے کے ہر گھر تک پہنچاتی۔

بہوؤں سے تنگ آکر ساسیں اور کنواری نندیں خالہ موداں کی خدمات حاصل کرتیں خالہ موداں اپنے فرائض انتہائی جائز مشاہرہ پر ادا کرتی اس کی محنت سے گاؤں کی ہر بہو کی زندگی ساس کے ہاتھوں اجیرن تھی جس گھر جاؤ بہو کو بچے کھانے والی ڈائن تصور کیا جاتا ہر گھڑی اس کو گھر سے ہمیشہ نکالنے کے منصوبے بنائے جاتے۔

وہ بہو جس کی تعریف کرتے ساس کی زبان تھک کر سانس نہیں لیتی' جنت کی حور سے آگے جہاں اور ہیں کے مصداق ہوتی ہے۔ کچھ دنوں میں ہی وہی بہو گھر کے زندہ انسانوں کو ہڑپ کرتی نظر آتی ہے ساس کی آنکھوں میں بیری کے کانٹے کی طرح چبھنے لگتی ہے۔ ایسی کئی بہوئیں خالہ موداں کے انتقام کا نشانہ بن کر اذیت ناک زندگی گزار دیتی تھیں ان مجبور خواتین نے اپنے میاؤں کو ساس کے ساتھ ان کی ٹیوشن ٹیچر خالہ موداں کی کارستانی بتائی تو داڑھی مونچھوں والے نوجوان خاوندوں نے پانی کے آنسو رو رو کر کپڑے گیلے کر لیے۔

آئے روز کی شکایات نے ان کے حوصلے پست کر دیے۔ ان شادی شدہ خاوندوں نے ماؤں سے چھپ کر ایک تنظیم 'انجمن تحفظ حقوق بیویاں' بنائی۔ جس گلی محلے خالہ موداں نظر آتی انجمن کے کارکن اس کے پیچھے بونے کتے اور ان کے پلے لگا دیتے۔ جو کاٹتے کم اور مگر ڈراتے زیادہ' خالہ ان سے ڈر کر جس گھر میں داخل ہونے کی کوشش کرتی سامنے بہو لال رنگ کا موٹا سوٹا مرچیں پیسنے والا لے کر کھڑی ہوجاتی اندر داخل ہوتے ہی صراحی کی طرح لمبے پیٹ میں زور سے مارتی' پیٹ میں سوٹا چبھتے ہی خالہ کی کربناک آہ نکلتی۔ پیچھے کتا اور آگے سوٹا خالہ موداں جائے تو جائے کہاں.....

برے حالات و واقعات اور سیاہ کارناموں کی سزا حد سے بڑھی تو خالہ نے دل ہی دل میں سب بہوؤں سے معافی مانگی' سچے جھوٹے دل سے زبانی توبہ کی اور تمام سرگرمیاں ترک کر کے اپنے گھر تک محدود ہوگئی' زبان کی شیرینی کی وجہ سے اب اس کا گلی محلے میں چلنا پھرنا محال ہوگیا تھا۔

بدزبانی' چغل خوری اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے سے قبل خالہ موداں حقے کے کش لگاتی تھی۔ جب گھر اجاڑنے کے عوض روپے ملنے لگے تو اس نے گولڈ لیف پینا شروع کر دی اور جب زبان کی کڑواہٹ نے کہیں کا نہ چھوڑا تو گھر تک محدود ہوگئی۔

'بالا' گلیوں' بازاروں' تھڑوں' ڈیروں اور دکانوں کے سامنے سے سگریٹ کے ٹوٹے اکٹھے کرتا اور ماں کو جا کر دیتا جن کو پی کر وہ نشہ پورا کرتی۔ کبھی صحت مند' صاف ستھرا سگریٹ پینے کو جی للچاتا تو 'بالے' کو کہیں سے بھی سگریٹ لانے کا حکم دیتی۔ وہ بے چارہ ماں کی تابعداری کر کے جنت لینے کے چکر میں آنکھ بچا کر دکانوں سے سگریٹ اٹھانے لگا۔

ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اڑتی چڑیا کی آنکھ سے کاجل چوری کر لیتا۔ تجربہ کی سند ہاتھ آتے ہی رات کو آوارہ پھرنے والی بھیڑ بکریوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ کام کا ہنر مزید ہاتھ میں آیا تو ڈنگروں سے راتوں کو ڈالے بھرنے لگا روپیہ بارش کی طرح برسنے لگا۔

علاقے میں وڈیرے پن کی بنیاد رکھی شہرت کے ترانے بجنے لگے تھانے کچہری اور دفاتر میں 'بالے' کا نام گونجنے لگا۔ معززین کے ناموں کی فہرست میں اس کا نام شامل کر لیا گیا۔ کسی نے سیاست کی راہ دکھائی تو محلے کا کونسلر منتخب ہوگیا۔ اب گاؤں میں اس کا ڈیرہ ہے' جہاں لوگوں کے مسائل حل کیے جاتے ہیں۔ جب استاد نے پڑھایا 'لڑکے بالے اچھے کودے' تو میں دنگ رہ گیا کہ اس نے علاقے میں تو نام پیدا کیا تھا اب کتابوں میں بھی اس کے نام کے چرچے ہونے لگے۔

❑❑.....❁.....❑❑

کتاب دوستی

کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تصنیف دوام پائے؟

کیا آپ سچی کہانیاں ڈائجسٹ میں اپنی کتاب پر مفصل آرٹیکل دیکھنا چاہتے ہیں؟

مجید احمد جائی کے فسوں رنگ انداز اور سحر کار قلم سے.....

آج ہی اپنی کتاب کی دو کاپیاں اس پتے پر بھیجیں۔

ہم دیں گے آپ کے شہ پارے کو نیا رنگ

مجید احمد جائی

ادبی لائبریری، ظہور سوئٹ اڈا بلی والا مین بہاولپور روڈ پوسٹ آفس لارڑ، تحصیل و ضلع ملتان۔

کوٹ ادو سے ارسال کردہ مسکراتی سی تحریر

شادی خانہ بربادی

''بات کچھ یوں ہے کہ لڑکی دبلی ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کی بھی دبلی ہے۔ بھولی بھالی سی ہے' آج کل کی لڑکیوں کی طرح چالتر بالکل بھی نہیں ہے معصوم اور بے ریا ہے بے چاری۔'' شرفی نے دھیمے لہجے میں کہا گویا کوئی بری بات بیان کررہا ہو۔

محمد احمد رضا انصاری

''فضلو.....ارے او فضلو.....ذرا یہ میرا جوتا جلدی سے مرمت کردے۔ چاچا رمضان کے قلوں پر جانا ہے میں نے۔'' اشرف عرف شرفی نے پھٹے ہوئے شاپر میں مضبوطی سے باندھے اپنے پاپوش فضلو موچی کے چبوترے پر دھرتے ہوئے کہا۔

فضلو ایک جوتے کا تلوا سلائی کررہا تھا اسے شرفی کے 'جلدی' کہنے پر غصہ آگیا۔ اس نے جھٹکے سے دونوں پاؤں میں دبوچا جوتا پرے کیا اور تیوری چڑھا کر شرفی کو گھورنے لگا۔

''اوئے.....ٹکر ٹکر کیوں دیکھ رہے ہو۔ جلدی سے جوتا سلائی کردو۔ مولبی کہیں جلدی ختم نہ پڑھ دے۔'' شرفی عجلت سے بولا۔

''آج کی تاریخ میں تمہارا جوتا مرمت نہیں ہوسکتا۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''کیوں جی .....آج کیا شادی ہے تمہاری؟'' شرفی چونکا۔

''نن.....نہیں.....شادی تو نہیں۔''

فضلو شادی کے ذکر پر شرما کر دہرا سا ہوگیا اور صافے سے منہ چھپانے لگا۔ اس کے دل کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ اس کی شادی ہوجائے۔ اللہ بخشے اس کی ماں کو بہشتن نے پوری کوشش کی کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کے لال کی زندگی میں کوئی چڑیل نہ آئے۔ ورنہ بیٹے پر اس کا رعب و دبدبہ ختم ہوجائے گا اور بیٹا بیوی کے نام کی مالا جپنے لگے گا اور یوں اس کا بڑھاپا رل جائے گا۔ فضلو پہلے چند سال تو شرمایا رہا اور کبھی اس نے منہ بھر کر ماں کو یہ نہ کہا کہ وہ اس کی شادی کروا دے۔ جب اس کے سب دوستوں اور گاؤں میں جتنے اس کے ہم عمر تھے، ان سب کی شادیاں اور پانچ بچے جم گئے تو فضلو کی دلی خواہش ہمک ہمک کر سینے سے باہر نکلنے لگی۔ ایک دن اس نے دبے لفظوں میں جتا دیا۔

''دیکھو ماں..... ہمارا آنگن کتنا سونا ہے۔ کیا تم نہیں چاہتی ہمارے صحن میں بھی رونق ہو اور چھوٹے چھوٹے بچے کھیلتے کودتے لڑتے جھگڑتے پھریں؟'' اماں نے غور سے بیٹے کی تقریر سنی تھی۔

پھر ہاتھ جھلاتے ہوئے بولی۔

''فضلو میاں..... میں کیوں نہیں چاہتی میرے گھر میں بچوں کا شور شرابا نہ ہو۔ تم یوں کرو اگلے جمعے مویشی منڈی جاؤ اور دو تین بکریاں خرید لاؤ اور ایسی بکریاں لانا جن کے نیچے دو دو یا تین تین بچے ہوں۔ دیکھنا پھر کیسے رونق میلا ہوگا گھر میں۔''

اور فضلو سر تھام کر زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ سوال گندم اور جواب چنا۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور سوچا۔

''اے اللہ اتنی معصوم اور بھولی بھالی ماں مجھے ہی کیوں دینی تھی جو سامنے کی سیدھی بات کو بھی آسانی سے سمجھ نہیں پاتی۔'' جوں جوں فضلو کی عمر بڑھتی گئی۔ ویسے ویسے اس کی تمنا بھی درجہ بہ درجہ بلند سے بلند تر ہوتی گئی۔ اب اس نے واضح طور پر ماں کو کہہ دیا۔

''میری شادی کروا دو ورنہ میں گاؤں چھوڑ کر شہر چلا جاؤں گا اور وہیں شادی کر کے رہوں گا۔ کبھی واپس پلٹ کر گاؤں کو دیکھوں گا بھی نہیں۔'' اماں ہولا اٹھی۔ رشتے والی خالہ کے ہاتھ میں پانچ سو روپے پکڑائے اور گاؤں میں دوڑا دیا۔ ساتھ فرمائش بھی تھی کہ لڑکی کم عمر، پڑھی لکھی اور سلیقہ شعار ہو۔ یوں جیسے رشتہ نہ ہوا کوئی شے ہوگئی جو بازار سے خرید لانی ہو۔

خالہ نے بہتری کوشش کی اماں کی بیان کی گئی خوبیوں والی دوشیزہ مل جائے۔ لیکن کوئی اپنی پھوہڑ، اَن پڑھ اور کالی کلوٹی کنواری بیٹی بھی ایک بڑی عمر کے آدمی کو دینے پر رضامند نہ ہو سکا۔ اب بیوئیں اور طلاق یافتہ رہ گئیں تھیں۔ جنہیں اماں نے خود منہ نہ لگایا اور کہا۔

''اس سے بہتر میرا بیٹا کنوارا ہی رہے۔'' اماں نے بیٹے کی خوشیوں کو پورا نہ کرنے کی شاید کوئی قسم اٹھا رکھی تھی۔ مرتی مرگئی لیکن فضلو کی شادی نہ کروائی۔ فضلو کم پڑھا لکھا اور گاؤں کا سب سے شریف لڑکا تھا۔ اس کی عمر کے لڑکے جب کھیل کود اور آوارہ گردی میں مشغول ہوتے تھے تب وہ بابا عنایت اللہ کے پاس جوتے سلائی کا کام سیکھنے جاتا تھا۔ شکل و صورت واجبی سی تھی اسی لیے نہ فضلو کی ہمت ہوئی کسی

الہڑ مٹیار پر کمند ڈالے نہ گاؤں کی کسی لڑکی نے خود اسے کوئی اشارہ وشارہ کیا تھا۔ بے چارہ شرافت کا مارا یونہی اکیلا کا اکیلا رہ گیا تھا۔

اور پھر عرصہ گزر گیا۔ فضلو چالیس کے پیٹے میں داخل ہو چکا تھا۔ آج شرفی نے شادی کا ذکر کیا تو اس کی پچھلی یادیں تازہ ہوگئیں۔ وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔ شرفی نے غور سے اس کے اترے چہرے پر نگاہ ڈالی اور کچھ سوچ کر مسکرا اٹھا۔

''بات سن اوئے فضلو..... تو کہے تو اپنے گاؤں تیری شادی کرادوں؟'' فضلو شرفی کے جوتے شاپر کی بندشوں سے کسی طرح آزاد کرا چکا تھا۔ وہ شرفی کی بات سنتے ہی اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے اچھل پڑا۔ اس لمحے اسے شرفی کے بدبودار جوتے بھی گندے نہ لگے اور نہ ہی فضلو نے ان کی حد سے زیادہ خستہ حالت دیکھ کر یہ جملہ بولا۔

''میاں..... اب ان جوتوں کو آرام کرنے دو اور فوراً کسی عجائب گھر پہنچا دو۔'' سب سوچیں اس کے دماغ سے ہوا ہوگئیں اور یاد رہا بس یہ ایک لفظ 'شادی'.....

''مم..... میری..... شا..... شادی؟'' وہ ہکلا نہیں تھا۔ لیکن جانے کیوں ہکلاہٹ پن اس پر غالب آگیا تھا۔ ظاہر سی بات ہے۔ اگر کسی نابینا کو کہیں آنکھیں لگا دیں تو اس پر شادی مرگ سی کیفیت لازمی طاری ہوگی۔ ایسا ہی کچھ حال موچی فضلو کا ہوا تھا۔ وہ جوتے چھوڑ کر اپنے جسم کا ہر حصہ آنکھ اور کان بنا کر شرفی کی جانب موڑ چکا تھا۔

''کون ہے وہ..... کہاں کی ہے؟'' فضلو نے جھجک کر سوال داغا۔

''میرے گاؤں کا سب سے غریب شخص ہے ایک بے چارہ..... ذات کا کمہار ہے' آٹھ بیٹیاں تھیں غریب کی' سات کو تو جیسے تیسے کر کے بیاہ دیا لیکن سب سے چھوٹی ابھی تک کنواری بیٹھی ہے۔ تیس سال کی ہو چکی ہے' اس کی ماں بھی انتقال کر چکی ہے۔ باپ بھی بیمار رہتا ہے۔ زیادہ فکر اسے اپنی بیٹی کی ہے۔ چاہتا ہے جلد از جلد اسے اپنے گھر بار کا کر دے۔'' شرفی نے بتانا شروع کیا۔

''تو اس کی شادی کیوں نہ کی' باقی سب بیٹیوں کو تو بیاہ دیا ہے؟'' فضلو نے جلدی سے بات کاٹ کر پوچھا۔ اس نے اب ہزار پیوند لگا شرفی کا جوتا مرمت کرنا شروع کر دیا تھا۔

''دراصل.....'' شرفی نے سانس لیا پھر بولا۔

''اس کی بیٹی کو بچپن میں ٹی بی ہوگئی تھی۔ بے چاری ٹھیک تو ہوگئی لیکن کمزور کی کمزور ہی رہی۔ اتنی دبلی ہے کہ چھپن چھپائی کھیلتے وقت وہ بانس کے پودے کے پیچھے چھپتی لیکن پھر بھی کسی کو نظر نہ آتی تھی۔'' شرفی قہقہہ مار کر ہنس دیا۔

''دبلی ہے تو کیا' آج کل تو دبلی ہونا ایک فالتو خوبی مانی جاتی ہے لڑکیوں کی۔ تم میری بات چلاؤ۔'' فضلو مسکرایا۔

''ہوں..... وہ تو ٹھیک ہے' کروں گا بات لیکن.....'' شرفی نے ہنکارا سا بھرا۔

''لیکن.....!'' فضلو کا دل انجانے خدشات سے گھبرا سا گیا۔

''بات کچھ یوں ہے کہ لڑکی دبلی ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کی بھی دبلی ہے۔ بھولی بھالی سی ہے' آج کل کی لڑکیوں کی طرح چلتر بالکل بھی نہیں ہے معصوم اور بے ریا ہے بے چاری۔'' شرفی نے دھیمے لہجے میں کہا گویا کوئی بری بات بیان کر رہا ہو۔

''واہ..... یہ تو چڑی اور وہ بھی دو دو والا معاملہ ہوا۔'' فضلو کی رال ہی ٹپک پڑی تھی۔ اس کی باچھیں شمال سے جنوب تک پھیلتی چلی گئیں تھیں۔

''چلو..... بات چلاتا ہوں تمہاری..... امید

ہے عنایت راضی ہوجائے گا۔'' شرفی نے مرمت شدہ جوتا لیا اور بغیر پیسے دیے تیز قدموں سے وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ فضلو نے پیسے نہ دینے پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ سر جھکائے اپنے رنگین خیالات میں کھو گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

عنایت اللہ چراغ آخر شب تھا۔ اب بجھا یا تب بجھا۔ اس نے فضلو سے ملاقات کی اور اس کا گھر اور کام دیکھ کر اپنی بیٹی کا اس کے ساتھ سادگی سے نکاح کر دیا۔ آخر فضلو کے گھر بھی بہار اتر آئی۔ وہ شاداں و فرحاں نئی نویلی بیوی کے ہمراہ بیل گاڑی پر بیٹھا اپنے گھر کی طرف چلا جا رہا تھا۔ شادی کے کچھ دن تو یوں گزرے کے پتا بھی نہ چل سکا۔ فضلو کی تو ہر رات شب برأت اور ہر دن عید کا دن بن گیا تھا۔

جب شادی کا خمار اترا تو اسے پتا چلا بیوی کچھ زیادہ ہی بھولی ہے۔ صبح کی بات شام تک بھول جاتی تھی اور معصوم اتنی کہ بات اگر مذاق میں بھی کہہ جاتی تو اسے فوراً سچ سمجھ کر ایمان لے آتی تھی۔

ایک دوپہر فضلو کھانا کھانے آیا تو بیوی بولی۔

''وہ جی..... اُدھر آپ کی اماں کا بہت سا خراب سامان کمرے میں بکھرا پڑا ہے۔ اگر اجازت ہو تو سمیٹ کر کسی کونے میں لگا دوں؟''

فضلو کا سر درد سے پھٹنے کو تھا۔ اسے اماں کے فالتو اور خراب سامان کا ذکر اچھا نہ لگا بولا۔

''آگ لگا منحوس سامان کو.....'' کھانا کھا کر وہ قیلولہ کرنے لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد کچھ جلنے کی بو سے آنکھ کھل گئی۔ وہ چپل پہن کر باہر نکلا تو دیکھا صحن کے بیچوں بیچ اماں کے پرانے کپڑے، پھٹے جوتے اور دیگر سامان کا اونچا سا ڈھیر لگا ہے اور آگ سب اشیاء کو اپنے پیٹ کا ایندھن بنانے میں جتی ہے۔

''او نیک بختے..... یہ کیا؟'' وہ چیخ اٹھا۔

''کک..... کیا ہوا؟'' بیوی دوسرے کمرے سے باہر نکلی اس کے ہاتھوں میں شاپروں کا ڈھیر تھا۔

''آگ کیوں لگا دی سامان کو؟'' اس نے غصے سے پوچھا۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا کچھ وقت پہلے کہ آگ لگا دو۔'' وہ بھولپن سے بولی اور فضلو اپنا سر پیٹنے لگا۔

کچھ دن بعد فضلو بند گوبھی پکانے کے لیے دے گیا اور ہدایت کی کہ میں آج جلدی آجاؤں گا۔ کھانا وقت سے پہلے تیار کر دینا۔'' بھولی (بیوی) نے سر ہلایا۔

شام کو فضلو نے ٹھیہ بند کیا اور سائیکل اٹھا کر گھر کو چل دیا۔ سورج مغرب میں ڈوب رہا تھا۔ پرندے اپنی اپنی بولیاں بولتے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ افق پر پھیلی لالی بہت خوبصورت نظارہ پیش کر رہی تھی۔ راستہ کچھ منٹ میں تمام ہوگیا۔ فضلو گھر میں داخل ہوا تو دیکھا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہے۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا۔ بھولی کچن میں گھسی برتن کھڑکا رہی تھی۔ ہاتھ دھو کر فضلو کچن میں آگیا۔

''کھانا بن گیا نیک بخت؟''

''کون سا کھانا..... کہاں کا کھانا؟'' بھولی کچھ تیکھی آواز میں بولی۔ فضلو چونکا۔

''کیا مطلب ہے تیرا..... کھانا کیوں نہیں بنا؟''

''کیسے بناتی..... کچھ ہوتا تو بناتی نہ..... پتا نہیں کیسی سبزی دے کر گئے تھے۔ پتے اتارا تار کر تھک گئی لیکن اندر سے کچھ بھی نہ نکلا۔ یہ دیکھو۔'' اس نے پرات فضلو کی طرف سرکا دی اور فضلو دوبارہ اپنی قسمت اور سر کو زور و شور سے پیٹنے لگا تھا۔ بند گوبھی کے پتے پوری پرات میں بکھرے اس کا منہ چڑا رہے تھے۔

□□.....❁.....□□

شیخوپورہ سے ارسال کردہ تحریر جو آپ کو مسکرانے پر مجبور کردے گی

ہائے شامت

ایک ڈاکٹر کا قصہ جنہیں چلتے
پھرتے محبت ہو جایا کرتی تھی.....

سیدہ حمائل فاطمہ

شام ڈھلے ڈاکٹر عبدالقدیر نے ڈرتے ڈرتے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا دل کی دھڑکن معمول سے ہٹ کر چل رہی تھی خیر جیسے ہی لان میں قدم رکھا خلاف توقع آج خاموشی نے استقبال کیا لان میں نگاہ ڈالی تو وہ خالی منہ چڑھا کرا لگ ہی داستان سنا رہا تھا۔

''خدایا خیر.....!''

''آج محترمہ میرا کیا حشر کریں گی۔''

تصورات میں ہی وہ اپنا حشر بگڑتا دیکھ رہے تھے' آنکھ لال رخسار سوجھے ہونٹ پھٹے ہوئے، اور ان کی نصف بہتر انہیں اپنی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر چکی تھی اور وہ ایک سو ایک صفائی پیش کرنے کے بعد بھی مجرم قرار دے گئے تھے۔

''بابا.....بابا.....آپ کب آئے اور آپ یہاں کھڑے کانپ کیوں رہے ہیں؟''

نو سالہ پری باپ کو لان میں کھڑے اکیلے سوچ میں گھرے کانپتے دیکھ کر حیران ہوتی پوچھ رہی تھی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر ایک دم سے تصورات کی دنیا سے لوٹے تو خود کو اصلی حالت میں پا کر خدا کا دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

''کچھ نہیں ہوا بیٹا ویسے آپ کی ماما کہاں آج لان میں نظر نہیں آ رہیں آفت کی پرکار؟ اور ان کا موڈ کیسا.....''

ڈاکٹر صاحب نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے پوچھا۔

''بابا.....موڈ کا تو کچھ مت پوچھیں شدید بگڑا ہوا ہے' آپ کا خون پینے کی انہیں شدید طلب کیونکہ اب ہمارا تو ختم ہو چکا آپ کی غیر موجودگی میں.....اللہ کی امان دوپہر سے میری اور ماسی بیچاری کی وہ شامت آئی آپ کی بیگم سے' اللہ معاف کرے.....!''

پری نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے اتنی معصومیت سے کہا تو بے اختیار ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

پری باپ کو باقی واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے ماں کی خوف ناک حد تک بگڑی تیوڑی سے آشنا کر رہی تھی اور وہ سر جھکائے مسکراتے ہوئے سن رہے تھے، حالات واقعی ان کی سوچ کے عین مطابق تھے' پری باپ کو مسکراتے دیکھ کر انہیں پھر سے خبردار کرنے لگی۔

''بابا..... آج تو آپ کو خدا ہی بچائے ذرا سنبھل کر رہیے گا۔'' پری کہتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور وہ اپنی نصف بہتر جو کہ کہیں سے بھی بہتر نہ تھیں کے سامنے پیش ہونے کی تیاری کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

''ٹک ٹک.....''

''پری مجھے تنگ مت کرو جاؤ اپنے کمرے میں۔''

''ٹک ٹک۔''

''کون ہے بھئی؟ اندر آ جاؤ دروازہ کھلا ہے.....'' صباحت بیگم نے بلند آواز میں کہا تو باہر کھڑے ڈاکٹر صاحب اور پری کو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑے۔

''بیگم صاحبہ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' ڈاکٹر صاحب نے سر جھکے اجازت طلب کی۔

''آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے بیگم صاحبہ مت کہا کریں اور دوسرا محترم آپ اندر آ چکے ہیں اب اجازت کی ضرورت نہیں۔'' صباحت بیگم نے آبرو چڑھا کر انہیں گھورا۔

''اچھا اچھا سوری' صباحت جان کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' ڈاکٹر نے ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے کہاں تو صباحت بیگم کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔

''اب آپ اس عمر میں بچوں کے سامنے مجھے ذلیل کریں گے؟'' صباحت بیگم نے ماتھے پر بل ڈالے اور ناراضگی سے ڈاکٹر صاحب کو گھورنے لگی۔

''ارے نہیں بھئی' میں تو پیار سے کہہ رہا تھا۔'' ڈاکٹر صاحب نے فوراً صفائی پیش کی۔

''ہاں جی آپ کا پیار تو واقعی ہر ایک پر اُمڈ آتا ہے' جیسے وہ ہسپتال میں نرس پر آ رہا تھا اور وہ بھی محترمہ کیسے گھور گھور کر دیکھ رہی تھی ہونہہ' کتنی بار آپ سے کہا ہے کہ 5 3 نمبر شیڈ مت لگایا کریں بالوں کو' خیر آپ کو تو جوان دکھنے کا بہت شوق ہے۔''

''اوووووتو محترمہ اب آپ کو میرے جوان دکھنے پر بھی اعتراض ہے' یعنی آپ مجھ سے جلیس ہوتی ہیں۔''

''جلیس ہوتی میری جوتی...... میں تو اس ٹینڈے کی شکل والی چڑیل کے لیے فکر مند ہوں جس کی عقل پر بیل کی چربی چڑھ چکی ہے اور ایک پاگل ڈاکٹر پر عاشق ہونے کے چکروں میں اس کے آگے پیچھے چکر کاٹ رہی ہے۔''

''اوووووو خدا کا نام لو بیگم حلیمہ سلطان کی طرح خوبصورت نرس کو آپ ٹینڈے کی شکل کا لقب دے رہیں ہیں' یہ تو اس کے ساتھ سراسر زیادتی ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کا اتنا کہنا ہی تھا کہ صباحت بیگم نے شوہر کو آڑے ہاتھوں لیا تھا آج دوپہر میں نرس کی مہربانی سے ان کی راج دلاری کی تیوری شدید بگڑی ہوئی تھی۔ وجہ نرس غلطیسے ڈاکٹر صاحب کا فون اٹینڈ کر چکی تھی' جس کا خمار اب ڈاکٹر صاحب کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔

راج رلادی اس وقت اپنے بیڈ روم کو کمرہ عدالت بنا چکی تھیں اور ڈاکٹر صاحب کٹہرے میں کھڑے جوابدہ تھے۔

''ہاں جی واقعی وہ حلیمہ سلطان کی طرح دکھنے میں کامیاب ہوگئی' لیکن آپ ارطغرل کی طرح دکھنے کے چکروں میں نورا قصائی بن رہے ہیں۔''

شوہر کے منہ سے تعریف سن کر صباحت بیگم کا غصہ ایک مرتبہ پھر آسمان کو چھونے لگا بیگم کا موڈ مزید بگڑتا دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے سنجیدہ ہونے کی کوشش کی۔

''بیگم میں نے ایک فرضی بات کی ہے کہ وہ حلیمہ کی طرح خوبصورت ہے۔''

''ہاں جی چلو میں نے بھی مان لیا کہ وہ خوبصورت ہے حلیمہ کی طرح' کرنی ہے دوسری شادی لے جاؤں آپ کا رشتہ اس کے گھر......!'' صباحت بیگم نے جل کر کہا۔

''ارے بیگم نیکی وہ بھی پوچھ پوچھ......!''

''میں اتنا ہیڈسم ہوں لڑکیاں دوسری کیا تیسری بھی مجھ سے بخوشی کرنے کو تیار ہو جائیں گی اور وہ بہت ہی اچھی نرس ہے اس کے ہاتھ کے ایک ہی لمس سے میرا بخار کافور ہو گیا ہے۔ آپ کو یاد ہوگا؟''

''جی جی یاد ہے' نرس واقعی کمال ہے' میں اور پری نے فون پر اس کے تھپڑ کی دھماکے دار آواز سنی تھی جو آپ کے رخسار کو بوسا دینے آیا تھا۔''

''اور واقعی لڑکیاں آپ کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہیں' اس دن بس میں سوار لڑکی بھی جنون کی حد تک پاگل ہوئی تھی' جس کا ہیل والا جوتا لگنے پر ڈرائیور سمیت بس میں سوار ہجوم نے مڑ مڑ کر دیکھا تھا۔''

''اور واقعی آپ بہت ہینڈسم ہیں' آپ کو تو یاد

ہی ہوگا وہ پتلون والی دکان میں سیل گرل سے عزت افزائی کا واقعہ.....!'' شوہر کو خاموش پا کر صباحت بیگم مزید جل رہی تھی۔

''اب آپ کچھ نہیں بولیں گے۔''

''چلیں کوئی بات نہیں میں ہی بتا دیتی ہوں۔''

''ارے محترم.....آپ ایک گھنٹے سے شیشے کے سامنے کھڑے خوامخواہ اپنا اور ہمارا وقت ضائع کر رہے ہیں' یقین کریں آپ، یہ ڈریس سوکھے بندوں پر بالکل اچھا نہیں لگتا یہ ہینڈسم بندوں کے لیے بنا ہوا ہے اور آپ کی جسامت تو ویسے ہی سوکھی لال مرچ جتنی ہے آپ کوئی شلوار قمیض دیکھ لیں اور اب پیچھے کھڑے نوجوانوں آگے آنے دیں پلیز.....''

صباحت بیگم سیل گرل کی مکمل نقل اتارتے ہوئے، شوہر کی حرکتوں کو بھی کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی، جو شرمندہ ہونے کی بجائے منہ کے زاویے بگاڑ رہا تھا۔

پری بامشکل امڈ آنے والی ہنسی کو کنٹرول کر رہی تھی جو اس وقت ماں باپ کی شکل دیکھ کر فوارے کی مانند گلے سے پھوٹ رہی تھی۔

ڈاکٹر صاحب بیٹی کو ہنستا دیکھ کر ایک بار پھر سے اپنی عزت بحال کرنے کی اپنی سی کوشش کرنے لگے۔

''بیگم صاحبہ یہ تو پرانی باتیں ہیں' یہ والی نرس تو جان چھڑکتی آپ کے شوہر پر.....!''

ڈاکٹر صاحب کی بات ابھی منہ میں ہی تھی اور ادھر صباحت بیگم کا تکیہ گولی کی تیزی سے اڑتا ہوا آیا' قسمت اچھی ڈاکٹر صاحب ایڑیوں کے بل گھوم کر گولی سے خود کو بچانے میں کامیاب ہوگئے اور بیگم صاحبہ نشانہ خطا ہونے پر مزید غصہ سے تپ گئی اور تن فن کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

''ارے کہاں جا رہیں ہیں؟'' ڈاکٹر صاحب نے اونچی آواز میں پوچھا تو وہ بھی جل کر بولی۔

''جہنم میں..... جانا آپ نے بھی؟''

''استغفراللہ.....''

''اچھا!!!!!..... بیگم جانے سے پہلے کھانا لگا دیجیے گا بہت بھوک لگی ہے۔''

''اپنی خوبصورت حلیمہ سلطان سے کہہ دیں کھانے کا.....''

''ارے بیگم وہ تو مر چکی.....اب کیا وہ قبر سے نکل کر مجھے کھانا دے گی؟''

''تو آپ بھی اس کے پاس چلے جائیں۔''

''توبہ توبہ.....چلیں آپ ناراض مت ہوں باہر سے ہی کھا آتا ہوں..... ویسے بتائیں تو صحیح گھر میں پکایا کیا ہے؟''

''خاک بھرے ٹینڈے پکائے ہیں۔''

صباحت بیگم جل کر بولیں اور ڈاکٹر صاحب کا ایک جان دار قہقہہ فضا میں بلند ہوا' جیسے سن کر وہ مزید غصے سے لال ہوگی۔

□□.....❁.....□□

اپنے آپ سے اِک سوال

آج بیٹھے بٹھائے اِک تصویر
اپنے ماضی کی پوسٹ کی میں نے
دیکھ کر اُس کو فیس بک پہ کسی
اجنبی دوست نے کمنٹ کیا
''جب تُم اتنی ہی خوب صورت تھیں
کاش ہم تب تمہیں ملے ہوتے''
اور میں بیٹھی سوچتی ہوں اب
میں بھی کیا تب اُسے ملی ہوتی؟

ابوبکر جمیل

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خُدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! ''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ خلقِ خُدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو ان وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، پھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا، کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ ان ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپرِدِ ڈاک کرنا خاصا دقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ ان صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپرِدِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ **=/500** روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کر دیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اس شعبے سے متعلق ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات تو کین منی **=/500** روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اس رقم میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1)......مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2)......منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کریں۔

(3)......اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

88-C II خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

دانتوں کی دوا

دانتوں کے جملہ امراض کے لیے اکسیر دوا ہر عمر اور ہر جنس کے افراد کے لیے دستیاب ہے' اپنا آرڈر سچی کہانیاں کے دفتر فون کر کے نوٹ کروائیں۔

□ ثوبیہ قمر۔ کراچی۔

o محترم بابا جان! آداب! مسئلہ یہ ہے کہ میرے تین بچے ہیں جو ہر وقت لڑتے رہتے ہیں۔ بڑی بیٹی کی عمر 15 سال' چھوٹی کی عمر 13 سال اور بیٹے کی عمر 10 سال کا ہے۔ میں ان کی وجہ سے بڑی پریشان رہتی ہوں۔ بیٹیوں کو کچھ کہہ دو تو جواب دینے لگتی ہیں۔ گھر کے کاموں میں بھی دل نہیں لگاتی ہیں۔ گھر میں بھی اُن کا دل نہیں لگتا ہے۔ میں اپنے بچوں کی وجہ سے بڑی پریشان ہوں اور بہت ٹینشن لیتی ہوں۔ برائے کرم آپ مجھے پڑھنے کے لیے کوئی وظیفہ یا دُعا وغیرہ دیں جو میں پڑھوں تو بچے ٹھیک ہو جائیں۔ اگر آپ جون کے رسالے میں میرا خط شائع کر دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ آپ کے لیے دُعا گو ایک بیٹی۔

☆ بیٹی ثوبیہ! نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ جب جب یاد آئے' بچوں پر الحمد شریف اور چاروں قُل پڑھ کر ضرور دَم کر دیا کرو۔ کوشش کرو' بچوں کو بہت میٹھا خاص طور سے مشروبات مت دو۔ تم خود فرق محسوس کرو گی۔

□ ر۔ خ۔ کراچی۔

o محترم بابا جی! السلام علیکم! بابا جی! گزارش یہ ہے کہ میری عمر اب بڑھتی جا رہی ہے اور اب تک کوئی رشتہ نہیں آیا ہے۔ بابا جی! میرے رشتے کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ والد صاحب انتقال کر چکے ہیں اور میری والدہ صاحبہ مستقل بیمار رہتی ہیں۔ اسی پریشانی میں میری بہن کی شادی بہت غلط جگہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بہن بہت پریشان ہیں۔ آپ میری مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی اچھا اور بااثر وظیفہ بتائیں جس سے میرا کوئی جلدی اور معیاری رشتہ آجائے۔ بابا جی! میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے چہرے میں کشش نہیں ہے اور رنگ کالا ہے۔ بابا جی! دُرودِ جمال میرے پاس ہے۔ اس کے پڑھنے کی اجازت اور طریقۂ کار مجھے بتا دیں یا کوئی اور دُعا بتا دیں جس کے پڑھنے سے میں خوبصورت اور پرکشش ہو جاؤں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔

اطلاع عام

قارئین بھائی' بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا پتا نوٹ فرمالیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ اس ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: II-C-88۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7' کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 021-35893122-35893123

چہرے پر رونق نہیں ہے' کیل مہاسے' جھائیاں ان سب سے نجات حاصل کرنے کے لیے خالص جڑی بوٹیوں سے تیار دواچی کہانیاں کے دفتر سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

☆ بیٹی! ایک وقت میں ایک ہی وظیفہ کرو۔ بعد نمازِ فجر ایک بار سورۃ احزاب پڑھو اور دُعا کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔ نہار منہ آدھا گلاس گرم پانی میں ایک چمچہ شہد اور آدھا لیموں نچوڑ لو پھر بسم اللہ کر کے پانی پی لو۔ بہت فائدہ ہوگا۔

□ نسرین۔ کراچی۔

o محترم بابا جی! السلامُ علیکم! عرض یہ کہ میری امی بہت پریشان ہیں' ان کا مسئلہ یہ ہے کہ میرے ابو کا تین سال پہلے بہت بڑا کاروبار تھا مگر دوسروں کی باتوں میں آ کر انہوں نے ان فیکٹری والوں کے خلاف درخواست کی جو انہیں ادھار مال دیتے تھے جس کی وجہ سے فیکٹری والوں نے اب مال دینا بند کر دیا ہے۔ ابو نے بہت سے لوگوں کو بیچ میں ڈالا مگر وہ نہیں مان رہے ہیں۔ ابو کو اب احساس ہوا ہے کہ انہوں نے دوسروں کی باتوں میں آ کر غلطی کر دی مگر یہ سب کروانے والے کوئی اور نہیں' ابو کے دوست تھے جو ابو کا کاروبار اچھا نہیں دیکھ سکتے۔ انہوں نے دوستی کی آڑ لے کر ہمارا سارا کاروبار بند کروا دیا۔ اب ہم لوگ تین سال سے بہت پریشان ہیں اور قرض بھی دو لاکھ کا ہو گیا ہے۔ بابا جی! ان مسئلے میں میری امی بہت پریشان ہیں ان مسئلے میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ پہلے ابو بہت جوا کھیلتے تھے اور اب جو بھی کام کرنے کا سوچتے ہیں یا کرتے ہیں تو وہ کام ہوتا نہیں یا تو ہوتے ہوتے رک جاتا ہے۔ بابا جی! سب لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے گھر اور گھر والوں پر بندش ہے جس کی وجہ سے ہم نے مولوی کو بتایا تو انہوں نے بھی یہی کہا ہے۔ بابا جی! میں آپ کو یہ خط میری امی کی وجہ سے لکھ رہی ہوں کیونکہ وہ سب سے زیادہ پریشان ہیں۔ بابا جی! میں اپنی ماں کی ایک ہی بیٹی ہوں۔ میرے چھے بھائی ہیں جو چھوٹے ہیں۔ میری منگنی ہو چکی ہے اور میرے سسرال والے چاہتے ہیں' جلد از جلد میری شادی ہو جائے۔ بابا جی! گھر والے شادی تو کر دیں مگر کس طرح؟ پہلے ہی اتنا قرض ہے جس کو دینے کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تو میری شادی کیسے کریں گے؟ بابا جی! مہربانی کر کے کوئی ایسا جلالی وظیفہ دیں کہ میری امی کی ساری پریشانی دور ہو جائے اور میرے ابو کو اسی فیکٹری یا کسی دوسری فیکٹری سے مال ملنے لگے۔ یا تو ہمیں کوئی تعویذ بنا دیں جس سے ہمارے حالات اچھے ہو جائیں۔ ہم آپ کو بہت دُعا دیں گے۔

☆ بیٹی نسرین! اچھا برا وقت سب پر آتا ہے' بس جو لوگ صبر اور ہمت سے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں' وہ ضرور کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تم بھی یہ یقین رکھو' سب اچھا ہوگا پھر محنت کرنے والے کبھی ناکام نہیں ہوتے۔ نمازِ عشاء کے بعد ایک بار سورۃ رحمٰن پڑھو اور دُعا کرو۔ مدت 41 دن ہے۔

□ نفیسہ۔ کراچی۔

o محترم بابا جی! السلامُ علیکم! بابا جی! مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک لڑکے کو پسند کرتی ہوں مگر مسئلہ یہ ہے کہ میری اس کے ساتھ شادی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ

بے اولاد جوڑوں کے لیے شرطیہ علاج' بانجھ پن یا کسی اور وجہ سے اگر اولاد نہ ہوتی ہو تو فوری رابطہ کریں۔ اور چند ماہ کے علاج کے بعد اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں میں کھلائیں۔

غیر برادری سے ہے۔ ہم لوگوں میں کبھی غیروں میں رشتہ نہیں ہوتا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اسے بھول جاؤں مگر نہ چاہتے ہوئے بھی اس لڑکے سے بات کرنے پر مجبور ہوں۔ میں نے اس سلسلے میں ایک مولوی سے بات کی ہے' وہ کہتے ہیں کہ آپ کے اوپر بندش ہے جس کی وجہ سے میں نے تین ماہ علاج کروایا مگر فائدہ نہیں ہوا۔ میں چاہتی ہوں کہ میری اس لڑکے سے جان چھوٹ جائے اور اچھی جگہ میرے ماں باپ کی پسند سے رشتہ ہوجائے۔ میں نماز بھی پابندی سے ادا کرتی ہوں۔ ہوسکے تو مجھے تعویذ بنادیں۔ میں نے پہلے بھی دو دفعہ جوابی لفافہ بھجوایا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔

☆بیٹی نفیسہ! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ جوابی لفافے پر اپنا پتہ صاف صاف لکھا کرو تاکہ جواب درست پتے پر پہنچے۔ تعویذ کے لیے کچھ تفصیلات درکار ہوتی ہیں' وہ ارسال کردو تو پھر تعویذ تیار کیا جائے گا۔

□ صائمہ۔ بہاولپور۔

o پیارے بابا جی! السلام علیکم! امید کرتی ہوں کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گے اور دُعا کرتی ہوں' اللہ عزوجل ہمیشہ آپ کو خوش اور صحت مند رکھے۔ (آمین!) اس کے بعد عرض ہے' میں صائمہ غفار' بہاولپور سے خط لکھ رہی ہوں۔ مسئلہ میرا اور میری بہن سدرہ غفار کا ہے۔ ہم دو سال سے مسلسل میٹرک کے امتحان دے رہے ہیں لیکن فیل ہوجاتے ہیں اور اس سال بھی اسی وجہ سے ہم نے پیپر نہیں دیئے۔ مسئلہ یہ ہے' ہم سبق یاد کرنے کی بہت کوشش کرتے ہیں مگر یاد نہیں رہتا ہے۔ ہاں' اگر یاد ہو بھی

بالوں کا گرنا' خشکی' بے جان بال ان سب کے لیے جڑی بوٹیوں سے تیار 150 سو سال پرانا نسخہ..... اب آپ بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ رابطہ

.....35893121-35893122

جائے تو کمرۂ امتحان میں بھول جاتے ہیں۔ اب آپ استخارہ کرکے ہمارے مسئلہ کا حل بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بابا جی! پلیز' پلیز' آپ ہمارے مسئلہ پر ضرور غور کیجیے گا اور اس کا حل بھی۔ ہم بہت پریشان ہیں۔ شکریہ۔ ہم دونوں زندگی بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولیں گے۔

☆بیٹی صائمہ! اللہ تمہاری حاجت قبول فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ نمازِ فجر اور عشاء کے بعد 7-7 تسبیح پڑھو۔ رَبِّ زِدنی علما پھر دُعا کرو۔ مدت 41 دن ہے۔

□ فوزیہ بخش۔ لاہور۔

o بابا جی! میری عمر 27 سال ہے۔ والد حیات نہیں۔ والدہ اور دو شادی شدہ بھائیوں کے ساتھ ہوں۔ بھابھیوں کا رویہ درست نہیں۔ میں اپنا اور اپنی ماں کا خرچہ خود اٹھاتی ہوں۔ ایک پرائیویٹ ادارے میں نوکری کرتی ہوں۔ چاہتی ہوں' کسی ایسے شخص سے شادی ہوجائے جو میری والدہ کو میرے ساتھ ہی رہنے دے۔ جیسے جیسے عمر بڑھ رہی ہے' امی بہت فکرمند رہنے لگی ہیں۔ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں۔ اس سلسلے میں مدد کردیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس رمضان سے پہلے کوئی سلسلہ ہو جائے۔ باقی اللہ کی مرضی!

وہ بچے اور بچیاں جو دبلے پن سے پریشان ہیں اور لوگوں کے ہتک آمیز جملوں کا نشانہ بنتے ہیں فوری طور پر رابطہ کریں 2 مہینے کے علاج سے اس مسئلے سے جان چھوٹ جائے گی۔

اندرونی اور بیرونی زخموں' آپریشن کے بعد ٹانکوں کا کچارہ جانا یا کسی بھی قسم کی چوٹ کے لیے دوا دستیاب ہے۔ جن گھروں میں چھوٹے بچے ہیں وہاں اکثر کھیل کود کے دوران سر پر چوٹ لگ جاتی ہے ایسے میں یہ دوا سر میں خون جمنے نہیں دیتی' دوا حاصل کرنے کے لیے سچی کہانیاں کے دفتر فون کریں۔

☆ بیٹی فوزیہ! مندرجہ بالا آیت نمازِ عشاء کے بعد 1100 بار پڑھو اور دُعا کرو۔ حسبِ استطاعت صدقہ خیرات ضرور کیا کرو۔ بیٹی! تمہارا یہ جملہ ''باقی اللہ کی مرضی۔'' مجھے بہت اچھا لگا۔ خوش رہو۔ 41 دن بعد مجھے پھر مطلع کرو۔

□ ریحانہ گل۔ پشاور۔

o بابا جان! السلامُ علیکم! میں بہت پریشان ہوں۔ میرے شوہر بہت سخت گیر ہیں۔ بچوں کے ساتھ بہت سخت رویہ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے دونوں بیٹے بہت بددل ہو رہے ہیں۔ باپ کے سامنے تو ہمت نہیں مگر مجھے کہتے رہتے ہیں کہ جیسے ہی موقع ملا' ہم گھر سے چلے جائیں گے۔ بابا جان! میں اپنے شوہر کو سمجھاتی ہوں مگر ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بچیاں بھی سہمی سہمی رہتی ہیں۔ گھر کے ماحول کی وجہ سے ہمارے گھر کوئی مہمان بھی نہیں آتا۔ لوگوں کے سامنے ہی بچوں کو گالیاں دینا شروع ہو جاتے ہیں۔ بابا جان! کوئی ایسا وظیفہ دیں کہ ان کا دل نرم ہو جائے۔ بڑا بیٹا 18 سال کا ہے اور چھوٹا 16 سال کا۔ مجھے اپنے بچوں سے کوئی شکایت نہیں' بس یہ ایک مسئلہ بہت تکلیف دہ ہے۔

☆ بیٹی ریحانہ! اللہ تمہارے شوہر کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔ بچے سختی سے بگڑ جاتے ہیں اور پھر آج کل کے بچے تو بالکل بھی سختی کے عادی نہیں۔ تم بچوں کو محبت اور نرمی سے سمجھاؤ کہ وہ گھر چھوڑنے کی بات نہ کیا کریں۔ اس طرح تو وہ تمہیں اور بہنوں کو اکیلا کر دیں گے۔ وہ یقیناً تمہاری بات سمجھ جائیں گے۔ بعد نمازِ فجر اور عشاء 33-33 بار سورۃ الناس پڑھ کر پانی پر دَم کر دو اور یہ پانی شوہر کو پلا دیا کرو۔ بچوں پر دن میں 3 بار الحمد شریف اور چاروں قُل پڑھ کر ضرور دَم کرو۔ مدت ایک ماہ ہے اور اگر ممکن ہو تو مجھ سے تعویذ منگوالو۔

□ طارق محبوب۔ کراچی۔

o بابا جی! میں بہت عرصے کے بعد آپ سے مخاطب ہو رہا ہوں۔ زندگی کے بکھیڑوں میں ایسا الجھا کہ کچھ ہوش ہی نہیں رہا۔ 3 ماہ قبل میرا اکلوتا بیٹا خون کے سرطان میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔ آخری دنوں میں جو اس کی حالت تھی' وہ دیکھی نہ جاتی تھی۔ بہرحال اللہ کی امانت تھی' اس نے واپس لے لی۔ اس کی ماں کو تو اب تک صبر نہیں آیا ہے۔ دن و رات روتی ہے۔ بابا جی! میں چاہتا ہوں کہ اللہ ہمیں دوبارہ اپنی رحمت سے نوازے اور مکمل زندگی والی اولاد عطا فرمائے۔ اس سلسلے میں اگر تعویذ بھی درکار ہو گا تو میں لے لوں گا۔ بس بابا جی! دُعا کریں کہ اللہ مجھے اور میری بیوی کو صبر عطا کر دے۔ شاید دوسرے بچے کے آنے سے جانے والی اولاد کا دکھ کچھ کم ہو جائے۔

☆ بیٹے طارق! اللہ تم دونوں میاں بیوی کو صبر عطا فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھا کرو۔ میں تعویذ تیار کر دوں گا۔ تم مجھے اپنا

بچیاں جن کی شادی میں رکاوٹ ہے اپنی والدہ کے نام کے ساتھ لکھیں کلام الٰہی سے شرطیہ علاج انشاء اللہ چند دنوں میں رکاوٹ دور ہوں گی اور من پسند شخص ملے گا۔

اور بیوی کا مکمل نام مع تاریخ پیدائش ارسال کرو۔ دکھ یقیناً بہت بڑا ہے مگر یاد رکھو اولاد ہمارے پاس اللہ کی امانت ہوتی ہے اور وہ جب چاہے اپنی امانت واپس لے سکتا ہے۔ اگر یہ بات سمجھ لو گے تو دکھ کم ہو جائے گا۔

□ روشن آراء۔ برمنگھم۔

○ بابا جی! میں بہت بدنصیب ہوں۔ شوہر کے ساتھ لندن آئی' بہت مشکل وقت دیکھا۔ جب حالات کچھ قابو میں آئے تو شوہر چل بسے۔ تین چھوٹے بچوں کے ساتھ پردیس میں جس تکلیف میں وقت گزارا' وہ صرف میں ہی جانتی ہوں۔ بچوں کی تعلیم مکمل کروائی' بیٹیوں کی شادی کی' وہ اپنے گھر میں خوش ہیں' بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی سے کی کہ گھر کی بچی ہے' عزت کرے گی اور میرا بڑھاپا سکون سے گزر جائے گا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ بیٹا بھی بیوی کی بات مانتا ہے۔ مجھے اپنے پوتے کو پیار کرنے کی اجازت نہیں' ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی دنوں میں بیٹے اور پوتے کی شکل کو ترستی ہوں' گھر میرا ہے ورنہ یہاں سے نکال دی جاتی۔ پتہ نہیں بابا جی! ان لوگوں کو مجھ سے کیا شکایت ہے؟ خاندان میں بات بتانا نہیں چاہتی' ساری زندگی تنہا اس لیے وطن سے دور گزار دی کہ عزت رہے مگر اب ایسا نہیں لگتا۔ میں بہت دکھی ہوں۔ مجھے کوئی حل بتایئے۔

☆ بیٹی روشن.....! صبر اور مستقبل مزاجی سے حالات کا سامنا کرو۔ میں جانتا ہوں' تم نے اپنی اولاد کے لیے بہت دکھ اٹھائے۔ اللہ تمہیں اس کا صلہ دے گا۔ جلد تمہارے بیٹے کو اندازہ ہوگا کہ وہ زیادتی کر رہا ہے۔ بس تم ہمت رکھو۔ نماز پابندی سے ادا کیا کرو اور بعد نمازِ فجر ایک بار سورۃ یٰسین ضرور پڑھو۔ کرم ہوگا انشاء اللہ!

□ ثوبیہ ارشد۔ ڈنمارک۔

○ بابا جی! تین ماہ قبل والد نے آپ کو میرے بارے میں خط لکھا تھا۔ آپ نے کہا تھا کہ میں خود آپ کو حالات بتاؤں تو بابا جی! مجھے اُردو لکھنا اور پڑھنا نہیں آتی' یہ خط میں اپنی دوست کی امی سے لکھوا رہی ہوں۔ بابا جی! میں صرف اپنی پڑھائی مکمل کر کے جاب کرنا چاہتی ہوں اور اس دوران اگر مجھے کوئی اپنی پسند کا انسان مل گیا تو اس سے شادی کر لوں گی مگر جیسے میرے والد چاہتے ہیں کہ میں اُن کے ساتھ ہری پور جہاں ہمارا گاؤں ہے' وہاں جا کر کسی بھی کزن سے شادی کر لوں' ناممکن ہے۔ بابا جی! ایسی کئی شادیاں یہاں ہوئی ہیں جو بری طرح ناکام ہیں۔ میں اس ملک میں رہتے ہوئے بھی والد کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتی مگر وہ سمجھ نہیں رہے ہیں۔ بہت پریشان کریں گے تو میں ہوسٹل شفٹ ہو جاؤں گی' یہاں اس بات کی سہولت ہے۔ آپ انہیں سمجھایئے۔

☆ بیٹی ثوبیہ! یقیناً تمہارے والد کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تم گھر چھوڑنے کا خیال دل سے نکال دو۔ ظاہر ہے' تمہاری مرضی کے بغیر وہ تمہیں پاکستان لا نہیں سکتے۔ میں براہ راست خط لکھ کر اس کو سمجھاؤں گا۔ تم اپنی ساری توجہ اپنی تعلیم پر رکھو۔ تم واقعی میں بہت اچھی بچی ہو۔ مجھے تمہاری طرف سے مکمل اطمینان ہے۔ خوش رہو۔ کوشش کیا کرو کہ نماز ضرور ادا کرو۔

□ فراز۔ ساہیوال۔

○ بابا جان! میں پچھلے 4 سال سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر ہر بار ناکام ہو جاتا ہوں۔ سب ملنے والے نوکری نہ کرنے کا طعنہ دیتے ہیں اس لیے میں بہت چڑچڑا ہو گیا ہوں۔ میرا بڑا بھائی کینیڈا میں ہے' وہ مجھے بلوانے کی بہت کوشش کر رہا ہے مگر ایمبیسی والے ہر دفعہ کوئی کاغذ کم ہے' کر کے کیس روک لیتے ہیں۔ میں نے لندن جانے کی بھی کوشش کی مگر ناکام ہی رہا۔ مجھے ماسٹرز کیے 7 سال

ہونے والے ہیں۔ جہاں میری بات طے ہے' وہ لوگ بھی شادی کے لیے زور دے رہے ہیں مگر ان حالات میں شادی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ کینیڈا کے لیے اب آخری اسپیشل موقع ہے۔ پلیز' میری مدد کریں۔

☆ بیٹے فراز.....! اللہ تمہارے حق میں بہتر فیصلہ فرمائے۔ نماز کی پابندی رکھو اور دُرود شریف بہت پڑھو۔ اللہ سے ضد نہیں کرتے' نقصان ہوتا ہے۔ اللہ کی رَضا میں راضی رہو' کامیابی خود تمہارے پیچھے پیچھے آئے گی۔ باہر جانے کی کوشش ضرور کرو مگر یہاں بھی نوکری کی تلاش جاری رکھو۔ ظاہر ہے' نوکری کرنے سے تمہیں تجربہ ہی حاصل ہوگا۔ نمازِ فجر اور عشاء کے بعد سورۃ آلِ عمران' آیت 27' 101-101 بار پڑھو اور دُعا کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ زمرد۔ لاہور۔

o بابا جی! میری شادی کو 10 سال ہوگئے ہیں اور میں اب تک اولاد کی نعمت سے محروم ہوں۔ آپ نے پچھلے سال میری دیورانی کو تعویذ دیا تھا جس کی برکت سے اس کے ہاں بیٹی کی ولادت ہوئی۔ میرے بہت پوچھنے پر اس نے آپ کے بارے میں بتایا۔ بابا جی! برائے مہربانی مجھے بھی تعویذ تیار کر دیں۔ میرے شوہر بہت اچھے ہیں مگر اولاد کس کو نہیں چاہیے ہوتی؟ میں جب لوگوں کو اپنے بچوں کے ساتھ دیکھتی ہوں تو دل بہت کڑھتا ہے۔ اللہ کے خزانے میں کسی شئے کی کمی نہیں۔ آپ اس کے نیک بندے ہیں۔ میرے لیے دُعا کریں اور مجھے تعویذ منگوانے کا طریقہ بتا دیں۔

☆ بیٹی زمرد! اللہ تمہیں جلد از جلد نیک اور صحت مند اولاد سے نوازے۔ بے شک اس کے خزانے میں کسی شئے کی کمی نہیں۔ میں تعویذ تیار کر دوں گا مگر اس سے پہلے مجھے تھوڑی سی تفصیل درکار ہوگی لہٰذا مجھے جوابی لفافے کے ہمراہ خط لکھو۔ بیٹی! اللہ سے اچھی امید رکھو۔ وہ اپنے بندوں کی ضرور سنتا ہے۔

□ شاہانہ رسول۔ کراچی۔

☆ بیٹی شاہانہ! خط واضح لکھا کرو' لال روشنائی سے لکھے گئے خطوط کا میں جواب نہیں دیتا کیونکہ مجھے پڑھنے میں بہت دشواری ہوتی ہے۔

□ جہانزیب خان۔ نوشہرہ۔

o بابا جان! میرے بڑے بھائی اور والد کالاہور میں جو بم بلاسٹ ہوا تھا' اس میں انتقال ہوگیا۔ وہ وہاں مزدوری کرتے تھے۔ ہم لوگ بہت غریب ہیں۔ میں بھی اپنے والد اور بھائی کے ساتھ تھا مگر اس دن طبیعت کی خرابی کی وجہ سے کام پر نہیں جا سکا۔ اب بھی جب آنکھیں بند کرتا ہوں تو وہ دونوں نظر آتے ہیں۔ میں گاؤں سے دور نہیں جا سکتا کیونکہ گھر میں میری ماں اور تین جوان بہنیں ہیں۔ میں اکیلا مرد اپنے گھر میں بچا ہوں۔ کام نہ ہونے کی وجہ سے دن بڑی تکلیف میں گزر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں' اپنے گاؤں ہی میں چھوٹی سی کریانے کی دکان کرلوں تاکہ آمدنی کا ذریعہ بھی رہے اور مجھے گھر سے دور بھی نہ جانا پڑے۔ بابا جی! میری بہنیں آپ کا کالم بہت شوق سے پڑھتی ہیں اور انہوں نے ہی مجھے آپ کو خط لکھنے کو کہا ہے۔ میری مدد کریں۔ اللہ آپ کی مدد کرے گا۔

☆ بیٹے جہانزیب! تمہارے والد اور بھائی کا سن کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور تم لوگوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ بیٹے! تمہاری سوچ بالکل درست ہے۔ اب تمہیں اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی رہنا چاہیے بھلے ہی آمدنی کم ہی کیوں نہ ہو۔ اپنی ماں بہنوں کو تنہا مت چھوڑنا۔ نماز کی پابندی رکھو اور ہر نماز کے بعد بکثرت پڑھو۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرحمتکَ اَستغیثُ

اول و آخر دُرود شریف۔ مدت 41 دن ہے۔

□□.....❁.....□□

آپ کی ڈائری

یہ ہے آپ کی پسند' آپ کا انتخاب

قارئین

سب سے اچھا شخص کون؟

ساری اچھائی مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں ہے بلکہ حقیقتاً اچھا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر' قیامت کے دن پر' فرشتوں پر' کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو جو مال سے محبت کرنے کے باوجود قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے' غلاموں کو آزاد کرے نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے تنگ دستی' دکھ' درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں۔

(سورۃ البقرہ 177)

رسول اللہ نے فرمایا

تم سچائی کو لازم پکڑو اور ہمیشہ سچ بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے۔

اُمِ فروا۔ دبئی

اقوال زریں

☆اللہ کو ماننا چاہیے۔ اللہ کو جاننا مشکل ہے۔ ہمارے ذمے تسلیم ہے' تحقیق نہیں۔ تحقیق دنیا کی کرو۔ تسلیم اللہ کو کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کو تسلیم کر لیں اور اللہ کی تحقیق شروع کر دیں۔

☆تسلیم کے بعد تحقیق گمراہ کر دیتی ہے۔

☆بدی کی تلاش ہو تو اپنے اندر جھانکو۔ نیکی کی تلاش ہو تو دوسروں میں ڈھونڈو۔

☆انسان کا ذوقِ سفر اس کا آدھا رہنما ہے یا یوں کہ ذوقِ سفر نہ ہو تو کوئی رہنما نہیں۔

☆موت' زندگی کی محافظ ہے اور زندگی' موت کا عمل ہے۔

☆بے اعتدالی کی اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے کہ انسان کو خوراک کی بجائے دوا کھانی پڑے۔

☆جب تک آنکھ میں آنسو ہیں' انسان' خدا کا تصور ترک نہیں کر سکتا۔

☆انبیاءؑ کا آغاز اولیاءؒ کا انجام ہے اور انبیاءؑ کے انجام کی کوئی حد نہیں۔

☆دولت مندوں کے ساتھ محبت' عزت و وقار رکھو اور غربا و فقرا کے ساتھ انکساری کے ساتھ رہو۔

☆طاقت ور وہ ہے جو غصہ پی جائے۔

مرسلہ۔ حمنہ دانش' کراچی۔

انمول موتی

شیخ سعدیؒ کو ان کے والد نے بچپن میں انگوٹھی خرید کر دی۔ شیخ سعدیؒ کہیں کھیل رہے تھے کہ ایک

اچکے نے مٹھائی کا لالچ دے کر انگوٹھی اتار لی۔ باپ نے سنا تو کہا:

''بیٹا اتنی قیمتی انگوٹھی ایک دھیلے کی مٹھائی کی خاطر کھو دی۔ خیر اب جو ہوا سو ہوا مگر میری بات یاد رکھو جس طرح میں نے تمہیں انگوٹھی دی اسی طرح اللہ نے تمہیں ایک موتی دیا ہے جس کا نام انسانیت ہے دنیا کی چھوٹی چھوٹی لذتیں مٹھائی کی طرح ہیں جو شیطان اس اچکے کی مانند تمہارے واسطے لیے پھرتا ہے تاکہ وہ موتی تم سے چھین لے مگر خبردار یہ انمول موتی مت گنوانا۔''

مرسلہ: جمیرا وارثی۔ رحیم یار خان

تیمور

مغل جب زوال سے دوچار تھے تو ایک ترک برلاس قبیلے میں تیمور لنگ پیدا ہوا۔ وہ ماں کی طرف سے چنگیز خان کا رشتے دار تھا۔ 1380ء میں ترکستان کا حکمران بنا۔ اس نے 1380ء سے 1383ء کے دوران ہرات، قندھار، سیستان فتح کر لیے اور عثمانی ترک حکمران، بایزید یلدرم کو بھی شکست سے دوچار کیا۔ مصر کے مملوک حکمران بھی اس کے باج گزار بن گئے۔ 1398ء میں وہ شہر پر شہر فتح کرتا دہلی جا پہنچا۔ تیمور کے ہاتھوں دہلی کا قتل عام یادگار واقعہ ہے۔ اس نے تغلقوں سے حکومت لے کر سادات کے حوالے کر دی جو اس کے نائب بن کر حکومت کرنے لگے۔

تیمور کی فوجی تنظیم زیادہ موثر اور منظم تھی، اس لیے اسے کامیابیاں ملیں۔ اس نے چغتائی خانوں اور ایل خانی مغلوں کو مطیع کیا تو ایران بھی تیمور کی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ 1404ء میں تیمور کی وفات کے بعد اس کی حکومت نااہل جانشینوں میں بٹ کر پارہ پارہ ہوگئی۔

مرسلہ: ولایت حسین۔ ٹنڈو آدم

آندھی

پتھروں کے مکاں
گھاس کے جھونپڑے
آبگینوں کے اونچے محل
سب حروفِ شکستہ کی تصویر ہیں
جسم و جاں زرد خوابوں کی زنجیر ہیں

شاعر۔ جاذب قریشی

کرونا فاصلے

حیات زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی
کارواں رواں کی ردا چھوٹ گئی
بیماری کرونا کی وبا پھیل گئی
احساسِ تفاخر سب کا مٹ گیا
چلتے چلتے سارا کارواں ہی رک گیا
لمحہ ایسا بیتا کہ تورت آئینہ دکھا گیا
ایمان کمزوری کی علامت بن گئے
سچ تو یہ ہے کہ ہم عبرت نشاں بن گئے
دریائے دل بھی نہ رہا یوں سب لٹ گئے
پیچھے مڑ کر کیا دیکھیں سب اچھا ہی تھا
کیا یاد کریں کیا بھولیں ایسا سوچا نہ تھا
آیا ایسا طوفاں کہ سب مٹنا ہی تو تھا
بے بسی بے کسی ہے سب ہیں دور دور
چلی ایسی ہوا کہ سب ملنے سے مجبور
غریب کا ہوا بھرم امیر کا رہ گیا غرور
کیا جینا کیا مرنا سب ہوا برابر
بھسم ہوا جسم خواب ہوئے برابر
رہ گئے ارمان ختم سب ہوگیا برابر
اس دنیا سے اس دنیا میں ہوگیا اندھیرا
نہ جانے کتنی ہستیوں کا ہوگیا خاک بسیرا
شام آئی رات آئی شاید ہو جائے سویرا
اے خدا تو ہی بتا دے اب ہم کیا کریں

اس چھوٹی سی زندگی کو کیا سنبھالیں
ہیں تیرے محتاج تجھ سے ہی مدد مانگیں
حادثات ہو رہے ہیں کیسے ہیں بے آسرا
تلخ ہو رہی ہے کائنات رہے گا نہ کوئی سہارا
صرف اور صرف تُو ہے ہم سب کا نگہبان
اے خدارا اے خدارا

رفعت خان۔

ورزش

دفتر کے جنرل منیجر کی کاہلی مثالی تھی۔ ایک روز اچانک انہوں نے یہ اعلان کر کے سب کو حیران کر دیا۔ ''بھئی آج میں جمنازیم ضرور جاؤں گا۔''

''بہت خوب.....!'' ایک صاحب نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''آخر آپ کو ورزش کا خیال آ ہی گیا۔''

''ورزش کرنے کو کون کمبخت جا رہا ہے.....''

جی ایم منہ بنا کر بولا۔ ''مجھے تو اپنی ممبر شپ کینسل کروانے کے لیے جانا ہے۔''

مرسلہ: عمر خان۔ سوات

وہ اکیلا ہے

ایک مرتبہ دو چونٹیاں ایک ہاتھی سے ملیں، ایک نے کہا۔

''کیوں رے ہم سے کشتی لڑے گا؟''

اس سے پہلے ہاتھی کچھ بولتا کہ دوسری چیونٹی بولی۔

''ارے بے چارہ کیسے لڑے گا وہ اکیلا ہے اور ہم دو.....''

فائزہ سلمان۔ اسلام آباد

گوتم بدھ

گوتم بدھ نے کہا تم ایک زرد پتے کی مانند ہو۔ موت کے کارندے تمہاری گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ تم ایک سفر کا آغاز کر رہے ہو کوئی اور تمہاری مدد نہیں کر سکتا کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم جلد ایک شمع بن جاؤ جو تمہاری خامیوں کو جلائے اور خوبیوں کو روشن کرے تاکہ تمہیں وہ جوان زندگی میسر آئے اور بڑھاپے اور موت کے ڈر سے باہر ہو۔

حبیب الرحمٰن۔ سکھر

ایک شعر

گرج برس کے بھی طوفان انہیں مٹا نہ سکا
بلا کا عزم تھا ان ڈولتے سفینوں میں

اشفاق بیگ۔ کھاریاں

ماں

چھوٹے تھے تو لڑتے تھے
ماں میری ہے..... ماں میری ہے
بڑے ہو کر لڑتے ہیں
ماں تیری ہے..... ماں تیری ہے

محمد سلیم معین۔ جیکب آباد

شعر

میرا افسانہ عشق ایک عالم ہے تحیر کا
مجھے کہہ کر تعجب ہے انہیں سن کر تعجب ہے

عالیہ۔ پنڈی

غزل

دوستو! آج یہ تجدید وفا کا دن ہے
ہم کو بخشا ہوا یہ اپنے خدا کا دن ہے
جو مٹانے پہ تلے ہیں تیری عظمت کے نشان
ان کے ناپاک عزائم کی قضا کا دن ہے
میر صادق ہو یا پھر میر جعفر بنگال کوئی
اُن کی خاطر یہ بڑے شرم و حیا کا دن ہے
مادرِ پاک کے جانباز شہیدوں کے طفیل
ہم پہ اللہ کی رحمت کی ردا کا دن ہے

شازیہ جاوید۔ پتوکی

سوچنے کی بات

چھوٹی Fish نے اپنی امی سے پوچھا۔

''ممی ہم لوگ ہمیشہ پانی میں کیوں رہتے ہیں۔ زمین پر کیوں نہیں رہتے؟''

ممی Fish نے ہنس کر بیٹی سے کہا۔

''اس لیے کہ ہم Fish ہیں زمین پر تو سب Selfish رہتے ہیں۔''

خصر فرحان۔ مسقط

بھروسہ

اپنے رب پر ہمیشہ بھروسہ رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ نہیں دیتا جو ہمیں اچھا لگتا ہے بلکہ وہ دیتا ہے جو ہمارے لیے اچھا ہوتا ہے۔

مرسلہ: عمرانہ۔ کراچی

اس عہد کے بچے

ایک بچے نے اپنی ماں سے کہا۔ ''امی ابو کتنے کمزور اور بوڑھے نظر آتے ہیں بالکل دادا ابو کی طرح مگر آپ اتنی ینگ اور خوبصورت ہیں کیوں؟''

ماں نے خوش ہوکر پرس میں ہاتھ ڈالا اور پچاس روپے نکال کر بیٹے کو دیے۔

بیٹے نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''صرف پچاس روپے ابو تو مجھے جھوٹی تعریف کے لیے سو روپے دیتے ہیں۔''

مرسلہ: ظل ہما۔ چکوال

ایمان کی تجدید

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔'' کسی نے پوچھا۔ ''یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے ایمان کی تجدید کیسے کرسکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''لاالہ الا اللہ کی کثرت کیا کرو۔''

مرسلہ: کنزیٰ علی۔ سیالکوٹ

فرق

محبت..... مرد کے لیے صرف ایک لمحہ ہوتی ہے۔ جبکہ..... عورت کے لیے ساری زندگی ہوتی ہے۔ مرد کی محبت دھنک کی طرح ہوتی ہے جو ہوتی تو بہت خوبصورت ہے مگر رہتی بہت کم عرصے کے لیے ہے۔ جبکہ..... عورت کی محبت بارش کی طرح ہوتی ہے جو برستی ہے تو دل و جاں کو سکون دیتی ہے برسنے کے بعد بھی دل و جاں کو اپنے سحر میں گرفتار رکھتی ہے مرد کی محبت دانت کے درد کی طرح ہوتی ہے شدید اور سارے وجود کو اپنے آپ مین سمیٹ لینے والی..... مگر جب یہ درد ختم ہوتا ہے تو لگتا ہے کبھی ہوا ہی نہ تھا۔ جبکہ..... عورت کی محبت سر درد کی طرح ہوتی ہے اور درد سارے وجود کو اذیت دیتا ہے مگر ختم ہونے کے بعد بھی جسم و جان کو مضمحل رکھتا ہے بہت دیر تک درد کا احساس باقی رہتا ہے۔

مرد کی محبت چودھویں کے چاند کی طرح ہوتی ہے جو پوری آب و تاب سے چمکتا ہے ہر طرف روشنی کردیتا ہے مگر پھر آہستہ آہستہ گھٹنا شروع کردیتا ہے اور گم ہوتے ہوئے بالکل ختم ہوجاتا ہے۔ جبکہ..... عورت کی محبت پہلی رات کے چاند کی طرح ہوتی ہے جو شروع میں تو بہت کم ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ اُس کی روشنی اور شدت بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ عروج پر پہنچ جاتا ہے۔

طیب شاہ۔ جہلم

پردہ اور حیا

پردہ اور حیا میں یہ فرق ہے کہ پردہ کسی کو پاس نہیں آنے دیتا اور حیا آپ کو کسی کے پاس جانے نہیں دیتی۔

رباب جعفری۔ کوہاٹ

شعر و سخن

غزل

یہ زندگی گزار دی جس کے خیال میں
بھولے سے بھی یاد آنا نہیں ان کو میرا خیال
خوسبو کی طرح بستے ہو میرے خیال میں
پھولوں سے بھی حسین ہے جاناں تیرا خیال
مشکل سے مٹاتا ہوں میں تصور آپ کی
پل بھر ستاتا رہتا ہے پھر سے نیا خیال
ساقی آج رات تغافل سے کام لے
اتنی پلا دے آج کہ مدہوش ہو خیال
تنہا میں رو رہا تھا اپنے نصیب پر
رویا لپٹ لپٹ کر مجھ سے میرا خیال
اعجاز مشکلوں میں تو رہتا ہے اس لیے
توں فرش پہ ہے عرش پر رہتا ہے یہ خیال
اعجاز حسین پراچہ

نمکین غزل

واہ کیا عجب یہ صورت حالات ہوگئی
پہلے تو اک تھپڑ پڑا ' پھر لات ہوگئی
تھپڑ ختم ہوئے تو پھر مکوں کا زور تھا
کچھ اس طرح کی خاطر مدارات ہوگئی
اُس بے گھر کو گھر تو کوئی نہ مل سکا
ہاں یہ ضرور ہوا کہ حوالات ہوگئی
واہ کیا عجب نصیب تھا اُس بدنصیب کا
مانگا کبھی جو دن تو پھر رات ہوگئی
مچھروح قمار عشق میں بازی نہ لے سکا
جیتی کبھی بھی بازی نہ صدمات ہوگئی
مچھروح چران پوری

عارضی جدائی

سنو سسٹرز
جب ہم تم سے قریب نہ رہیں
تم بھول جانا
محبت کی سب باتیں
تم بھول جانا
وہ چاند کی چاندنی راتیں
کہ اب وقت جدائی ہے
بچھڑ کر ہم کبھی کبھی ملیں گے
یہ زندگی کی ایک نئی رُت آئی ہے
سوزندگی کو قریب سے برتو
یہ سب اپنی عارضی جدائی ہے

روبی مریم حمید

غزل

کچھ ایسے بھیانک چہرے دیکھے
تن اُجلے من کالے دیکھے
اندھیاروں نے جن کو لوٹا
وہ مایوس اُجالے دیکھے
ظلم بھی حد سے بڑھ کر دیکھا
اور لبوں پہ تالے دیکھے
جھوٹ فریب کی اس دنیا میں
آہیں آنسو نالے دیکھے
راہبر تھے جو بنے ہیں راہزن
قافلے لوٹنے والے دیکھے
سچ والوں کی داغی زبانیں

شعر و سخن

عہد وفا

آج وفا کا عہد نبھائے کون
اس پریم کا روگ مٹائے کون
ہر سو پھیلی ہے نفرت کی آندھی
الفت کے دیپ جلائے کون
ہر گام بسیرا ہے راہزن کا
منزل کی راہ دکھائے کون
تا افق پھیلے ہیں غم کے بادل
برسات خوشی کی برسائے کون
من پر زخم ہیں اپنوں کے
اب منصف نیا بلائے کون
یونہی تنہا زیست کا سفر اپنا
حسن ہمیں سنگ ملائے کون

ایم حسن نظامی

غزل

آنکھوں کو اپنی تھکایا بہت ہے
وہ اک شخص کہ جس کے لیے خود کو رُلایا بہت ہے
جس کی محبت ہے زیادہ کہ ضرورت ہے زیادہ
اس دل نے اسے سمجھایا بہت ہے
مت پوچھ کہ میں جیتا تنہا کیسے ہوں
یہ پوچھ کہ کیسے خود کو بہلایا بہت ہے
مٹی کے ہے انسان مٹی میں جا ملوں گا
انسانیت کو انسان نے مٹایا بہت ہے
دل نہیں مانتا کہ زندگی ایسے برباد ہوئی ثمر
در پہ خدا کے جا جا سر جو جھکایا بہت ہے

ثمر احمد

غزل

وہ حال اپنا سنا رہا تھا
کہ جیسے مجھ کو بلا رہا تھا
میں تھامے چھت اس کی کھڑا تھا
وہ میرا کچا مکان گرا رہا تھا
وہ تھامے بازو میرے رقیب تھا
میری برائیاں بتا رہا تھا
میں سر جھکائے کھڑا تھا یوں
وہ دیکھ کر مجھے مسکرا رہا تھا
نہ جانے اس کو کیا ہوا ہے
وہ ہاتھ اٹھائے مجھے بلا رہا تھا
میں دور اس سے کیسے جاؤں
وہ میری جانب ہی آرہا تھا
میں نے تنہا ہو کے جینا سیکھ لیا ہے
یہ بات سن کر وہ آنسو بہا رہا تھا

..........*

وہ کیوں مجھ سے اظہار نہیں کرتا
میرے پیار کے بدلے میں پیار نہیں کرتا
شاید اس لیے کہ میں اس کا محبوب نہیں
وہ ناز میرے یوں نہیں اٹھاتا
اک کسک سی دل میں ہے میرے
وہ کیوں مجھے نہیں پکارتا
جیسا وہ چاہتا ہے ویسا ہی پاتا ہے مجھے
پھر بھی پلٹ کر ایک بار نہیں آتا
حمیرا اس میں اُس کا بھی کوئی قصور نہیں
دل جسے جگہ نہ دے وہ دل میں نہیں اترتا

حمیرا انجم وحید

شعر و سخن

جھوٹے منصب والے دیکھے
پیار میں اجڑے شاہ و گدا بھی
اور نازوں کے پالے دیکھے
جاوید وہ دے گئے پیار میں دھوکہ
سجن جو بھولے بھالے دیکھے

شاعر: جاوید اختر/ انتخاب: سلیمان شبیر

غزل

ہجر کی شام دھیان میں رکھنا
ایک دیا بھی مکان میں رکھنا
آئینے بیچنے کو آئے ہو
چند پتھر بھی دکان میں رکھنا
اے زمین حشر میں بھی ماں کی طرح
مجھ کو اپنی اَمان میں رکھنا
تیر پلٹے تو دل نہ زخمی ہوا
یہ ہُنر بھی کمان میں رکھنا
اک دیا یقیں سے روشن ہو
ایک عالم گمان میں رکھنا
خود جب بھی غزل سنو مجھ سے
آئینہ درمیان میں رکھنا
دل سے نکلے نا یاد قاتل کی
یہ شکاری مچان میں رکھنا
جب زمین کی فضا نہ راس آئے
آسمان کو اڑان میں رکھنا
مرثیہ جب لکھو بہاروں کا
زخم کوئی زبان میں رکھنا
خود بھی وہموں کے جال میں رہنا
اُس کو بھی امتحان میں رکھنا
اتنی رسوائیاں بھی کیا محسن؟
کچھ بھرم تو جہان میں رکھنا

شاعر: محسن نقوی/ انتخاب: غلام مرتضیٰ علوی

محبتیں کم ہوگئی ہیں

کیا زمانے تھے کیا لمحات تھے کیا دن تھے
سب اچھا تھا سب خالص تھا نقلی کچھ نہ تھا
لیکن اب وقت کم اور محبتیں کم ہوگئی ہیں
زندگی کتنی سہل تھی عجب تو تھا ہی نہیں
آس پاس دور و نزدیک سب خبر رہتی تھی
لیکن اب وقت کم اور محبتیں کم ہوگئی ہیں
دل بھی ملتے تھے غم بھی سانجھے تھے
ایک دوسرے کے لیے مرمٹ جاتے تھے
لیکن اب وقت کم اور محبتیں کم ہوگئی ہیں
کیا ہندو کیا عیسائی سب تھے بھائی بھائی
اب تو دکھاؤ نیچا اور کرلو دوسروں پر رسائی
لیکن اب وقت کم اور محبتیں کم ہوگئی ہیں
روہے تو اب بدلے ہوئے برسوں بیت گئے ہیں
دل اعتبار کو اب سخ کے لیے نین ترس گئے ہیں
لیکن اب وقت کم اور محبتیں کم ہوگئی ہیں
سچ پوچھو تو زندگی اب بہت مشکل ہوگئی ہے
تڑپتے ہوئے ارمانوں کی اب بہتات ہوگئی ہے
لیکن اب وقت کم اور محبتیں کم ہوگئی ہیں

رفعت خان

بنجارا، جوگی، آوارہ

وہ گھر سے نکلا، دُکھیارا، بنجارا، جوگی، آوارہ
ہے بھوک کا مارا، بے چارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
اُس روز تو ہوش میں آیا تھا کچھ روز کی فاقہ مستی سے
اب دیکھے خون کا فوارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
کیوں یاد دلاتے ہو اُس کو، بچپن کی محبت دل کی لگی
کیا یاد رکھے گا گہوارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
اک روز تو یہ حد ہو ہی گئی، پنگھٹ پہ کسی نے پیار کیا
اب یاد کرے وہ پوبارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
پھر یاد اُسی کی آئی ہے، پنگھٹ پر جس نے بولا تھا
اس بار کہو، پھر دوبارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
اس وقت پہ حالت کیا ہوگی، اُس یاد کی صورت کیا ہوگی
جب چھوڑے ہوا میں غبارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
کچھ بات بنی کچھ دل ٹھہرا، جب مسجد مندر دیر و حرم
اور دیکھ کے آیا گردوارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ

اب چھاپ لگی بے دینی کی، وہ ملحد، کافر باغی ہے
اب دے گا کس کو کفارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
وہ سچ کا طالب انسان تھا، وہ ایک خدا کا بندہ تھا
پھر بن گیا مثلِ نقارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
فٹ پاتھ پہ اب وہ رہتا ہے، اور پیڑ کے نیچے سوتا ہے
اب بھول گیا وہ چوبارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
اب یادِ خدا میں بیٹھا ہے اور دان کسی سے لیتا نہیں
ہے سر پہ اٹھائے پشتارہ، بنجارا، جوگی، آوارہ
اب سوختہ دل کہلاتا ہے، یہ دان ملا اُس وقت اُسے
جب عشق میں ہو گیا انگارا، بنجارا، جوگی، آوارہ
وہ بھول گیا ہے، خود کو مگر، حسنین کی صورت میں آ کر
اب ڈھونڈ رہا ہے مینارہ بنجارا، جوگی، آوارہ

شمیم حسنین

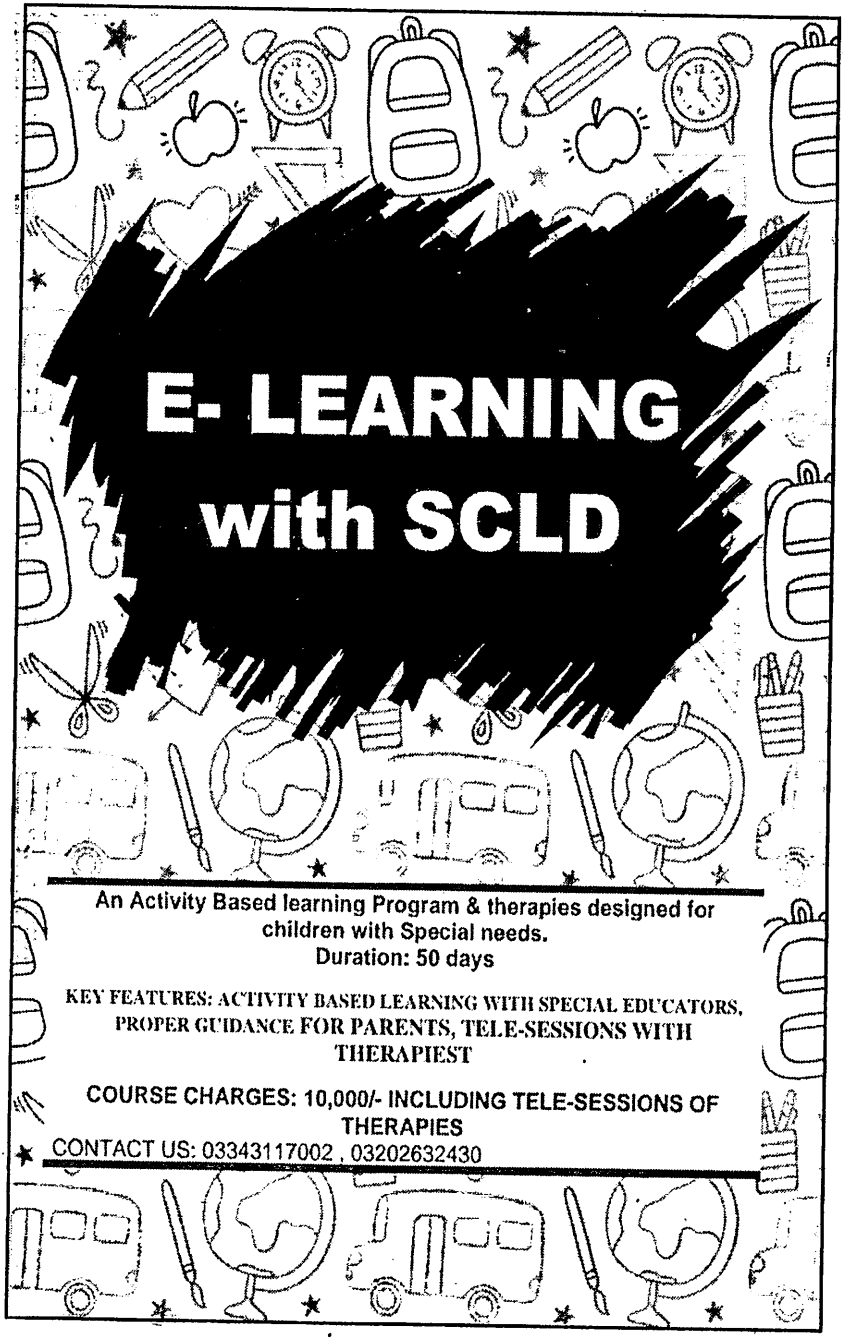
E- LEARNING
with SCLD
An Activity Based learning Program & therapies designed for children with Special needs.
Duration: 50 days
KEY FEATURES: ACTIVITY BASED LEARNING WITH SPECIAL EDUCATORS, PROPER GUIDANCE FOR PARENTS, TELE-SESSIONS WITH THERAPIEST
COURSE CHARGES: 10,000/- INCLUDING TELE-SESSIONS OF THERAPIES
CONTACT US: 03343117002 , 03202632430

پاکستانی شوبز

شوبز سے جڑی تہلکہ خیز خبریں.....

اور نئی ریلیز.....

ادارہ

سب سے بڑا فلمی ایوارڈ

آسکر ایوارڈ کمیٹی میں اب پاکستانی فنکار بھی شامل ہوگئے یہ ایک اچھی خبر ہے مہوش حیات، فیصل کپاڈیہ (Strings Band) حسن شہریار، معروف فیشن ڈیزائنر اور شرمین عبید چنائے یہ وہ نام ہیں جو اب آسکر کس فلم کو دینا چاہیے اور کس اداکار اور اداکارہ کو فیصلے میں شامل ہوں گے۔

نیا برانڈ

ہم سب کی پسندیدہ اداکارہ بہنیں ایمن اور منال نے اپنا برانڈ لانچ کردیا ہے ایمن منال کلازٹ کے نام سے کپڑوں کی وسیع رینج متعارف کرائی گئی ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کپڑوں کے

رنگ تو بہت ہی خوبصورت اور مختلف ہیں۔ ہم ایمن اور منال کے اس برانڈ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہیں

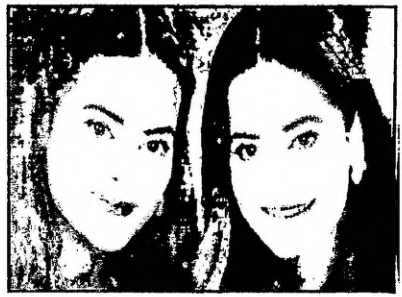

اور امید کرتے ہیں کہ جلد منال اور اداکار احسن محسن کی منگنی کی خبر بھی سنیں گے۔

بدتہذیبی

ناصر خان جان سے سوشل میڈیا استعمال کرنے والے تمام لوگ بہت اچھی طرح واقف ہیں وہ اکثر و بیشتر تنقید کا بھی نشانہ بنتے رہتے ہیں مگر اس خبر نے کہ ان کی منگنی ہوگئی ہے اور جلد نکاح ہونے والا ہے نے

تو تہلکہ ہی مچا دیا۔ بہت سے لوگوں نے مبارکباد دی بھی اور کچھ نے مذاق بھی اڑایا۔ ناصر جان جلنے والوں کی کمی نہیں ہے اور تہذیب سے عاری لوگوں کا تو کام ہی سوشل میڈیا کا منفی استعمال کرنا ہے لہٰذا آپ دل چھوٹا مت کیجیے اور ادارہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں کی جانب سے اس پر مسرت موقع پر ڈھیروں مبارکباد وصول کیجیے۔

ہائے ٹک ٹاک

بالآخر ٹک ٹاک پر پابندی لگ ہی گئی۔ حکومت پاکستان نے یہ فیصلہ کیا کہ ٹک ٹاک پر سوائے بے ہودگی اور فحاشی پھیلانے کے اور کچھ نہیں ہو رہا۔

معاشرہ پہلے ہی تنزلی کا شکار ہے اوپر سے اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں کو مزاح کا نام دینا مزید شر انگیزیاں پیدا کر رہا ہے لہٰذا ٹک ٹاک پر مکمل پابندی' ہم حکومت پاکستان کا اس فیصلے کا خیر مقدم کرتے ہیں کم از کم اب نوجوان نسل وقت کا زیاں کرنے کے بجائے مثبت کاموں میں دلچسپی لے گی۔

حد ہوگئی

علیزے شاہ جنہیں ابھی شوبز انڈسٹری میں

آئے زیادہ وقت نہیں ہوا ہے اور ان کے کریڈٹ پر چند ہی ڈرامے ہیں نے بھی پلاسٹک سرجری کروالی ہے۔ پلاسٹک سرجری کے بعد ان کے چہرے پر واضح فرق محسوس ہو رہا ہے۔ علیزے شاہ محض 18 سال کی ہیں اور اتنی کم عمری میں ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ وہ ان اداکاراؤں کے نقش قدم پر چلنے لگیں جو یا تو ادھیڑ عمر ہیں یا معمولی نقوش کی حامل..... ہمارا تو مشورہ علیزے شاہ سمیت تمام اداکاراؤں کو ہے کہ اداکاری پر توجہ دیں تو یقیناً انڈسٹری پر راج کریں گی۔

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

سچی کہانیاں ملنے میں اگر دشواری ہے تو ان نمبرز پر رابطہ کیجیے

کراچی ایجنٹ	0300-2680248	
لاہور ایجنٹ	042-37249813	0300-4009578
راولپنڈی	051-5765665	0345-5058891
ملتان	061-4586533	0300-6301461
حیدرآباد	022-2780128	0321-3060477
پشاور	091-2212515	0344-9290185
فیصل آباد	0300-6698022	041-8503629
نواب شاہ	0244-362138	0344-3445464
الفتح نیوز ایجنسی، سکھر	0300-9313528	071-5613548

نمائندہ خصوصی

جاوید راہی	0300-9479844	اوکاڑہ
ارشد اقبال چوہان	0300-9657926	فیصل آباد/جڑانوالہ
عبدالغفار عابد	0300-4319264	چیچہ وطنی/ساہیوال
مور شاہد	0301-2868143	قمبر/شہداد کوٹ
مجید احمد جائی	0301-7472712	ملتان